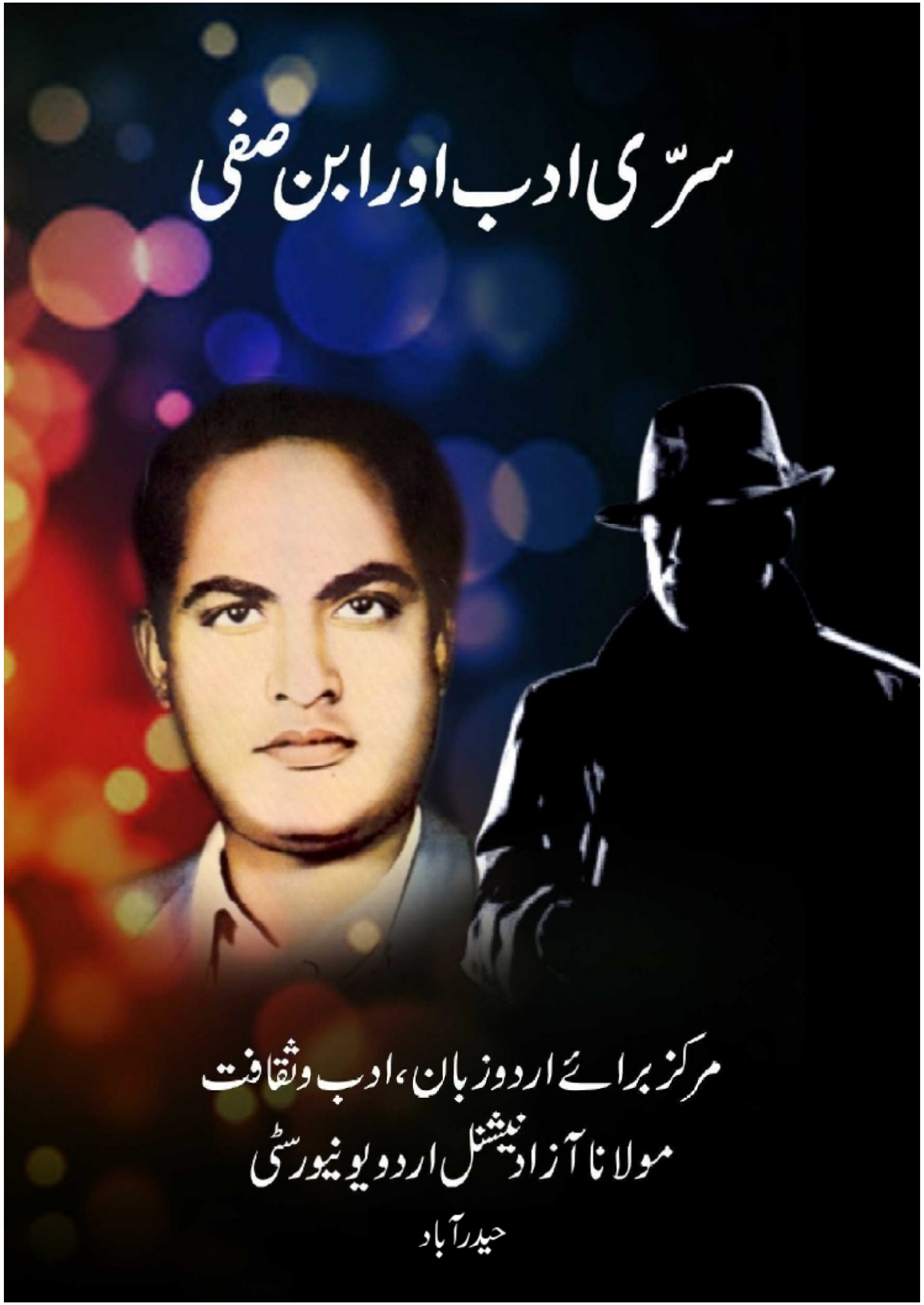

سرّی ادب اور ابنِ صفی

مرتبین

پروفیسر محمد ظفرالدین   ڈاکٹر ارشاد احمد

مرکز برائے اُردو زبان، ادب وثقافت

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

حیدرآباد

© جملہ حقوق بحق مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد محفوظ

Detective Fiction & Ibn-e-Safi

by

Centre for Urdu Language, Literature & Culture

ISBN - 978-93-80322-05-6

کتاب	:	سرّی ادب اور ابن صفی
اشاعت	:	جون، 2016ء
تعداد	:	تین سو (300)
ناشر	:	رجسٹرار، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، گچی باؤلی، حیدرآباد۔500032
مرتبین	:	پروفیسر محمد ظفرالدین، شعبہ ترجمہ، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی
		ڈاکٹر ارشاد احمد، اسسٹنٹ پروفیسر، مرکز برائے اُردو زبان، ادب وثقافت
معاون	:	محمد زبیر احمد
طباعت	:	سنرائز پیپر پروڈکٹ، حیدرآباد
پتہ	:	مرکز برائے اُردو زبان، ادب وثقافت
		مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، گچی باؤلی، حیدرآباد 500 032
فون نمبر	:	040-23008359, 23008360
ای۔میل	:	*cullcmanuu@gmail.com*

پیام

وائس چانسلر، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

ابن صفی اُردو کے مقبول ترین مصنفین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ان کے جاسوسی ناول اپنی دلچسپ اور منفرد خصوصیات کی بنا پر عالمی جاسوسی ادب میں اپنا خاص مقام رکھتے ہیں۔ابن صفی نے اپنے متعدد جاسوسی ناولوں میں سائنس فکشن کے نمونے بھی پیش کیے ہیں، جن میں سائنس، اخلاقیات سے مربوط اور اس کی تابع نظر آتی ہے۔یہ ناول اُردو میں سائنس فکشن کی کم یابی کا متبادل تو نہیں ہوسکتے لیکن اس کے امکانات کی جانب اشارہ ضرور کرتے ہیں۔ جاسوسی ادب ہو یا سائنس فکشن، وہ اُردو دنیا میں مقبول عام ادب میں شمار کیا جاتا رہا ہے۔ابن صفی نے ان کا معیار نہایت بلند کیا اور اس حد تک بلند اور مقبول کیا کہ یہ ادب عالیہ سے کسی طور بھی کم نہیں کہے جاسکتے۔ان کے ناولوں کا ادبی معیار ہی انھیں اُردو کے دیگر جاسوسی اور سائنسی فکشن لکھنے والوں سے ممتاز بناتا ہے۔ابن صفی نے تشدد، جنسی بے راہ روی اور توہم پرستی سے پاک، صحت مند تفریح فراہم کرنے والے اصلاحی، تعمیری اور مثبت مقاصد کے حامل ادب سے اُردو کو ثروت مند کیا۔آزادی کے بعد برصغیر کا اردو معاشرہ قدروں کے زوال، لاقانونیت اور بے راہ روی کے پرآشوب دور میں بھی اپنی ادبی روایات اور ثقافت سے رشتہ استوار رکھ سکا تو اس میں ابن صفی کی بامقصد تحریروں کا بھی اہم حصہ ہے کیونکہ اس نے اُردو معاشرے کے صالح ادبی ذوق کی تربیت بحسن وخوبی کی ہے۔ابن صفی کی تخلیقات اُردو زبان، معاشرے اور ثقافت کی خوبصورت عکاسی کرتی ہیں۔اس طرح یہ ہماری گنگا جمنی مشترکہ تہذیب کی عظیم روایات کی بھی نمائندہ ہیں۔

ابنِ صفی کی ادبی خدمات کے مدِ نظر مرکز برائے اُردو زبان، ادب وثقافت نے ایک دو روزہ سمینار منعقد کیا تھا جس میں ملک کے اہم ادیبوں اور مختلف علاقوں کے دانشوروں اور ماہرین نے شرکت کی تھی۔اُردو مرکز ابن صفی سمینار کے مقالات کو کتابی شکل میں شائع کر رہا ہے۔ یہ نہ صرف مرکز کی روایات کی پاسداری ہے بلکہ اُردو زبان وادب کے فروغ کے سلسلے میں مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کے اقدامات کا ایک حصہ بھی ہے۔میں اس کتاب کی اشاعت پر اپنی نیک خواہشات کا اظہار کرتا ہوں۔

(ڈاکٹر محمد اسلم پرویز)

پیام

رجسٹرار، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

ابن صفی اُردو معاشرے میں بے حد مقبول اور ہر دلعزیز مصنف کا مقام رکھتے ہیں۔ اُردو ادب کو عام کرنے اور اس کا رشتہ عوام سے جوڑنے میں ابنِ صفی کی دلچسپ تحریروں کا اہم حصہ رہا ہے۔ آج کئی دہائیوں بعد بھی ان کی تحریریں معیاری زبان اور دلچسپ انداز بیان کی بنا پر اُردو قارئین کی ترجیحی پسند بنی ہوئی ہیں۔ ان کی مقبولیت نہ صرف جنوبی ایشیا بلکہ دنیا بھر میں پھیلی اُردو کی بستیوں میں ہنوز قائم ہے۔ ابنِ صفی نے اپنے ناولوں کے ذریعہ نئی نسل کو اُردو کی جانب متوجہ کرتے ہوئے ایک نازک دور میں اس زبان کی مقبولیت برقرار رکھنے کی جو غیر معمولی خدمت انجام دی ہے، اسے اُردو زبان کے مستقبل کا مورخ بجا طور پر سنہری الفاظ میں لکھے گا۔ ابنِ صفی کی تحریروں کا مقصد اور مشن یہ بھی رہا ہے کہ آدمی قانون کا احترام کرنا سیکھے۔ انھوں نے اپنے ناولوں کے ذریعے قارئین کو صاف ستھری مہذب تفریح کے ساتھ ساتھ قانون کے احترم کی تعلیم بھی موثر انداز میں دی ہے۔

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کے اہداف میں اُردو زبان و ادب اور تعلیم کی ترویج و ترقی شامل ہے اور اولین ترجیح کی حیثیت رکھتی ہے۔ یونیورسٹی کے مرکز برائے اُردو زبان، ادب و ثقافت کی سرگرمیوں کا مقصد بھی مذکورہ اہداف اور ترجیحات کے حصول میں معاونت کرنا ہے۔ مرکز کی جانب سے ابنِ صفی پر منعقد قومی سمینار میں ابنِ صفی کی شخصیت اور ان کی تحریروں سے متعلق جو اہم نکات سامنے آئے اور نئے مباحث کا آغاز ہوا، سمینار کے مقالات کی اشاعت سے ان میں مزید توسیع کی امید ہے۔ یہ کتاب ابنِ صفی کے ان شائقین کے لیے ایک تحفہ ہوگی جو سمینار میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ اس کتاب کی اشاعت پر میں اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کرتے ہوئے توقع کرتا ہوں کہ اُردو مرکز اپنی ثقافتی سرگرمیوں کا دائرہ مزید وسیع کرے گا۔

شکیل احمد

(ڈاکٹر شکیل احمد)

پیام

چیف کنسلٹنٹ، مرکز برائے اُردو زبان، ادب و ثقافت، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

ابن صفی اُردو دنیا کے عظیم فنکار اور جاسوسی ادب کے معمار ہیں۔ ابن صفی سے قبل اُردو میں جاسوسی ادب کی کوئی مستقل روایت موجود نہ تھی۔ انھوں نے اپنے مقبول، دلچسپ اور مثالی جاسوسی ناولوں سے اس روایت کو مستحکم بنایا اور اس طرح اُردو زبان کی خدمت کی۔ ابن صفی نے اپنے فن کو مجروح کیے بغیر اسے اپنی فکر کی ترسیل کا ذریعہ بنایا۔ اُردو ادب میں دلچسپی کے عنصر کو اہمیت دے کر انھوں نے زندہ ادب کی روایت کو فروغ دیا۔ اگر اس ادب کا سماجیاتی مطالعہ کیا جائے تو اُردو زبان و ادب کے مخصوص تناظر میں نہایت بصیرت افروز اور لائق تقلید حقائق سامنے آسکتے ہیں۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ ادب اور قاری کے باہمی رشتے کو مضبوط کیا بلکہ مصنف، قاری اور بازار کے مثلث کی اہمیت کے جدید تصور کو اردو میں سب سے پہلے متعارف کرایا۔ ابن صفی کے ناولوں کی بے پناہ مقبولیت اور پذیرائی کی مثال موجودہ زمانے میں ہیری پوٹر کے ناولوں سے دی جاسکتی ہے۔ یہ تفریحی ادب اور مقصدی ادب کا نقطۂ عروج ہے۔ انھوں نے اپنے ناولوں میں قانون کی اخلاقیات کی وضاحت بھی کی ہے۔

اُردو زبان کے گوناں گوں فروغ اور استحکام کے لیے اُردو یونیورسٹی کے ہدف کو یقینی بنانے کی سمت میں مرکز برائے اُردو زبان، ادب و ثقافت کی جانب سے ابن صفی جیسے نابغۂ روزگار فنکار کے فن اور شخصیت پر منعقدہ سمینار کے مقالات کی اشاعت مسرت کا باعث ہے۔ میں اس موقع پر اُردو ادب، تہذیب و ثقافت کے دلدادہ شیخ الجامعہ ڈاکٹر محمد اسلم پرویز صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہوئے اُردو مرکز کے اراکین کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

(انیس اعظمی)

پیام

ابنِ صفی کے اہلِ خانہ اوران کے قارئین کی نمائندگی کرتے ہوئے میرے لئے یہ باعثِ افتخاروعزت ہے کہ ان چندالفاظ کےساتھ ایک تاریخ ساز دستاویز کا حصہ بن رہاہوں۔

مولانا آزادنیشنل اُردو یونیورسٹی کے مرکز برائے اُردوزبان، ادب وثقافت کے تحت 2013ء میں دوروزہ قومی سمینار بعنوان ''سرّی ادب اورابنِ صفی''منعقدکیا گیا۔ مجھ سمیت جولوگ مختلف وجوہات سے اس سمینار میں شریک نہ ہوسکے ان سب کی نظریں اس کتاب پر ہیں جو سمینار میں شامل کئے گئے مقالوں کا مجموعہ ہےاور اس کاعنوان بھی وہی ہے جو سمینار کا تھا یعنی ''سرّی ادب اورابنِ صفی''۔ دل تو بہت چاہتا تھا کہ ایک جامع مضمون اپنی جانب سے اس کتاب کا حصہ بنواسکوں جس کی فرمائش منتظمینِ مجلّہ کی جانب سے بھی آچکی تھی، مگر اس دوران میں زیادہ عرصہ اندرون اور بیرونِ ملک سفر میں اتنامصروف رہا کہ ارتکازِ توجہ جو اس کام کے لئے درکار ہے میسر نہ ہوسکی۔ **اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔**

میں تہہ دل سے جامعہ ہذااورمرکز برائے اُردوزبان، ادب وثقافت کاممنون ہوں کہ اس تحریکِ ابنِ صفی شناسی میں انھوں نے ایک گرانقدر حصہ ڈال کر ان اداروں کا اندراج سری ادب کی تاریخ میں کروادیا۔ سری ادب کی روایات اورشعریات کے تعین میں یہ ایک منفرد اوراہم کام ہے۔ آنے والے محققین اس کتاب کی روشنی میں بآسانی اپنی تحقیقات کا رُخ متعین کرسکیں گے۔ شیخ الجامعہ جناب ڈاکٹرمحمد اسلم پرویز صاحب اور دیگر منتظمین بشمول سابق ناظم پروفیسر خالد سعید صاحب، چیف کنسلٹنٹ انیس اعظمی صاحب اور ڈاکٹر ارشاداحمد صاحب قابلِ مبارک بادو تحسین ہیں کہ اس بڑے کام کوانجام پہنچاسکے۔

خیر اندیش
(احمد صفی)

فہرست

1. پیش لفظ		
2. جاسوسی ادب: (ابنِ صفی کے حوالے سے) ادب کہ غیرادب	پروفیسراحمداللہ خان	15
3. ابنِ صفی کااردوناول نگاری میں مقام	پروفیسر یوسف سرمست	41
4. ابنِ صفی کی طنزومزاح نگاری	راشداشرف	46
5. ابنِ صفی اورعصری حسیت	پروفیسرعقیل ہاشمی	83
6. ابنِ صفی۔بحیثیت ناول نگار	ڈاکٹرمحمودحسن الہ آبادی	94
7. ابنِ صفی-اردوکاعہدآفریں ناول نگار	پروفیسرسیدسجادحسین	107
8. ابنِ صفی کےناولوں کابین المتون مطالعہ	ڈاکٹرحبیب نثار	116
9. ابنِ صفی کےناولوں کی شعریات (وجودی حوالے سے)	ڈاکٹرخالدجاوید	128
10. ابنِ صفی کاادبی مقام ومرتبہ	معصوم مرادآبادی	139
11. اسلوب ابنِ صفی ایک جائزہ	ڈاکٹرنکہت جہاں	146
12. ابنِ صفی کےزندۂ جاویدکردار	ڈاکٹرمحمدشجاعت علی راشد	161
13. ابنِ صفی کےمنتخب نسوانی زندۂ جاویدکردار	ڈاکٹرسیّدشجاعت علی	169
14. اُردوکےسرّی ادیبوں میں ابنِ صفی کامقام ومرتبہ	ڈاکٹرمسرت فردوس	176
15. مقبولِ عام ادب کی شعریات (سری ادب کےخصوصی حوالے سے)	ڈاکٹررضوان الحق	180

16. ابن صفی تنقید اور اردو فکشن	ڈاکٹر ارشاد احمد	188
17. ابن صفی کی تحریروں میں طنز و مزاح (جاسوسی ناولوں کے حوالے سے)	ڈاکٹر عزیز احمد عرسی	198
18. ایشیا کا عظیم ناول نگار: ابنِ صفی	مظہر محمود	213
19. ابن صفی کا ایک زندہ جاوید کردار : عمران	عبدالروف خوشتر	221
20. ابن صفی کے زندہ جاوید کردار	عمران عاکف خاں	227
21. اقوال ابن صفی	ملنسار اطہر احمد	237
22. صفاتِ ابن صفی	قائد حسین کوثر	243
23. ابنِ صفی اور سرّی ادب	ابومتین	252
24. ابن صفی کی کثیر الجہت فنکارانہ شخصیت: ایک جائزہ	سلیمان خان	260
25. ابن صفی عوام و خواص کی نظر میں	شیراز احمد انصاری	270
26. ابن صفی کی جاسوسی ناول ''پیشگوئی کا شکار'' میں بیانیہ تکنیک کا استعمال	ہلال احمد شاہ	278
27. ابن صفی: ایک مطالعہ	صدیقی صائم الدین سلیم الدین صدیقی	289
28. ابن صفی کے ناول اور صنف نازک کے اسرار و رموز: ایک جائزہ	آمنہ سحر	294

پیش لفظ

مرکز برائے اردو زبان‘ادب وثقافت کی جانب سے منعقدہ دوروزہ قومی سمینار بعنوان ''سری ادب اور ابن صفی''(23 تا 24 ر اکتوبر 2013ء) میں پیش کردہ مقالوں کو کتابی شکل میں شائع کرتے ہوئے ہمیں مسرت ہورہی ہے۔مرکز کے زیراہتمام منعقدہ سمینار کے مقالوں کی اشاعت کا اہتمام مرکز کی روایت کا حصہ ہے۔

اردو میں سری ادب بالخصوص ابن صفی کے حوالے سے سمینار کا انعقاد اور تحقیق وتنقید کو عرصے تک غیر ضروری سمجھا گیا کیونکہ یہ اردو کے جامعاتی نصاب کا حصہ نہیں رہا۔اردو زبان کا دامن جامعاتی نصاب سے وسیع تر ہے اور یہ امر اس کا متقاضی ہے کہ اردو مرکز کی تحقیقی وتنقیدی سرگرمیوں میں اردو کے اس ادب کو بھی شامل کیا جائے جو بوجوہ جامعاتی نصاب سے باہر ہے لیکن اردو زبان کے حوالے سے اس قدر اہم ہے کہ معاصر عہد کے ممتاز اردو ناقد شمس الرحمان فاروقی اس کے تراجم انگریزی زبان میں کررہے ہیں۔ان مقالوں کی اشاعت کی ضرورت‘اہمیت اور افادیت نہ صرف یہ کہ باقی ہے بلکہ دوچند ہوگئی ہے کیونکہ اب اردو ادب کے سنجیدہ حلقوں میں بھی اس بات پر تشویش کا اظہار کیا جارہا ہے کہ ابن صفی کی تحریروں پر تنقیدی سرمایہ بہت کم دستیاب ہے۔دہلی اردو اکادمی‘ساہتیہ اکادمی، غالب انسٹی ٹیوٹ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ جیسے اہم ادارے ابن صفی اور مقبول ادب کے حوالے سے خطبات کا انعقاد کرچکے ہیں۔اردو مرکز نے اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے دوروزہ قومی سمینار کا انعقاد کیا اور اب سمینار میں پیش کردہ مقالوں کی اشاعت عمل میں آرہی ہے۔امید ہے یہ کتاب اس تقاضے کو بڑی حد تک پورا کرنے میں معاون ہوگی ہے۔

اس کتاب میں شامل پہلا مقالہ پروفیسر احمد اللہ خاں کا طویل مقالہ ''جاسوسی ادب‘ادب کہ غیر ادب: ابن صفی کے حوالے سے'' ہے جو سمینار کا کلیدی خطبہ ہے۔یہ مقالہ ابن صفی کے جاسوسی ادب کو مقبول ادب کے بجائے ادب عالیہ کے زمرے میں شمولیت پر اصرار کرتا ہے۔اس مقالے میں

فاضل مقالہ نگار جو قانون کے پروفیسر ہیں، نے مطالعۂ ابن صفی کے ضمن میں یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ سنجیدہ ادب اور جاسوسی ادب کے درمیان قانون ایک اہم وجہ تعلق پیدا کرتا ہے۔ مبسوط اور مدلل بحث سے انھوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ابن صفی نے جاسوسی ادب کے معیار کو نئی وسعتیں، اعلیٰ معیار اور نئی جہتیں عطا کر کے اس کو ادب عالیہ کے زمرہ میں لا کھڑا کیا ہے۔ مقالہ نگار کا مشورہ ہے کہ جاسوسی ادب کا ادب عالیہ سے تحقیقی نقطۂ نظر سے ایک غیر جانبدارانہ تقابلی مطالعہ کرنے پر ہی ہم اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ ابن صفی کی جاسوسی تخلیقات ادب کا حصہ ہیں۔

پروفیسر یوسف سرمست اردو فکشن کے بزرگ نقاد ہیں۔ انھوں نے اپنے مختصر مضمون میں اردو کے مقبول ناول نگاروں میں ابن صفی کے مقام کا جائزہ لیا ہے۔ ان کے مطابق ابن صفی نے اردو ناول کے قارئین کا اتنا بڑا اور وسیع حلقہ پیدا کیا جو ان سے قبل اور ان کے بعد کوئی اور نہ کرسکا۔ پروفیسر سرمست کے نزدیک مقبول ناول نگاری ''کاریگری'' اور سنجیدہ ناول نگاری ''فنکاری'' ہے۔ ان کی یہ رائے مزید بحث طلب ہے کہ ''کسی بھی مصنف کی مقبولیت ادب میں اس کے مقام کو بلند ترین درجہ عطا نہیں کرسکتی''۔

ابن صفی کی بے مثل مقبولیت کا راز ان کی تحریروں میں طنز و مزاح کا بخوبی استعمال ہے۔ ان کے جاسوسی ناول ہوں یا دیگر مزاحیہ تحریریں، طنز و مزاح ابن صفی کے زندہ اسلوب کا جزو لاینفک ہے۔ ابن صفی کے مقبول جاسوسی کردار وہی ہیں جو مزاحیہ ہیں، مثلاً عمران۔ حمید اور قاسم وغیرہ۔ راشد اشرف نے اپنے مقالے ''ابن صفی کی طنز و مزاح نگاری'' میں ابن صفی کی تحریروں سے کثیر تعداد میں مثالیں پیش کر کے ان کی طنز و مزاح نگاری پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

پروفیسر عقیل ہاشمی نے اپنے مقالے ''ابن صفی اور عصری حسیت'' میں ابن صفی کے ناولوں میں عصر حاضر کے اہم سلگتے مسائل کی نشاندہی کی ہے۔ اس خصوصیت کی بنا پر ابن صفی کے ناولوں کی معنویت، افادیت، اور اہمیت آج بھی قائم ہے اور ان کے ناول اب بھی پڑھے جا رہے ہیں۔ فاضل مقالہ نگار نے بجا طور پر ابن صفی کو جاسوسی ادب کا زندہ جاوید قلمکار تسلیم کیا ہے۔ ڈاکٹر محمود حسن الہ آبادی کا مقالہ ''ابن صفی: بحیثیت ناول نگار'' مختصر مگر جامع مقالہ ہے۔ بزرگ مقالہ نگار نے ناول کی صنف

کے آئینے میں ابن صفی کے ناولوں کا فنی مطالعہ پیش کیا ہے۔ اس مطالعے کا حاصل ان کی نظر میں یہ ہے کہ ابن صفی کو ان کی دیگر متنوع خصوصیات کی بنا پر اردو زبان کا ایک عظیم ناول نگار تسلیم کرنا پڑے گا اور یہ ان کا حق ہے۔ ''ابن صفی۔ اردو کا عہد آفریں ناول نگار'' کے عنوان سے پروفیسر سید سجاد حسین نے اپنے مقالے میں اس پر بحث کی ہے کہ جاسوسی ادب کے فنی لوازمات، عالمی ادب عالیہ کا بھی حصہ ہیں، جس کی شرط یہ ہے کہ کوئی بھی تخلیقی شہ پارہ اصلاً مسرت سے شروع ہو کر بصیرت پر ختم ہوتا ہے۔ مجموعی طور پر ابن صفی کے ناول، فکر و فن کی ان تمام قدروں سے متصف ہیں جو کسی بھی شاہکار کا طرّہ امتیاز ہوتی ہیں۔ مقالہ نگار اس بات کے شاکی ہیں کہ اردو کے نام نہاد نقادوں نے انھیں تاریخ ادب میں وہ منصب و مقام نہیں دیا جس کے وہ صحیح معنوں میں مستحق ہیں۔

ڈاکٹر حبیب نثار نے اپنے مقالہ ''ابن صفی کے ناولوں کا بین المتون مطالعہ'' میں اردو کی کلاسیکی داستان طلسم ہوشربا اور ابن صفی کے جاسوسی ناولوں کا تقابلی مطالعہ، زبان و بیان، تکنیک اور کرداروں کے حوالے سے کیا ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے اکیسویں صدی میں ابن صفی کے جاسوسی ناولوں پر تحقیقی و تنقیدی بحث کے آغاز کو طلسم ہوشربا پر تحقیقی و تنقیدی انداز میں سوچنے اور لکھنے کی روایت کا تسلسل قرار دیا ہے۔ اس روایت کی ابتدا کلیم الدین احمد کے ہاتھوں 1960ء میں ہوئی تھی اور گیان چند جین، سہیل بخاری اور شمس الرحمان فاروقی نے اسے توسیع دی۔ ڈاکٹر نثار کے مطابق ابن صفی کی تحریروں پر اردو کی کلاسیکی داستانوں کے طرز پر سوچنے اور لکھنے کا فروغ کلچرل تھیوری کا کارنامہ کہا جاسکتا ہے جو ابن صفی جیسے مقبول ادیب کی تحریروں کو علمی و تحقیقی عمل کے دائرے میں لے آتی ہے۔

''ابن صفی کے ناولوں کی شعریات (وجودی حوالے سے)'' ڈاکٹر خالد جاوید کا نہایت بحث خیز مقالہ ہے جس سے اتفاق اور اختلاف کے متعدد نکات سامنے آتے ہیں۔ یہ مقالہ ابن صفی تنقید کے امکانات روشن کرتا ہے اور اردو فکشن کی تنقید کے لیے اہم سوالات قائم کرتا ہے۔ مقالہ نگار ابن صفی کو محض ایک جاسوسی ناول نگار تسلیم نہیں کرتے۔ وہ ابن صفی اور دیگر جاسوسی ناول نگاروں میں فرق واضح کرتے ہیں اور ان کے مابین خط امتیاز قائم کرتے ہیں۔ ابن صفی کے ناولوں کی انفرادیت ان کے نزدیک عام انسان اور انسانی زندگی کو ترجیح دینا ہے۔ اس انفرادیت کی فلسفیانہ توجیہہ پیش کرتے ہوئے

وہ اس کا رشتہ وجودیت میں تلاش کرتے ہیں کیونکہ اسی فلسفے کے تحت ابن صفی کے ناولوں میں پیش کردہ انسانوں کی عام زندگی کی ناہمواریوں کو زندگی کرنے کے ایڈونچر کی تفہیم ممکن ہے۔اور یہی ابن صفی کی مقبولیت کا راز ہے۔فاضل مقالہ نگار کے مطالعے کا نچوڑ یہ ہے کہ ابن صفی کے ناولوں کی شعریات ان کے بے حد توانا اور قوی بیانیہ' اعلیٰ کردار نگاری' اردو کا محاورہ اور چٹخارہ ،مشرقی کلاسیکی روایت کی پاسداری اور رومانویت کی چھاپ لیے ہوئی ایک خاموش وجودیت وغیرہ عناصر سے تشکیل پاتی ہے۔

معصوم مرادآبادی نے اپنے مقالے میں ابن صفی کے اہم نقادوں کی آراء کی روشنی میں ابن صفی کے ادبی مقام کا تعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ڈاکٹر نکہت جہاں کا مقالہ ابن صفی کے اسلوب کا مطالعہ پیش کرتا ہے۔اس مطالعے سے یہ دلچسپ نتائج سامنے آتے ہیں کہ ابن صفی کے ناولوں کی فضا مانوس ہے۔جاسوسی ادب کے توسط سے ابن صفی نے سماجی اور تہذیبی ادب کو اجاگر کیا ہے۔وہ سماج کو ویسا ہی دکھاتے ہیں جیسا کہ سماج فی الواقع موجود ہے۔

ابن صفی کے ناولوں کی مقبولیت کا راز طنز و مزاح کے علاوہ ان کی کردار نگاری میں مضمر ہے جس میں ان کا حریف کوئی نہیں ہے۔ڈاکٹر محمد شجاعت علی راشد نے ''ابن صفی کے زندہ جاوید کردار'' کے عنوان سے اپنے مقالے میں ابن صفی کے ایک خط کے حوالے سے ان کے سب سے اہم کردار عمران اور پروفیسر مجاور حسین رضوی کے ناول ''دھوپ چھاؤں'' کے کردار صدیقی کے درمیاں بے حد مماثلت کا ذکر کیا ہے۔مجاور حسین رضوی ابن صفی کے قریبی دوست رہے ہیں اور ابن سعید کے قلمی نام سے معروف ہیں۔مجاور صاحب مذکورہ سمینار کے مہمان اعزازی تھے۔وہ ابن صفی کی شخصیت اور فن پر اپنی طویل تقریر کے علاوہ ابن صفی کے ساتھ گذارے اپنے لمحات' ذاتی تجربات اور معلومات سے سمینار کے شرکاء کو واقف کراتے رہے۔اس طرح انھوں نے اس سمینار کو ابن صفی کی یادوں کے حوالے سے یادگار بنادیا۔ڈاکٹر سید شجاعت علی نے ابن صفی کے منتخب نسوانی کرداروں کے مطالعے پر مبنی مقالے میں نفسیاتی پیچیدگیوں کی حامل نیلم کے کردار پر خاص توجہ دی ہے۔یہ کردار آج بھی بے حد معنی خیز ہے۔ڈاکٹر مسرت فردوس نے اپنے مقالے میں ابن صفی کو سوشل سائنسٹٹ قرار دیا ہے کیونکہ ان کے ناولوں میں صنعتی انقلاب اور سائنس و تکنالوجی کی پیدا کردہ سماج کی کراہ سنائی دیتی ہے۔

ابن صفی سمینار کے انعقاد کے مقاصد میں یہ بھی شامل تھا کہ ابن صفی کے حوالے سے سری ادب کی شعریات متعین کرنے کی کوشش کی جائے۔ڈاکٹر رضوان الحق کا مقالہ سمینار کے اسی تقاضے کے تحت لکھا گیا مقالہ ہے۔اس مقالے میں مقبول عام ادب اور اعلیٰ ادب کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے اردو ادب سے حوالے پیش کیے گئے ہیں۔مقالہ نگار کا خیال ہے کہ مذکورہ دونوں نوع کے ادب الگ الگ ہیں جن کی منفرد شناخت ممکن ہے جب کہ داستانوں کو ہر دو نوع کے ادب میں شامل کیا جاسکتا ہے۔مقالہ نگار کے مطابق سری ادب مقبول ادب کی ایک شاخ ہے جسے اردو میں ابن صفی نے عروج پر پہنچایا۔

ابن صفی کے ناولوں کی جانب اردو فکشن کی تنقید کا رویہ محتاط رہا ہے اور وہ ابن صفی کا ادبی مقام مقبول ادب اور ادب عالیہ کے درمیان کہیں تلاش کرتی رہی ہے۔بہر حال دیر آید درست آید کے مصداق اکیسویں صدی میں فکشن تنقید نے اس جانب خاطر خواہ توجہ دی ہے ۔ابن صفی کے فکشن کی جانب اردو تنقید کے رجوع ہونے کا جائزہ ڈاکٹر ارشاد احمد کے مقالے ''ابن صفی تنقید اور اردو فکشن'' میں لیا گیا ہے۔ڈاکٹر عزیز احمد عرسی نے اپنے مقالے میں ابن صفی کے جاسوسی ناولوں سے مثالیں دیتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ جملوں کی چستی میں ابن صفی کا درجہ میرے نزدیک منٹو کے بعد ہے کہ ان دونوں کے درمیان مجھے کوئی تیسرا کھڑا نظر نہیں آتا۔مظہر محمود نے اپنے مضمون ''ایشیا کا عظیم ناول نگار ابن صفی'' میں سائنس فکشن کی تخلیق پر ابن صفی کا طویل اقتباس نقل کر کے ان کے ناولوں میں سیاحت و ثقافت کی پیش کش پر روشنی ڈالی ہے۔عبدالرؤف خوشتر کا مقالہ ابن صفی کی کردار نگاری کا شاہکار عمران کے کردار کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔عمران عاکف خاں کے مقالے کا عنوان ''ابن صفی کے زندہ جاوید کردار'' ہے جس میں مقالہ نگار نے ابن صفی کے نمائندہ کرداروں کا مطالعہ پیش کیا ہے۔

ملنسار اطہر احمد نے ابن صفی کے اقوال جیسے دلچسپ موضوع پر مختصر مگر جامع انداز میں مضمون لکھا ہے۔مضمون نگار کے مطابق ان اقوال سے ابن صفی کی دانشوری اور دروں بینی کا احساس ہوتا ہے۔یہ اقوال اپنے سیاق و سباق میں معنوی اعتبار سے اہم ہیں۔قائد حسین کوثر نے ابن صفی کے صفات کو اپنے مضمون کا موضوع بنایا ہے جس میں ابن صفی کی کئی جہتیں سامنے آتی ہیں۔ابو متین کے مقالے کا عنوان ''ابن صفی اور سری ادب'' ہے جس میں مقالہ نگار نے ابن صفی کے متعلق معلومات کا

احاطہ کیا ہے۔سلیمان خان نے اپنے مقالے میں ابن صفی کی فنکارانہ شخصیت سے متعارف کرایا ہے۔
شیراز احمد انصاری نے ابن صفی کے متعلق مختلف آراء کو اپنے مضمون میں پیش کیا ہے۔

ہلال احمد شاہ نے اپنے مقالے میں موضوع کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے ایک منفرد موضوع پر کامیاب مقالہ پیش کیا ہے۔ ''ابن صفی : ایک مطالعہ'' عنوان کے تحت مقالہ ابن صفی کا عمومی تعارف پیش کرتا ہے۔آمنہ سحر کا مقالہ ابن صفی کے ناولوں میں نسائی کرداروں کے مطالعے پر مبنی ہے۔ مقالہ نگار کے مطابق ابن صفی کے ناولوں کی دلکشی میں ان کے نسائی کرداروں کا بڑا ہاتھ ہے۔ان کے ناول میں عورت کا ہر روپ اپنی پاکیزگی برقرار رکھتے ہوئے موجود ہے۔اردو ادب پر ابن صفی کا سب سے بڑا احسان یہی ہے کہ انھوں نے عورت کو نئے معانی میں اجاگر کیا ہے۔

اس طرح زیر نظر کتاب میں شامل بیشتر مقالات ابن صفی کے فن کی مختلف جہات کو ہمارے سامنے لاتے ہیں۔ یہ مقالے ابن صفی کے فن کے بیشتر پہلوؤں کا احاطہ کرنے میں کامیاب ہیں۔لہذا ان مقالوں کی اشاعت سے ابن صفی کے فن پر غور وفکر اور تنقیدی مباحث کو مزید راہ ملنے کی توقع ہے۔

ابن صفی سیمینار کے مقالات کی اشاعت کے لیے ہم محترم وائس چانسلر ڈاکٹر محمد اسلم پرویز کی حوصلہ افزا سرپرستی اور تعاون کے لیے ان کے شکر گزار ہیں۔مرکز کے چیف کنسلٹنٹ محترم انیس اعظمی کی رہنمائی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔

سیمینار کے انعقاد کے لیے مرکز کے سابق ڈائرکٹر پروفیسر خالد سعید کی خدمات اور سابق وائس چانسلر پروفیسر محمد میاں کے تعاون کا اعتراف ضروری ہے۔ان مقالات کو کتابی شکل دینے میں ہمارے ساتھی عابد عبدالواسع اور محمد زبیر احمد کے عملی تعاون کے بھی ہم معترف ہیں۔

سیمینار میں انگریزی مقالات پیش کرنے کی اجازت تھی لہذا امین صدرالدین بھیانی ، ڈاکٹر کے تیجسونی اور ڈاکٹر شگفتہ شاہین کے انگریزی مقالات سیمینار میں شامل تھے۔مقالے قابل قدر ہیں تاہم اس کتاب کو ہم نے صرف اردو مقالوں تک محدود رکھا ہے۔

اس کتاب کے متعلق آپ کی آراء اور تاثرات کا ہمیں انتظار رہے گا۔

پروفیسر محمد ظفرالدین
ڈاکٹر ارشاد احمد

جاسوسی ادب: (اِبن صفی کے حوالے سے)
ادب کہ غیر ادب

پروفیسر احمد اللہ خان

اس عنوان کا غیر جانبدارانہ اور منصفانہ جائزہ لینے کے لئے ضروری ہے کہ اس عنوان کے مختلف پہلوؤں کا تجزیاتی اور مدلل مطالعہ کیا جائے تا کہ رموزِ تحقیق کے تقاضوں کو مطمئن کیا جا سکے اور قارئین کے سامنے ایک تشفی بخش اور قابلِ قبول نتیجہ رکھا جا سکے۔اس سمت سب سے پہلا مرحلہ لفظ ادب کی تعریف اور اصطلاح کا جائزہ لینا ہے تا کہ ان اصطلاحات کی روشنی میں لفظ ادب اور اس کے ضروری عناصر کا تعین کیا جا سکے۔ جہاں تک لفظ ادب کے لغوی معنوں کا تعلق ہے ادب کو ''کسی بھی ملک ،عہد یا زبان کی تمام تحریروں'' سے منسوب کیا گیا ہے اور میدانِ ادب کے لائق اور مشہور ادیبوں نے ادب کو ''کسی بھی خیال کا بہترین اظہار جس کو ضبطِ تحریر میں لایا جائے'' سے موسوم کیا ہے۔ ان دونوں ہی تعریفوں میں ادب کی مکمل اور نمائندہ خصوصیات کو وضاحت کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا ہے کیونکہ لغوی تعریف میں اگر کسی بھی ملک ،عہد یا زبان کی تمام تحریروں کو شامل کر لیا جائے تو تحریر کی نوعیت اور اہمیت کا اندازہ نہیں ہو پاتا کیونکہ تمام تحریروں میں کسی بھی قسم کی تخصیص کو ملحوظ نہیں رکھا گیا جس کی بنیاد پر ادب کے ضروری عناصر اخذ کئے جا سکیں۔اسی طرح دوسری تعریف میں بھلے ہی کچھ صراحت موجود ہے پھر بھی خیال کی نوعیت اور اظہار کے طریقہ کار کو مزید صراحت کے ساتھ مخصوص نہیں کیا گیا اور ایک ،مضر اور مخرب لاخلاق خیال بھی ادب کے زمرہ میں شامل کئے جانے کی گنجائش موجود ہے۔اس لئے لفظ ادب کی ان غیر مکمل اصطلاحات کی بناء پر

ادب کی وہ تعریف زیادہ قابل قبول اور فائدہ مند معلوم ہوتی ہے جس کو ادب کی ابتدا اور فروغ سے منسلک اصحابِ فکر نے بیان کیا ہے۔ اُن کے مطابق لفظ ادب دراصل ''بہترین خیال کا بہترین اظہار ہے جس کو ضبطِ تحریر میں لایا گیا''۔ (حوالہ: انسائیکلوپیڈیا برٹینکا جلد 14 ص206)

ادب کی ارتقاء کے ساتھ ساتھ اس تعریف میں خیال کے بہترین، اعلیٰ ہونے کے علاوہ اس کا با مقصد ہونے کا عنصر شامل کر لیا گیا ہے جس کا اظہار بھی بہترین اور معیاری انداز میں کیا گیا ہو۔ کیونکہ اگر خیال بہترین ہو لیکن اس کو صحیح طریقہ سے بیان کر کے قاری تک من و عن ان ہی معنوں میں نہیں پہنچایا جا سکے تو پھر بہترین خیال کا پیغام اور مقصد صرف مصنف کی حد تک محدود ہو کر رہ جائے گا اور تصنیف کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ اس لئے اس موخر الذکر تعریف کی روشنی میں ادب کے ضروری عناصر کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ ادب اُن بہترین اور با مقصد تحریروں کا مجموعہ ہے جس کو متاثر کن اور صحیح انداز میں بیان کر کے ضبطِ تحریر میں لایا گیا تا کہ قارئین تک مصنف کا پیغام، خیال یا نکتہ نظر صحیح معنوں میں پہنچ سکے۔ ان عناصر کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

1) خیال، تصور یا نظریہ کا بہترین اور با مقصد ہونا ضروری ہے۔

2) طرز بیان و تحریر ایسی ہو جو مصنف کے خیالات کی صحیح ترجمانی کرتی ہے اور طرز بیان میں نقص یا کمی مصنف کے خیال کی پیشکشی میں غلطی نہ کرے۔

3) مندرجہ بالا بہترین خیال کے بہترین اظہار کو ضبطِ تحریر میں لانا تا کہ اُس پیغام اور مقصد کے فوائد محفوظ ہو جائیں۔

ادب کی تاریخ ارتقاء: ادب کی عالمی سطح پر نقطۂ آغاز تک رسائی کے لئے محقق کا تجسس اسے قدیم سے قدیم تر معلومات تک پہنچا سکتا ہے اس لئے حتمی طور پر تک دعوے کو پیش کرنا، مستقبل کے محققین کی تحقیق کے تابع ہوتا ہے۔ مختصراً اور دستیاب معلومات کی روشنی میں ایک خیال یہ ہے کہ ادب کی ابتداء تقریباً دوسری صدی قبل مسیح میں ملک چین میں ہوئی جہاں پر پچیسویں صدی قبل مسیح میں موجود بعض علمی ذخائر کو گروہ واری جنگوں نے تباہ کر دیا تھا اس لئے دوسری صدی قبل مسیح میں

چین نے اپنے ادب کی حفاظت کے لئے اس علمی ذخیرہ کو دوبارہ ضبطِ تحریر میں لانا شروع کیا اور اس کے لئے کاغذ کی ایجاد کا سہرا بھی ملکِ چین کو جاتا ہے جہاں کاغذ کو Pappyrus نام کے درخت کی چھال سے بنایا گیا اور اُس پر علمی ذخیرہ لکھ کر محفوظ کر لیا گیا۔ دنیا کے ادب کی تاریخِ ارتقاء میں کاغذ کی ایجاد اور پھر بارہویں صدی میں طباعت کی مشین کی ایجاد نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ حقیقت بھی مسرت اور حیرانی کا باعث ہے کہ دوسری صدی قبلِ مسیح کے بعد سب سے پہلے کاغذ کی تیاری میں عرب مسلمانوں نے 751ء میں اہم حصہ لیا۔ یورپ، امریکہ اور ایشائی ممالک بشمول ہندوستان میں کاغذ بارہویں اور چودھویں صدی عیسوی میں پہنچا۔ کاغذ کی ایجاد کا حوالہ اس لئے بھی ضروری سمجھا گیا کہ ادب کی ابتداء، ترقی اور ترویج مذکورہ بالا ممالک میں اُسی ترتیب و سلسلے سے عمل میں آئی جس ترتیب و سلسلے سے کاغذ وہاں پہنچا۔

ملک چین کے بعد ادب کی تاریخ میں قدیم بیان یونان، اٹلی، برطانیہ، فرانس، جرمنی، آفریقہ، امریکہ اور ایشیاء میں ہندوستان تک پہنچتا ہے۔

اردو ادب کی تاریخ ارتقاء: عالمی سطح پر ادب کی ارتقاء زیادہ تر سولہویں صدی اور اٹھارویں صدی تک اور پھر انیسویں و بیسویں صدی میں زیادہ تیزی سے عمل میں آئی۔ لیکن اُردو ادب کی ابتداء کی تاریخ میں حضرت امیر خسروؒ اور حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کی تصنیفات بالترتیب 1325ء اور 1398ء سے شروع ہوتی ہیں۔

ادب کے مضامین کا جائزہ: یہ بھی ایک حقیقت ہیکہ قدیم ترین کتابوں میں زیادہ تر کتابوں کا مضمون مذہب اور قانون رہا ہے اور ان دو مضامین پر ابتدائی ادب کی کتابیں ایک نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ مذہبی خطبات، نصیحتیں، قانونی اصلاحات اور معاشرہ سے متعلق مضامین کو ادب میں اوّلیت حاصل ہے انگریزی، فرانسسی، امریکی، جرمن، پرتگیزی، چیکوسلواکین، اور افریقی ادب زیادہ تر نسلی خصوصیات، اور قومی خطوط پر مبنی ہے جس کا مقصد اپنی قوم میں تشکیل معاشرہ کو فروغ دینا شامل ہے۔ اس ضمن میں شیکسپیئر، دانتے اور سروانٹس کو شہرت حاصل ہوئی۔

ادب کا مقصد: جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ابتداً ادبی تحریروں کا مقصد خواہ وہ مذہبی ہو یا قانونی دراصل تشکیل معاشرہ اور اصلاح معاشرہ رہا ہے اور چونکہ مختلف مما لک میں پائے جانے والے ادب میں وہاں کے مقامی نسلی خصوصیات اور مقاصد کا حصول پیشِ نظر رہا ہے اس لئے ادب کی جغرافیائی اور ملک کی بنیاد پر زمرہ بندی عمل میں آئی جس کی وجہ سے وہاں کے مصنفین اور وہاں کے علوم وزبان کی بنیاد پر ادب کی اقسام کی زمرہ بندی کی گئی۔

جہاں تک اردو ادب کے مقصد کا سوال ہے حضرت امیر خسروؒ کی مذہبی تصانیف اور حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کی تصانیف جس کی تعداد تقریباً سو 100 کتابوں تک پہنچتی ہے شامل ہے، اصلاح معاشرہ کی یہ کوشش جس میں حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کی لوری نامہ، اور اصلاح معاشرہ اور اصلاح نسواں سے متعلق دیگر کتب قابلِ ذکر ہیں۔ان کتابوں میں استعمال کی گئی اُردو میں ہندی اور فارسی کی آمیزش بھی تھی لیکن ان تصانیف نے اردو ادب کی ترویج وارتقاء میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

مذہبی ادب کا ادب عالیہ میں برتر مقام: جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ ابتدائی ادب کی کتابوں میں مذہبی کتابوں اور قانون کی کتابوں کو اولیت حاصل ہے، راقم الحروف خصوصاً مذہبی ادب کے احترام کو ملحوظ رکھنے کی خاطر اپنے زیرِ نظر مضمون میں ادب کی اس اعلیٰ ترین قسم کو اپنے مضمون سے علحدہ رکھتا ہے۔تا کہ جاسوسی ادب یا ناول نگاری کے تقابلی مطالعہ میں سہواً بھی مذہبی کتب سے تقابل زیرِ بحث نہ آئے۔اس لئے اس کو اس مضمون میں شامل نہ سمجھا جائے۔

ادب کا نقطۂ تغیر اور ناول نگاری کی ابتداء: دوسری قبلِ مسیح سے اٹھارویں صدی عیسوی تک کے ادب میں اصلاح معاشرہ کے مقصد کو اہمیت حاصل ہے۔مذکورہ بالا تصانیف میں نسل انسانی کی افادیت کے لئے مخصوص علم نافع داخل وشامل ہے۔ابتدائی ادب کی ان تصانیف میں معاشرہ کی حقیقتوں اور مستقبلیات Futurology سے بحث کی گئی ہے اور مستقبل میں رونما ہونے والے عواقب ونتائج کا جائزہ حقائق کی روشنی میں لیا گیا ہے تا کہ معاشرہ کو انتشار ومعصیت سے محفوظ رکھا جائے۔ادب کی ان تصانیف میں مصنف کا انداز بیان ناصحانہ، مدبرانہ، ناقدانہ ہوتا ہے اس لئے

قارئین پر اُن کا اثر مصنف کی اپنی اپنی اثر انگیز صلاحیتوں پر مبنی ہوتا ہے۔یعنی انداز بیان جتنا زیادہ متاثر کن، اُس کا اثر حصولِ مقصد پر اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے۔اس بات کو محسوس کرتے ہوئے ادب کی تاریخ میں پہلی بار انگلستان کے ایک مصنف سموئیل رچرڈسن Samuel Richardson نے (1689-1761)ء ایک انقلابی نظریہ یا تصور پیش کیا کہ **"اصلاح معاشرہ کے سنجیدہ اور خشک مضامین کو نوجوانوں اور غیر تجربہ کار لوگوں تک اخلاقیات کے درس کو پہنچانے کے لئے خیالی شخصیات اور خیالی کرداروں کے مابین مکالموں کے ذریعہ دلچسپ انداز میں پیش کیا جائے"** تا کہ اخلاقیات اور اصلاح معاشرہ کا مقصد زیادہ سے زیادہ حاصل ہو۔

سموئیل رچرڈسن کا یہ تغیر یاتی اور انقلابی نظریہ ادب میں ناول نگاری کی ابتداء کا باعث بنا اور اٹھارویں وانیسویں صدی میں ناول نگاری میں رفتہ رفتہ رومانی امتزاج اور سماجی مسائل کی شمولیت نے ناول نگاری کو "با مقصد صنفِ تحریر" کا درجہ دے دیا اور یہ بات زور پکڑ گئی کہ جو ناول با مقصد ہو وہی مقبول ومشہور ہوگی۔پہلی جنگ عظیم کے بعد کے جنگی حالات واثرات نے ناول کے قارئین میں یہ نمایاں تبدیلی لائی کہ وہ ناول نگار سے یہ توقع کرنے لگے کہ وہ فلسفۂ حیات اور نفسیات کی ریشہ دوانیوں کے بجائے معاشرہ کی حقیقتوں اور سماج کو درپیش فوری مسائل اور خطرات ونقصانات کو انسانی اقدار کی بنیاد کو اپنا موضوع بنائیں۔

ناول نگاری کی تاریخ ارتقاء: قبل اس کے کہ ناول نگاری کی تاریخ ارتقاء اور اس کے مضامین و مقاصد پر آگے بڑھا جائے اس مرحلہ پر ہندوستان میں ناول نگاری کی ابتداء کا حوالہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں ڈپٹی نذیر احمد نے 1868ء میں توبۃ النصوح اور میراۃ العروس نامی دو تصانیف ضبطِ تحریر میں لائیں۔جس میں توبۃ النصوح لڑکوں کی اصلاح کے لئے اور مراۃ العروس لڑکیوں کی اصلاح کے مقصد پر مبنی ہیں۔گو کہ سموئیل رچرڈسن نے اٹھارویں صدی میں سماج کے اہم مسائل کو ناول کی شکل اور خیالی کرداروں کے درمیان مکالموں کے ذریعہ پیش کرنے کا انقلابی نظریہ پیش کیا، لیکن اس سے قبل بھی ناول سے متعلق بعض

قدیم ترین حوالے ملتے ہیں جس کا مختصر جائزہ ان ناولوں کے مضامین کے حوالے سے پیش ہے۔ تا کہ ادب میں ناول نگاری اور خصوصاً جاسوسی ادب کے مقصد کا جائزہ لیا جا سکے۔

ناول کی تعریف: اٹھارویں صدی میں ناول کی تعریف یوں بیان کی گئی ہیکہ ''ناول ایک مربوط کہانی ہے، جو ضروری نہیں تاریخی اعتبار سے صحیح ہو، لیکن جس کو تعلیم و تربیت نصیحت اور معلومات کی تشہیر کے لئے فطرتی ماحول کی دلچسپ عکاسی کے تسلسل کے ساتھ، اور احساس جذبات کے دلچسپ پیرایہ میں بیان کیا جائے''۔ (انسائیکلو پیڈیا برائٹنیکا جلد 16،ص579-572)

ناول نگاری کی تاریخ ارتقاء میں اٹلی کی وہ نامعلوم ناول بھی شامل ہے جو تیرہویں صدی عیسوی میں تحریر کی گئی اور جس میں بہادری، اخلاقی اور عفریت کے کردار کو پیش کیا گیا۔ اٹلی کے مشہور ناول نگاروں میں فرانسکو بار بے رینو (Franissco Barberino) کی خیالی کہانیاں بھی شامل ہیں۔ انگلستان میں تھامس مالوریThomas Malory کی تصنیف نے ازمنۂ وسطی کی تمثیلی اور مجازی طرزِ تحریر سے ہٹ کر انسان کے دل کی ترجمانی کو جوش و خروش کے ساتھ پیش کیا۔

امریکہ میں 18ویں صدی ہی میں ناول نگاری میں ڈرامہ، موسیقی، نظم اور سماجی نظریات و مفروضات کو مطمح نظر بنایا گیا اور خصوصاً آرتھر مریون Arthermeruyn نے گوڈونGodiwin کے اس خیال کو آگے بڑھایا کہ ''ایک بدخصلت اور خاطی سرپرست ایک معصوم نوجوان کو جلاوطن اور قانونی تحفظ سے محروم کر سکتا ہے''۔

ناول نگاری میں جدید رجحانات: ناول نگاری کی تاریخ ارتقاء میں پہلی جنگ عظیم اور اس کے بعد کے حالات نے بہت زیادہ اثر ڈالا اور نئی ناولوں میں سماجی اور معاشی ساخت اور حقائق کو رنگین بیانی، شاعرانہ انداز اور نفسیاتی نقوش چھوڑ جانے والے طرزِ تحریر میں پیش کیا گیا۔ ان ناولوں میں ایک معمولی واقعہ کو تجسس سے آراستہ کر کے ایک مخصوص طبقہ کو اجاگر کیا جاتا رہا۔ اس سے کچھ عرصہ قبل یعنی اٹھارویں صدی میں آسکر وائیلڈ Oscar wilde نے حقیقت پسندانہ مکتبِ خیال سے انحراف کرتے ہوئے Neo Romantic یا جدید رومانی انداز کو متعارف کروایا۔

مندرجہ بالا مطالعہ میں ادب اور اس کی ارتقاء اور ناول نگاری کی تاریخ ابتداء کا مختصر جائزہ اس لئے پیش کیا گیا تا کہ ادب اور ناول نگاری کے مضامین اور مقاصد کا حوالہ دیا جائے اور ان کی روشنی میں جاسوسی ادب کی ابتداء اور اس کے مقاصد کا تقابلی مطالعہ پیش کیا جا سکے جو عنوان کا اہم جز ہے۔

جاسوسی ادب کی ابتدا اور تاریخ ارتقاء: عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ انیسویں صدی سے قبل جاسوسی ناولوں کا ادبی پس منظر نہیں ملتا لیکن فرانس کا انقلاب اور امریکہ کا صنعتی انقلاب تقریباً ساتھ ساتھ رونما ہوئے جس کا معاشرہ پر بہت گہرا اثر پڑا۔ فرانس میں 18ویں صدی کا وہ انقلاب جو سولہویں لوئی یعنی Louis XVI کے زمانہ میں آیا۔ اس نے نہ صرف عالمی سطح پر تغیریاتی اثرات مرتب کئے بلکہ وہاں کے مصنفین کی تحریروں میں فرانسسی معاشرہ کی تشکیل نو کا موضوع شامل ہو گیا۔

فرانس اور امریکہ نے ان عوامی اور صنعتی انقلابات کے نتیجہ میں اپنے نظام حکومت میں اصلاحات کیں اور جدید پولیس نظام اور تکنیکی تخلیقات و اصلاحات نے عوام کو سراغ رسانی اور جاسوسی طریقہ کار سے متعارف کروایا۔ ان تغیرات کے پس منظر میں امریکہ میں مختصر جاسوسی کہانیاں وجود میں آئیں اور دیگر مصنفین کے ساتھ ساتھ انیسویں صدی کے اوائل میں جنگ عظیم سے قبل میں (1824-1889) میں ویلکی کولنس Wilkie Collins کی جاسوسی ناول ''دی مون اسٹون'' The Moon Stone اور ڈکنس Dickens کی ''ایڈون ڈروڈ کا راز'' Mystery of Edwin Drood کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ لیکن ڈکنس کی ناول نامکمل ہی تھی کہ مصنف کا انتقال ہو گیا۔ لیکن اس ناول کی کہانی کو پایہ تکمیل کو پہنچانے کے لئے کئی مصنفین نے کوششیں کی اور بالآخر انڈریو لانگ Andrew Lang نے 1908ء میں، "Key to the Mystery of Edwin Drood" کے نام سے اس کتاب کے راز سے پردہ اٹھایا۔ اس سے قبل سر آرتھر کونن ڈائیل Arther Conan Doyle نے شرلاک ہومز کی کہانیوں کے انمٹ نقوش چھوڑے۔

اردو میں جاسوسی ادب کی ابتداء: اردو زبان میں جاسوسی ادب کی ابتداء انگریزی جاسوسی ناولوں کے تراجم سے ہوتی ہے اور چند ترجمہ نگاروں میں مشہور نام محمد ہادی رسوا، کرشن چندر، اظہار اثر اور سریندر پرکاش کا ہے۔ اس فہرست میں ایک اور نام تیرتھ رام فیروز پوری کا بھی شامل کیا جاسکتا ہے جس کی جاسوسی ناول ''پیلی کوٹھی'' کافی مشہور ہوئی۔

اس کے علاوہ ہندوستان میں مختلف سلاطین نے اپنی حکومت کے تحفظ کے لئے پولیس نظام کو ترتیب دیا جس کا مقصد امن وامان کو برقرار رکھنا تھا۔ ایک مثال عہدِ آصفی میں ''چور بیگ'' اور ''یقین بیگ'' کے نام سے موسوم عہدوں میں ملتی ہے۔ یہ اشخاص کے نہیں بلکہ عہدوں کے نام تھے اور چور بیگ عوام میں بھیس بدل کر رہتا اور اہم معلومات عہدہ داروں اور ارباب حکومت تک پہنچا تا تھا۔ اسی طرح یقین بیگ حکومت کا وہ بااعتبار شخص ہوتا تھا جس کی معلومات اور سفارشات پر بھروسہ کیا جاسکتا تھا۔

چور بیگ دراصل ایک خفیہ جاسوس کا کام کرتا تھا اس قسم کے جاسوس دنیا کے دیگر ممالک میں بھی پائے جاتے ہیں جن کے تعلق سے باضابطہ ایک بین الاقوامی قرار داد The Hague Convention IV of 1907 کے حوالے سے ملتی ہے۔ اس قرار داد میں SPY کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے کہ ''جاسوس وہ شخص ہے جو رازدارانہ انداز میں کام کرتے ہوئے اپنی مصنوعی شناخت، حلیہ یا نام سے ضروری معلومات حاصل کرتا ہے جس کا مقصد فریقِ مخالف کے تعلق سے معلومات اپنی حکومت کو پہنچانا ہوتا ہے۔ اگر جاسوس پکڑا جائے تو واجب القتل ہوگا۔ (دفعہ 29)۔ لیکن اس کو سزا دینے سے قبل اس کے خلاف مقدمہ اور سماعت ضروری ہے۔ (دفعہ 30)۔

جاسوسی ادب کے ضروری عناصر: ناول کی بیان کردہ تعریف کے پیش نظر جاسوسی ناول کے تین اہم عناصر مندرجہ ذیل ہیں۔

1) تجسس کی افزودگی

2) تذبذب کی برقراری

3) چونکا دینے والا مگر مدلل اور اطمینان بخش انکشاف

4) ناول کا خاکہ یا مرکزی خیال کسی تعلیم وتربیت، نصیحت یا معلومات کی تشہیر پر مبنی ہو۔

جاسوسی ادب کے موضوعات ومضامین: ناول نگاری کی تاریخ ارتقاء اور اس کے مضامین کا مختصر مطالعہ کے پیش نظر یہ بات ذہن نشین رکھنے کی ضرورت ہے کہ تیرہویں صدی عیسوی میں اٹلی میں لکھی گئی ناولیں، پندرھویں صدی میں انگلستانی ادب کی ناولیں فرانس اور امریکہ میں لکھی گئی ناولیں جو خصوصیت کے ساتھ جاسوسی کی مختصر ناولوں اور کہانیوں پر مبنی ہے اس کے علاوہ والٹیر، فرانسکو باربیرینو، تھامس مالوری، آرتھر مریون، گوڈوین، ڈان کویکزوٹ اور سمویئل رچرڈسن کے ناول معاشرہ کے مختلف مسائل، اخلاقیات معاشی مسائل، انسانی اقدار کے ساتھ ساتھ ویلکی کولنس اور ڈکنس کی جاسوسی ناولیں ایک وسیع حلقہ، مضامین کا احاطہ کرتی ہیں اور خصوصیت کے ساتھ ادب کی تاریخ کا وہ نقطۂ تغیر جو سمویئل رچرڈسن کے انقلابی نظریہ ناول نگاری اور خیالی کرداروں کے درمیان مکالمہ نگاری کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کے اہم مقصد کو حاصل کرتا ہے، وہ سنجیدہ ادب میں ناول نگاری اور جاسوسی ناولوں کے مقام کا صحیح تعین کرتا ہے۔

ادب اور جاسوسی ادب کا بین المقاصد مطالعہ: اس مضمون کے ابتداء میں ادب کے مضامین کے جائزہ میں یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ انگریزی، فرانسیسی، جرمن، پرتگیزی، چیکوسلواکین اور آفریقی ادب اور اسی طرح یونانی اور اطالوی ادب میں خطبات، نصیحتیں، قانونی اصلاحات، نسلی خصوصیات اور قوم وملک کی فلاح وبہبود کے مقصد کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اور ادب کی تاریخ میں بھی قابل مصنفین کا مقصدِ تحریر وتصنیف یہی رہا ہے کہ وہ معاشرہ کی برائیوں کی نشاندہی کر کے اصلاحات اور اخلاقیات، تعلیمات اور تشکیل معاشرہ کے ساتھ ساتھ صحت مندانہ خطوط پر انسانیت کی فلاح کے لئے کتابیں تصنیف کریں۔

اسی طرح جاسوسی ادب اور ناولوں کے وہ مضامین جو مندرجہ بالا سطور میں بیان کئے گئے ان کا راست تعلق بھی اصلاح معاشرہ سے ہے۔ جاسوسی ادب یا ناولوں کے مضمون کا محور بھی

معاشرہ سے جرائم کو نکال پھینکنا ہے تا کہ ارتکابِ جرم سے معاشرہ کے معصوم عوام کا نقصان نہ ہونے پائے۔

اس لئے ادب اور جاسوسی ادب دو علٰحدہ چیزیں نہیں ہیں بلکہ جیسا کہ دیکھا گیا سیموئل، رچرڈسن کے نظریہ نے ادب میں یہ اہم تبدیلی لائی کہ نوجوان اور غیر تجربہ کار لوگوں میں اصلاح معاشرہ کے ان اہم مقاصد کو خیالی کرداروں کے درمیان مکالموں کے ذریعہ، رنگین اور دلچسپ انداز کے ساتھ بیان کیا جائے تا کہ اصلاح معاشرہ کا مقصد اس مخصوص طبقہ تک پہنچ سکے جو کم تجربہ کار اور نوجوان ہے۔ یعنی سنجیدہ ادب اور جاسوسی ادب یا ناول نگاری میں صرف اندازِ بیان، طرزِ تحریر کا فرق ہے لیکن دونوں کا مقصد تعلیم و تربیت، نصیحت اور اصلاح معاشرہ ہے۔ دنیا کے دیگر مما لک میں بھی ادب کی تاریخی ارتقاء میں یہ بات عالمی سطح پر قبول کر لی گئی ہے کہ معاشرہ کے مسائل کو جہاں سنجیدہ ادب کے دریعہ پیش کیا جاسکتا ہے وہیں اس مقصد کو دلچسپ انداز میں تجسس اور رومانی امتزاج کے ساتھ زیادہ موثر طریقہ پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ مختلف مما لک میں ادب کے ارتقاء کے سلسلے میں اس امر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس لئے اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سنجیدہ ادب یا ناول اور جاسوسی ادب کا مقصد ایک ہے لیکن مقصد کے حصول کا ذریعہ الگ الگ ہے۔

سنجیدہ ادب اور جاسوسی ادب میں قدر مشترک: ادب کی تعریف اور اصطلاح میں ہی یہ بات پوشیدہ ہے کہ بہترین خیال کے بہترین اظہار کو ضبطِ تحریر میں لانا جس کا مقصد مہذب معاشرہ کی تشکیل و ترقی ہے۔ معاشرہ کے سنجیدہ مسائل اور کسبِ معاش یا روزمرہ زندگی کی کشاکش سے تھکے ماندے ذہنوں کو دلچسپ تحریر سے معطر کیا جائے اور سنجیدہ مسائل کو تجسس اور مزاح اور رومانی آمیزش کے ذریعہ دل نشین انداز میں بیان کریں۔ اس خیال نے جاسوسی ادب اور طنز و مزاح کے ایک ضخیم ذخیرہ کو جنم دیا۔ سنجیدہ ادب کے اہم مضامین جس میں مثال کے طور پر عدم مساوات، انسانی حقوق، آزادی نسواں، قدیم علوم، تہذیب و تمدن، مختلف فلسفے، سماجی انتشار اور برائیوں کے اسباب و علل شامل ہیں اور یہی مضامین جاسوسی ادب کا بھی موضوع ہیں۔ اور مندرجہ بالا مضامین کا

عکس جمیل جاسوسی ناول کی کہانیوں کا خلاصہ اور مرکزی خیال ہوتا ہے۔ اس لئے سنجیدہ ادب اور جاسوسی ادب کے مقاصد مشترک ہیں البتہ ان مصنفین کے قارئین کا حلقہ علٰحدہ علٰحدہ ہے۔ قارئین پر ان کی تصانیف کا اثر اور افادیت کی مقدار الگ ہوسکتی ہے مگر مقصد مشترک ہے۔ اس قدر مشترک کی وجہ سے جاسوسی ادب دیگر اصنافِ ادب کی طرح ادب کا ایک جز لائنیفک قرار دیا جاسکتا ہے۔

سنجیدہ ادب اور جاسوسی ادب کے درمیان قانون ایک وجہ تعلق: اس عنوان پر بحث کرنے سے قبل اس غلط فہمی کی وضاحت ضروری ہے کہ جاسوسی ادب صرف جرم اور مجرم کے عنوان سے تعلق رکھتا ہے اور ایسے ناول صرف پیسہ کمانے یا تفریح طبع یا وقت گزاری کے لئے لکھی جاتی ہیں۔ کوئی بھی معاشرہ یا سماج مختلف عوامل اور قوتوں کے زیر اثر رہتا ہے اور کسی بھی سماج یا معاشرہ کی ہیئت ترکیبی میں قانون، نظام عدل، سیاسیات، معاشی وسائل، سماجی و انسانی اقدار، طرزِ زندگی، رسومات، لباس، کھانا پینا، عید و تہوار، عوامی نظام تقسیم PDS، صنعتی و تکنیکی ترقی، تعلیمی معیار، مختلف شعبہ حیات سے متعلق ادارہ جات، سرکاری پالیسی، غیر سرکاری ادارہ جات وغیرہ، غرض کہ ایک ایسا وسیع عنوان ہے جس کا مکمل احاطہ مشکل معلوم ہوتا ہے۔ جس کا اندازہ سوشل ریسرچ کے اسکالر کو بخوبی ہوتا ہے۔ سنجیدہ ادب کے مصنفین اپنی اپنی صلاحیتوں اور دلچسپی کی بناء پر ان امور پر تصانیف قلمبند کرتے ہیں تا کہ سماج کے اس پیچیدہ ڈھانچہ میں سدھار لایا جائے۔ کسی بھی مہذب معاشرہ اور دورِ حکومت میں امن و آمان کی برقراری اور قانون و نظام عدل کو ایک میثاق کی حیثیت حاصل ہے۔ اور اسی کی بنیاد پر حکومت اور معاشرہ کی صورتحال کا صحیح تشخص کیا جاسکتا ہے بلکہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ قانون اور قانونی اداروں کی کارکردگی اور امن و امان معاشرہ کی ترقی کے لئے سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اگر امن و امان بحال نہ رہے تو دیگر شعبہ جات کی ترقی رک جاتی ہے۔ اس پس منظر میں قانون ایک کلیدی اہمیت رکھتا ہے۔ عام طور پر جاسوسی ادب کو صرف جرم یا مجرم سے متعلق کہانیاں سمجھ لیا جاتا ہے لیکن جرم کی اصطلاح اور اس کی اقسام اور دائرہ روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے۔ اب جرم صرف کسی کو حرج پہنچانا، چوری یا قتل و غارتگری

تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ سائبر کرائم Cyber crime اور وائٹ کالر جرائم کی نوعیت اور اقسام اور طریقہ کار میں ایسے اہم تبدیلیاں رونما ہو رہے ہیں جس کی زمرہ بندی کرنا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نئے نئے قوانین عالمی سطح پر مدوّن کئے جا رہے ہیں تا کہ عصر جدید کے اس اہم چیلنج سے نمٹا جا سکے۔

جرم کی نوعیت کی یہ وسعت اور مجرموں کو حاصل تکنیکی وسائل نے مہذب معاشرہ کے وجود ہی کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ اس لئے کسی بھی معاشرہ کی اصلاح کے لئے اوپر بیان کئے گئے موضوعات پر جرم و سزا کی یہ نئی وسعتیں حاوی ہو جاتی ہیں اور اس کے انسداد و تدارک کے لئے قانون سازی اور جرم کی بیخ کنی کو اولیت حاصل ہے۔ اس پس منظر میں اصلاح معاشرہ کا جو کام سنجیدہ ادب کے مصنفین کر رہے ہیں یا کر سکتے ہیں اس کے مقابل جاسوسی ادب کے مصنفین کا اہم موضوع معاشرہ میں ہونے والے جرائم میں نمایاں اور خطرناک تبدیلی کو محسوس کر کے اپنے ناولوں کے خیالی کرداروں کے ذریعہ اور خیالی مجرمین کو کیفر کردار تک پہنچانے میں زیادہ مددگار اور موثر ہو سکتے ہیں۔ اس لئے اصلاح معاشرہ کے کوششوں میں جاسوسی ادب کے موضوعات کا بہت بڑا تعلق قانون سے ہوتا ہے اور یہی وہ قانون ہے جو جرم اور مجرم کے علاوہ اصلاح معاشرہ کے دیگر موضوعات اور اصلاحات کا اہم ذریعہ ہے۔ قانون کی حکمرانی یا کوئی بھی قانون سے بالاتر نہیں جیسے سنہرے الفاظ معاشرہ میں قانون کی اہمیت و اثر انگیزی کی طرف اشارہ کرتے ہیں اس لئے سنجیدہ ادب اور جاسوسی ادب کے درمیان قانون ایک اہم وجہِ تعلق پیدا کرتا ہے۔

ابن صفی کے ناولوں کے موضوعات: ابن صفی کی ناولوں کے مضامین کی ایک طویل فہرست ہے جس کا مکمل جائزہ ممکن نہیں ہے۔ لیکن چند ایک اہم مضامین جس کو ابن صفی نے اپنے جاسوسی ادب کی اساس بنایا وہ سماج کے تقریباً ہر پہلو کا احاطہ کرتے ہیں۔ شر پر خیر کی فتح، قانون کی بالادستی، جرائم کے عوامل و محرکات، مجرم کی نفسیات، سراغ رسانی کے طریقے، بین الاقوامی سازشیں، انتشار اور غیر یقینی صورتحال کا شکار نوجوان طبقہ، آزادیِ نسواں، مشہور فلسفیوں کے حوالے، توہم پرستی کا

تدارک، فلسفۂ آب قوریت یا Epicureanism حصول لذّت، قدیم تاریخ، قدیم تہذیب، معاشرہ کی جھلکیاں، قدیم فنِ تعمیر، امراء اور نوابوں کے حالات کی تصویر کشی اور طرز زندگی، انسانی حقوق کی حفاظت، ملازمین سے نرم برتاؤ، سٹہ، جوا، شراب اور چور بازاری، بلیک میلنگ، زہروں سے متعلق معلومات، جانوروں خصوصاً کتوں اور گھوڑوں کی نسل اور خصوصیات جمہوریت میں عوامی ذمہ داریاں، سائنسی معلومات، سوتیلی ماں کا کردار، مذہبی رواداری، مختلف شعبہ جات کی روایات اور نظم و نسق، جغرافیائی اور موسمی حالات اصلاح معاشرہ، مستقبلیات Futurology وغیرہ وغیرہ بطور مثال پیش کئے جا سکتے ہیں۔ ان مضامین میں سے چند ایک کا مطالعہ ابن صفی کی تخلیقات کی روشنی میں پیشِ خدمت ہے۔

دلیر مجرم: ابن صفی نے اپنی پہلی ناول دلیر مجرم، میں ہندو مسلم رواداری اور ماں کے رشتہ کے تقدس کو دل نشین پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ اس ناول میں سیتا دیوی اپنی سہیلی جعفری بیگم مرحومہ کے بیٹے ڈاکٹر، شوکت کو اپنی سگی اولاد کی طرح محبت و شفقت دیتی ہیں اور اس مقدس رشتہ پر دولت کی لالچ کی آنچ بھی نہیں آنے دیتی۔ ڈاکٹر شوکت ایک فرض شناس ڈاکٹر کی طرح رات میں بھی مریض کے آپریشن کے لئے جاتا ہے۔ سیتا دیوی محض اس خیال سے کہ ڈاکٹر شوکت رات میں واپس آ کر اپنے بستر پر سوئے گا تو بستر سرد رہے گا خود ڈاکٹر شوکت کے بستر پر سو جاتی ہیں تا کہ جب ڈاکٹر شوکت تھکا ماندہ واپس آئے تو اسے سردی کے موسم میں گرم بستر ملے۔ اسی کوشش میں سیتا دیوی کا قتل ہو جاتا ہے کیونکہ قاتل ڈاکٹر شوکت کے دھوکے میں اس کی سوتیلی ماں سیتا دیوی پر حملہ کر دیتا ہے۔ اس ناول میں انسپکٹر فریدی مقام واردات کا معائنہ کرتا ہے اور نہایت مدلل اور منطقی بنیاد پر قتل اور قاتل کے کردار پر روشنی ڈالتا ہے۔ جاسوسی اور سراغ رسانی میں سراغ اور منطقی دلائل انسپکٹر فریدی کی زبانی ماہرانہ اور دلکش انداز میں بیان کئے گئے ہیں اور قاری اس کتاب کو پڑھتے ہوئے سراغ رسانی کے بنیادی اصولوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اپنی اولاد کو موسم کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک ماں کا ایثار اور پھر غیر مذہب کے لڑکے سے بے پناہ پیار و شفقت بیک وقت مذہبی اور سماجی اقدار پر مبنی ہے۔

دھویں کی تحریر: سائنسی تحقیقات وتخلیقات جہاں نسل انسانی کو بے پناہ فائدہ پہنچایا وہیں سائنسی معلومات اور ایجادات کا مجرمانہ استعمال دھویں کی تحریر میں ملتا ہے جنہیں ڈاکٹر اسٹپلر انگلینڈ سے ایک راکٹ چرا کر اس کو عوام کو دہشت میں مبتلا کر کے ان کی دولت لوٹنے کا ذریعہ بناتا ہے۔ اس ناول میں عمران جو سائنس میں پی ایچ ڈی کی ڈگری رکھتا ہے اپنی سائنسی معلومات کی روشنی میں مجرم تک رسائی حاصل کرتا ہے۔

لڑکیوں کا جزیرہ: لڑکیوں کا جزیرہ نامی ناول میں ابن صفی نے بلیک میلنگ کے موضوع کو اپنایا ہے جس کے ذریعہ لڑکیوں کی عزت وناموس کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ یہ دونوں ہی چیزیں عصر حاضر میں بہت زیادہ رونما ہو رہے ہیں۔ یعنی بیسویں صدی میں لکھی گئی ناول کا مرکزی خیال اکیسویں صدی میں مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ اس ناول میں مجرم لڑکیوں کو بلیک میلنگ کرنے کے لئے ایک پوسٹ بکس کا استعمال کرتا ہے اور لڑکیوں کو لالچ دے کر اپنے جال میں پھانستا چلا جاتا ہے۔ عمران مجرم ہار پر پر شک کرنے اور اس تک پہنچنے کے لئے صرف ہار پر کے ایک پرانے اخبار پر غیر ارادی طور پر کی گئی دستخط کے ذریعہ پہنچتا ہے۔ یہ نہ صرف ایک معمولی سراغ سے مجرم تک پہنچنے کی وجہ ہے بلکہ سماج کے عام انسانوں میں جابجا، عادتاً اپنی دستخط کرنے کی بری عادت کے نقصان دہ نتائج سے بھی آگاہ کرتا ہے۔ نفسیاتی طور پر بھی ہر جگہ اپنا نام یا دستخط کرنے کی عادت کئی لوگوں میں خودنمائی کے مرض کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

پتھر کا خون: بین الاقوامی مجرموں کے پر اسرار گروہ کی کہانی ہے جو اپنے ہی ملک سے غداری کر کے اپنے ملک کے راز دشمن ملکوں کو فروخت کرتا ہے۔ یہ ناول جہاں اپنے ملک سے وفاداری کا درس دیتا ہے وہیں نہ صرف ملک دشمن مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچاتا ہے بلکہ ملک کے اہم رازوں کو ملک کی سلامتی کی خاطر راز ہی رہنے دیتا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ ناول حب الوطنی کا درس دیتا ہے جس کا راست تعلق اصلاح معاشرہ سے بھی ہے۔

آہنی دروازہ: اس ناول میں دولت کی ہوس میں جرائم کے ارتکاب کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دولت کی لالچ جرم کی ایک بہت بڑی وجہ تسلیم کی گئی ہے جو ہر زمانہ میں ہر ملک میں موجود ومصروف ہے۔ مجرم، خاندانی دولت مند سردار داراب کے قتل کے لئے ان کی فطری عادتوں کو ذریعہ بناتا ہے اور سردار داراب کی یہ حرکت کہ وہ مطالعہ کرتے وقت ہمیشہ بغیر دیکھے ٹٹول ٹٹول کر اپنے سگار کے ڈبہ سے سگار نکالتے ہیں اور مجرم ان کی اسی عادت کو پیشِ نظر رکھ کر سگار کے ڈبہ میں زہریلے بچھو رکھ دیتا ہے۔ اس ناول میں عمران کے کردار کے تضاد کو موثر انداز میں پیش کیا گیا۔ عام طور پر جہاں وہ ایک احمق نظر آتا ہے جرم سے نمٹتے وقت بے حد سنجیدہ اور خونخوار بھی بن جاتا ہے۔

اس ناول میں عمران کی لڑکیوں کے کالج میں ''عورتیں مردوں سے برتر ہیں'' کے عنوان پر تقریر کرنے کے لئے اچانک مدعو کیا جاتا ہے سردار داراب جو اس مباحثہ کی صدارت کرتے ہیں وہ عمران کو تقریر کے لئے مدعو کر کے اس کو پریشانی میں مبتلا کر دینا چاہتے ہیں۔ طوعاً و کرہاً عمران تقریر کرنے ڈائس پر جاتا ہے اور مردہ سی آواز میں سامعین کو یوں مخاطب کرتا ہے ''خواتین وحضرات''۔ پھر اچانک عمران کی رگِ شرارت پھڑک اٹھتی ہے اور وہ اسی طرز تخاطب کی ترتیب کو موضوع بنا کر کہتا ہے کہ ''لیجئے عورتوں کی مردوں پر برتری ثابت ہوگئی۔ یعنی پہلے خواتین بعد میں مرد۔ یعنی مرد کے تحت الشعور میں بھی یہ بات بیٹھی ہوتی ہے کہ عورت مرد سے برتر ہے۔ اس لئے وہ پہلے خواتین کو مخاطب کرتا ہے پھر حضرات کو''

معاشرہ میں عورتوں کے مقام اور آزادی نسواں جیسے مسائل پر بھی ابن صفی نے قلم اُٹھایا ہے اور اس طرح ایک اور ناول عورت فروش کا قاتل میں اونچی سوسائٹی کے دوہرے معیار پر طنز کیا ہے۔ اس ناول میں ابن صفی نے شہناز نامی ایک کردار کے ذریعہ یہ جملہ کہلوایا ہیکہ ''جب تک ہمارے سماج کا پورا ڈھانچہ ہی نہ بدل جائے عورتوں کی آزادی کوئی معنی نہیں رکھتی''۔ موجودہ معاشرہ میں عورت کو با اختیار بنانے کی تحریکوں میں ناکامی یا رکاوٹ کی وجہ بھی یہی تسلیم کی گئی ہے جس کی ابن صفی نے سالہا سال پہلے نشاندہی کر دی تھی۔

شاہی نقارہ: توہم پرستی کے شکار عوام کو اپنی بے وقوفی پر شرمندہ کر دیتا ہے۔ اس ناول میں فریدی اور حمید شکار کھیلنے جاتے ہیں اور شدید بارش میں پھنس جاتے ہیں۔ اور راہ بھٹک کر ایک ایسی پر اسرار حویلی کی طرف نکل جاتے ہیں جہاں برسہابرس سے ایک پر اسرار کتے کی رونے کی آواز سنائی دیتی ہے جس کے بعد گاؤں میں سیلاب آجاتا ہے۔ اس گاؤں کے لوگ اس کتے کے رونے کو منحوس تصور کرتے ہیں جو سیلاب لانے کا موجب بنتی ہے۔ لیکن فریدی اس راز پر سے پردہ اٹھاتا ہے کہ کتے کی رونے کی آواز دراصل ایک بلند عمارت پر لگی چھوٹی سی لکڑی کی کھڑکی سے نکلتی ہے جو تیز بارش کے نتیجہ میں سکڑ کر تنگ ہو جاتی ہے اور جب طوفانی ہوائیں اس تنگ کھڑکی کے سوراخ سے گزرتی ہے تو وہ ایک کتے کی رونے کی آواز سے مشابہ ہوتی ہے۔ یعنی یہ دراصل محکمہ موسمیات کے حفاظتی انتظام اور خطرہ کے الارم کے طور پر استعمال ہوتی رہی ہے اور جب تیز بارش کے نتیجہ میں کتے کے رونے کی آواز آتی ہے تو لوگ متوقع سیلاب سے بچنے کے لئے محفوظ مقامات کو نقل مکانی کرتے ہیں۔ یہ دراصل ترقی یافتہ معاشرہ میں بھی پائے جانے والے توہم پرستی پر ایک گہرا طنز ہے اور ایسے لوگوں کو اپنی کج فہمی کا احساس دلاتا ہے۔ یعنی کتے کے رونے کی آواز کو سیلاب کی وجہ سمجھنے والے یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کتا رونے سے سیلاب نہیں آتا بلکہ سیلاب آنے سے کتا روتا ہے معاشرہ کے اس توہم پرستی پر ابن صفی کی ناول ایک طنز کی حیثیت رکھتا ہے۔

پراسرار چیخیں: اس ناول میں مغربی ممالک میں رہنے والے ایسے لوگوں کی داستان بیان کی گئی ہے جو ابھی تک مشرقی ممالک کو پر اسرار سمجھتے ہیں۔ وہ ان مشرقی ممالک میں شاہی خاندانوں، خوبصورت شہزادیوں کی رومانی کہانیوں، بھوت پریت اور پر اسرار پوشیدہ خزانوں کی تلاش مغربی نوجوانوں کو آج بھی کھینچ لاتی ہے۔ پراسرار چیخیں میں بھی ایک امریکی نوجوان جواہرات کی صندوقچی اور ایک شہزادی کی جستجو میں چلا آتا ہے اور خود پر اسرار حالات کا شکار ہو جاتا ہے۔

پاگل کتے: ابن صفی کا وہ شاہکار ناول ہے جس میں جمہوریت کی ریشہ دوانیاں اور سازشوں پر طنز کیا گیا ہے۔ لیکن اس میں ایسے کردار بھی ملتے ہیں جو قوم کے مخلص رہنما شہرت سے بے نیاز ہو کر قوم کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

پیاسا سمندر: ایک ایسا سائنسی ناول ہے جس میں مستقبلیات Futurology سے بحث کی گئی ہے۔

نیلے پرندے: معاشرہ کے ایسے نوجوانوں کی داستان ہے جو آسان طریقے سے جلد از جلد دولتمند بن جانے کا خواب دیکھتے ہیں اور ان کی یہ ہوس ان کو مجرمانہ راستہ پر ڈال دیتی ہے۔

رائی کا پربت: انتقام کی انوکھی داستان ہے اور عصر حاضر کے غیر مطمئن اور جھنجھلاہٹ کے شکار لوگوں کی جرم و گناہ کی طرف راغب ہونے کی بنیاد بنتی ہے۔ اس میں عمران اپنی احمقانہ عادتوں کے پردہ میں عقلمندی کی بلندیوں کو چھوتا نظر آتا ہے۔

موت کی آندھی: اس ناول کی داستان میں فریدی اور حمید قدیم مصر کا سفر کرتے ہیں جہاں کا پراسرار ماحول قاری کو نہ صرف مصر کے تعلق سے معلومات فراہم کرتا ہے بلکہ دوران مطالعہ قاری خود کو مصر کے پراسرار ماحول میں پاتا ہے۔

جہنم کی رقاصہ: اس ناول میں انسان کی فطری جبلت، نسلی امتیاز و برتری اور غرور کو مرکزی خیال بنایا ہے اور بتایا ہے کہ نفسیاتی خواہشات کے حصول کے لئے انسان کسی بھی حد تک گر سکتا ہے۔

ابن صفی کے کرداروں کے اہم خدوخال: مندرجہ بالا چند ناولوں سے متعلق مضامین کا مختصراً حوالہ بطور مثال پیش کیا گیا لیکن اس کے علاوہ ابن صفی کے مختلف کرداروں اور ان کے ذریعہ دلچسپ مگر سبق آموز باتیں اصلاح معاشرہ کی بنیاد بن جاتے ہیں۔

ابن صفی کے اہم کردار انسپکٹر فریدی کو ایک نہایت ذہین، قابل، اور مختلف علوم سے واقفیت کی بناء پر ایک ایسے کردار کی شکل میں پیش کرتا ہے جو اپنے فرض کی ادائیگی میں اپنی پوری ذات کو وقف کر چکا ہے۔ فریدی کو ایک پتھر دل انسان کے روپ میں پیش کر کے ایک دانشمند کی طرح اس کی زبانی ایسے جملے ادا کروائے کہ ایسے جملے اعلیٰ ادب کی اعلیٰ مثال پیش کرتے ہیں۔ عورت کے حُسن کے بارے میں فریدی حمید کی سرزنش کرتے رہتا ہے اور کہتا ہے کہ حسن ایک ایسی چیز ہے جس کا کوئی ایک معیار مقرر نہیں ہے۔ اس لئے حسن کے پیچھے دوڑنا عقلمندی نہیں ہے شادی کو وہ والدین کی تفریح کا سامان سمجھتا ہے اور عشق کو عقل کا اندھاپن۔ لیکن اس کے باوجود فریدی

جس کو 'ہارڈ اسٹون' بھی کہا جاتا ہے، پراسرار کنواں نامی ناول میں غزالہ کے حسن سے متاثر ہوتا ہوا بتایا گیا ہے۔ لیکن اس راستہ پر آگے جانے سے قبل ہی فریدی سنبھل جاتا ہے اور پھر اپنی سخت گیری پر واپس پلٹ آتا ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اقتباس نہایت معنی خیز ہے۔

''وہ دفعتاً چونک پڑا۔ کسی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھدیا تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ غزالہ کھڑی مسکرارہی تھی۔ اس نے اس وقت سفید ساڑھی باندھ رکھی تھی۔ اس سادگی میں اس کے چہرے کے شوخ خدوخال کچھ اور زیادہ اُبھر آئے تھے۔ بڑی بڑی سحر کار آنکھوں میں پے بہ پے صبحیں طلوع ہو رہی تھیں اور گھنیری پلکوں کی چھاؤں میں خوشگواری شامیں رینگتی محسوس ہو رہی تھیں۔

''کچھ چائے وغیرہ کا بھی ہوش ہے'' غزالہ کی ترنم آواز کمرے کی خاموش فضاء میں گونج اٹھی۔ اس کے لہجہ میں نہ جانے کیا چیز تھی جس نے فریدی کی رگوں میں نشہ سا دوڑا دیا۔ اس کے لہجہ میں کیا نہیں تھا۔ ماماتا تھی، شکایت تھی، تقاضا تھا، سپردگی تھی اور نہ جانے کیا کیا۔

فریدی غیر شعوری طور پر مسکرا پڑا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ان دہکتے ہوئے رخساروں کی آنچ میں پگھل گیا ہو۔ اسے اپنی ہستی ایک لہریں لیتی ہوئی جھیل معلوم ہونے لگی۔ دفعتاً فریدی کو خود میں اس تبدیلی کا احساس ہوا اور اس کے منطقی شعور نے جھپٹ کر ذہن کے اُس گوشہ پر سیاہ چادر ڈال دی جہاں سے محبت کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں وہ یک بیک ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہوگیا۔'' اسی ناول پُر اسرار کنواں کے اختتامی صفحات میں ایک بار پھر فریدی غزالہ کے بے پناہ حسن سے موم کی طرح پگھلنے لگتا ہے اور کہہ اٹھتا ہے'' آپ اس وقت بہت اچھی لگ رہی ہیں لیکن پھر فوراً ہی سنبھل جاتا ہے۔ سارجنٹ حمید جو اس منظر کو دیکھ لیتا ہے وہ فریدی کو چھیڑنے لگتا ہے اور فریدی کے جملے کی نقل کرتا ہے۔'' آپ ہمیشہ اچھی لگتی ہیں لیکن فریدی کہتا ہے کہ کیا حُسن کی تعریف کرنا محبت ہے؟ اگر ایسا ہے تو جسے تم محبت کہتے ہو اس کے لئے اس پتھر میں کوئی گنجائش نہیں''

فلسفۂ آبِ قوریت یا Epicureanism جس کو عام طور پر حصول لذت کی بنیاد سمجھا جاتا ہے اس فلسفہ کا حوالہ بھی ابن صفی کی ناول کا مرکزی خیال ہے اور بہت سارے لوگ جو اس

فلسفہ کا نام بھی نہ سنا ہوگا وہ اس جاسوسی ادب کی دلچسپی کی بناء پر اس فلسفہ سے واقف ہوئے ہوں گے۔ ابن صفی کے دیگر لازوال کرداروں میں چینی مجرم سنگ ہی جو نہایت دبلا پتلا لیکن بے پناہ قوت کا حامل بتایا گیا اور وہ اپنی چینی فن کی بناء پر فائرنگ سے بچتا رہتا ہے۔

اسی طرح یوروپی مجرم لیونارڈ، محیر العقل ''مڈانگا'' جس کو جانور نما انسان کہا جائے یا انسان نما جانور ہمبگ دی گریٹ، برخوردار طغرل خان غرض کئی اور ایسے کردار ہیں جو قاری کے ذہن پر انمٹ نشان چھوڑ جاتے ہیں۔

ابن صفی کا فحاشی اور عریانیت سے اجتناب: فحاشی عام طور پر شہرت اور دولت کمانے کا ایک سستا ذریعہ ہے اور کئی مصنفین صرف اسی مضمون پر ناول لکھ کر دولت بٹورتے رہے۔ ابن صفی کو بھی یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ اپنی ناولوں میں جنس کو شامل کریں لیکن ابن صفی کی حمیّت نے اسے گوارا نہ کیا کہ عورت جیسی قابل احترام شخصیت کی یوں توہین کریں چنانچہ انہوں نے جن ناولوں میں قحبہ خانون کا بھی ذکر کیا ہے بہت احتیاط سے کام لے کر اپنے قلم کو ناپاک ہونے سے بچائے رکھا۔ اس کے باوجود ان کی ناولوں کی مقبولیت میں کوئی فرق نہ آیا اور اس طرح انہوں نے اپنے قاری کو بھی مہذب و معتبر بنایا۔

منظر کشی اور کسی نکتہ کی وضاحت کے لئے ابن صفی نے اردو زبان کی فصاحت اور بلاغت کو رسوا نہ ہونے دیا۔ اور ہر ایسی کیفیت کو وہ اتنے موثر انداز میں بیان کر جاتے ہے کہ پڑھنے والا ابن صفی کے ذہن اور نکتہ کو بہ آسانی سمجھ جاتے۔ چند ایک ایسے جملے یہاں یاد آرہے ہیں، جس کا حوالہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ ایک ناول میں مقتول اپنے کمرہ میں کرسی پر دراز ہے اور اس کے ہاتھ میں پستول دبا ہوا۔ علاقے کا انسپکٹر اس کو خودکشی قرار دے کر اپنی ذمہ داریوں سے بچنا چاہتا ہے لیکن فریدی کہتا ہے کہ یہ خودکشی کا نہیں بلکہ قتل کا کیس ہے اور گولی کافی فاصلے سے چلائی گئی ہے۔ اپنے اس ادعا کی وضاحت فریدی یوں کرتے ہے کہ مرنے والے کے سیدھے ہاتھ میں پستول ہے اور زخم کا نشان بائیں کنپٹی پر ہے۔ یعنی یہ تو گردن کے پیچھے سے ہاتھ گھما کر نوالہ کھانے والی بات ہوگئی۔ اگر مقتول نے خودکشی کی ہوتی تو اس کو اپنی سیدھی کنپٹی پر ہی فائر کرنا چاہئے تھا۔

علاقہ کا انسپکٹر جب یہ اعتراض کرتا کہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ گولی فاصلے سے چلائی گئی ہے۔فریدی کہتا ہے کہ اگر گولی کنپٹی پر رکھ کر چلائی گئی ہوتی تو وہ سر کے دوسری جانب سے نکل گئی ہوتی لیکن سر پر ایسا کوئی نشان موجود نہیں ہے۔ میں اپنے اس دعوے کو عملاً ثابت بھی کر سکتا ہوں۔ علاقائی انسپکٹر پوچھتا ہے کہ وہ کس طرح، فریدی کہتا ہے اس کی کھوپڑی پر دوسرا فائر کر کے۔ یہ ایک چونکا دینے والا مگر بروقت اور موثر دلیل کو پیش کرتا ہے۔

ایک دیگر ناول میں فریدی حمید کے ساتھ مقام واردات پر پہنچتا ہے جہاں کمرہ میں اس کی میز پر ناخن سے کھرچنے کا نشان ملتا ہے۔فریدی اس نشان کو دیکھ کر ایک ایسی لڑکی پر شبہ کرتا ہے جس کو فرنیچر کی پالش پر اپنے ناخن سے کھرچنے کی عادت ہوتی ہے۔فریدی اس لڑکی کی جائے واردات پر موجودگی ثابت کرتا ہے۔اس پر حمید کہتا ہے کہ ہوسکتا ہے وہ لڑکی پہلے کبھی یہاں آئی ہو میز کا یہ نشان پہلے بنایا گیا ہو۔اس پر فریدی کہتا ہے ’’نہیں۔ یہ نشان ابھی تازہ بنا ہوا ہے۔ دیکھو اس لکیر پر جو ناخن سے کرید کر بنائی گئی۔اس لکیر کی لمبائی میں سے میز کی صاف لکڑی دکھائی دے رہی ہے اور اس لکیر کے کونے پر پالش ایک میل کی طرح جمی ہوئی یعنی یہ نشان ابھی ابھی تازہ بنا ہوا ہے۔ایک چھوٹے سے نکتہ کو قاری تک بعینہ پہنچانے کے لیے ابن صفی کا یہ طرزِ بیان ان کی ذہنی صلاحیتوں کا مظہر ہے۔ایسی کئی مثالیں ابن صفی کی ناولوں میں سمندر میں موتیوں کی طرح بکھری نظر آتی ہے۔

انسانی حقوق اور ملازموں سے برتاؤ: ابنِ صفی نے اپنی بیشتر تحریروں میں انسانی حقوق کو اہمیت کے ساتھ پیش کیا ہے۔خصوصاً فریدی کے اپنے نوکروں کے تئیں رحمدلانہ رویہ اس بات کا مظہر ہے چنانچہ کبھی رات کے وقت فریدی کو کافی یا چائے کی ضرورت محسوس ہوتی تو نوکروں کو جگانے کے بجائے خود کچن میں جا کر چائے بنالیتا ہے۔اسی طرح عمران اور اس کے ملازم سلیمان کے درمیان مکالمہ بازی اس انسانی اقدار پر مبنی رشتہ کو ظاہر کرتے ہیں جس میں آجر کی ظالمانہ روش سے ہٹ کر ملازم کو ایک فرد خاندان کی طرح پیش کیا گیا ہے۔

ابن صفی کا اُردو زبان کی ترویج میں حصہ: اصلاح معاشرہ کے علاوہ بھی ابن صفی کی تخلیقات کا اردو زبان پر بہت مثبت اثر پڑا ہے۔بعض پروفیسروں نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے اردو زبان ابن صفی کی ناولوں سے سیکھی ہے۔راقم الحروف کو بھی اس کا اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں ہے۔ابن صفی کی تحریروں میں شوکتِ الفاظ، رفعتِ خیال اور جملوں کی ترکیب میں لفظوں کی نشست، ان کی تحریروں کو اردو زبان کا ایک مرقع بنا دیتی ہیں اردو زبان کے اس بیش بہا خزانہ کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

جاسوسی ادب سنجیدہ ادب کی میثاق پر: اس مقالہ کے مندرجہ بالا متن میں جاسوسی ادب اور سنجیدہ ادب کا موضوعات وعنوانات کی روشنی میں جائزہ لیا گیا جس سے یہ ظاہر ہوا کہ جاسوسی ادب اور سنجیدہ ادب دونوں کے مضامین موضوعات میں یکسانیت پائی جاتی ہے اور اس لئے دونوں کا مقصد تقریباً ایک ہی رہا ہے۔

اب سنجیدہ ادب کے ضروری عناصر کی روشنی میں جاسوسی ادب کا جائزہ پیش ہے۔

اس مقالے کی ابتداء میں لفظ ادب کی لغوی اور دیگر تعریفوں کی روشنی میں، سنجیدہ ادب کے ضروری عناصر کا جائزہ پیش کیا گیا چنانچہ ادب کے اہم عناصر کو مندرجہ ذیل الفاظ میں منضبط کیا جاسکتا ہے۔

1) مصنف کے خیال، یا تصور یا نظریہ کا بہترین ہونا ضروری ہے۔لفظ ’’بہترین‘‘ کی تشریح کے لئے اس ادب کے موضوعات کو میثاق بنایا جاسکتا ہے اور اس امر کا تعیّن کیا جاسکتا ہے کہ پیش کردہ خیال یا تصور اس کے مقصد کی روشنی میں بہتر قرار دیا جاسکتا یا نہیں۔

2) مصنف کے خیال کے اظہار کا بھی بہترین ہونا ضروری ہے جو سنجیدہ ادب کی بنیاد قرار دی جاسکتی ہے کیونکہ کسی اچھے اور مفید خیال کو تصنیف کی ماہرانہ صلاحیتوں سے مزیّن نہ کیا جائے تو مصنف کا پیغام قارئین تک صحیح اور موثر انداز میں نہیں پہنچ سکتا۔اور اس تصنیف کا مقصد ہی فوت ہو کر رہ جائے گا۔

3) مندرجہ بالا دوعناصر کا ضبطِ تحریر میں لانا ضروری ہے تب ہی وہ تحریر شدہ حالت میں محفوظ ہوکر قارئین تک پہنچ سکے گا۔

4) سنجیدہ ادب کی مندرجہ بالا تینوں عناصر کا مقصد دراصل معاشرہ کی صحیح انداز میں تشکیل و تعمیر اور اصلاح ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ عالمی سطح پر مختلف ملکوں، زبانوں، علاقوں اور نسلوں سے تعلق رکھنے والے مصنفین کی تصانیف کا محور بھی اصلاح معاشرہ ہی رہا ہے۔

5) عالمی سطح پر مختلف مصنفین نے اپنی نسلی خصوصیات، قومی اصلاحات اور مقامی مسائل کو اپنی تحریروں کا محور بنایا۔

6) سنجیدہ ادب کے مصنفین کو ان کی تصانیف کی نوعیت اور ہیئت کی بنیاد پر بیانیہ Descriptive اور تخلیقی یعنی Creative مصنفین کا نام دیا گیا۔ بیانیہ مصنف معاشرہ کے مختلف حالات، مسائل کو اپنے انداز میں بیان کرکے نتائج اخذ کرتا ہے جبکہ تخلیقی مصنف اپنی ذہنی صلاحیتوں کی بنیاد پر نئے رجحانات، خیالات اور نظریات کی تخلیق کرکے اس کے ممکنہ نتائج کی نشاندہی کرتا ہے۔

سنجیدہ ادب کے مندرجہ بالا عناصر کی فہرست میں کوئی بھی محقق اپنی تحقیق کی بنیاد پر مزید اضافہ کرسکتا ہے جو سنجیدہ ادب کی برقراری اور ترقی و ترویج کے لئے ضروری قرار دیا جاسکتا ہے۔

اب سنجیدہ ادب کے ان عناصر کی روشنی میں جاسوسی ادب اور خصوصاً ابن صفی کی تحریروں کے پیشِ نظر جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

1) ابن صفی نے اپنے جاسوسی ادب میں جن خیالات اور نظریات کو پیش کیا ہے اس کا مختصر جائزہ اس مقالے میں پیش کیا جاچکا ہے اور یہ بات صاف طور پر محسوس کی جاسکتی ہے کہ ابن صفی کی ان تحریروں میں معاشرہ کی برائیوں کو بیان کرکے اس کے مضر اثرات کا جائزہ لیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ کئی مقامات پر ابن صفی نے اپنے خیالی کرداروں کے ذریعہ ان برائیوں کے خاتمہ کے لئے سخت اقدامات کو پیش کیا ہے تاکہ قاری کے ذہن پر مثبت اثرات مرتب ہوں اور شر پر خیر کی فتح ثابت کی جائے۔

2) ابن صفی کے طریقہ اظہار کو بہترین قرار دینے کے لئے نہ صرف اُن کا دلچسپ و دل نشین اور متاثر کن انداز بیان بلکہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس انداز کے نتائج بھی بہترین قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ اس ضمن میں سموئیل رچرڈسن کے اس انقلابی نظریہ کا حوالہ دیا جاسکتا ہے جس میں رچرڈسن نے کہا کہ معاشرہ کے سنجیدہ مسائل کو نوجوانوں اور کم تجربہ کار لوگوں تک پہنچانے کے لئے خیالی کرداروں اور خیالی شخصیات کے درمیان مکالمہ نگاری کو دلچسپ انداز میں بیان کیا جائے۔ اور یہی نظریہ سنجیدہ ادب میں ایک اہم نقطہ تغیر اور ناول کی ابتداء کی بنیاد بنا۔

ابن صفی کا اپنے خیالات و نظریات کا اپنے لافانی کرداروں کے ذریعہ اظہار اور دلچسپ انداز بیان، شوکتِ الفاظ اور رفعتِ خیال اور جملوں کی ترکیب میں الفاظ کی چست نشست انگوٹھی میں نگینے کی طرح اردو ادب کا ایک لافانی مرقع قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس لئے سنجیدہ ادب کی ترجمانی کو تجسس اور تذبذب سے آراستہ کرکے اپنے پیغام کو قارئین تک موثر انداز میں پہنچایا۔

ابن صفی کا یہ مخصوص و دلکش انداز بیان اور لافانی کرداروں نے اتنی شہرت و مقبولیت حاصل کرلی کہ دیگر کئی نام نہاد مصنفوں نے ابن صفی کے کرداروں اور مقامات کی بھدّی نقل کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے اور خود کاپی رائٹس کے قانون کو مجروح کیا۔

3) ابن صفی کی تحریریں عوام میں اس قدر مقبول ہوئیں کہ قارئین کو ان کی ناولوں کا بے چینی سے انتظار رہتا اور کئی لوگوں نے ابن صفی کی تمام تصانیف کو اپنی لائبریریوں کی زینت بنایا۔ ابن صفی کی تحریریں اتنی مقبول ہوئیں کہ ان کی تمام تصانیف کو دوبارہ خوبصورت انداز میں ضبطِ تحریر میں لایا گیا۔

4) سنجیدہ ادب کے اہم مقاصد تشکیل معاشرہ و تعمیر معاشرہ ہی نہیں بلکہ عالمی سطح پر جس طرح دیگر مصنفین اپنے اپنے ملکوں، نسلوں، قوموں اور زبانوں کا تحفظ کیا اس طرح یہ تمام مقاصد ابن صفی کی تحریروں میں بدرجہ اتم موجود و محفوظ ہیں۔

5) ابن صفی نے سنجیدہ ادب کی نسلی خصوصیات، قومی اصلاحات اور مقامی مسائل کو مشرقی معاشرہ کے پس منظر میں ناول نگاری کے ذریعہ امتیازی انداز میں پیش کیا اور عالمی سطح پر مشرقی معاشرہ کے اقدار کو دنیا میں اعلیٰ مقام عطا کیا۔

6) ابن صفی کو ان کی تصانیف کی روشنی میں بیک وقت بیانیہ اور تخلیقی مصنف قرار دیا جا سکتا کیونکہ انہوں نے مشرقی معاشرہ کی عکاسی کو خوبصورت پیرایہ میں بیان کیا اور مختلف فلسفوں اور تہذیبوں کو تخلیقی اور تقابلی انداز میں پیش کیا۔

اختتام: مندرجہ بالا صفحات میں ابن صفی کی تخلیقات کا مختصراً جائزہ پیش کیا گیا لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ ابن صفی کی شخصیت اور فن ایک پورے تحقیقی مقالہ کا طلبگار ہے۔ ابن صفی کی طرز تحریر اور ان کی ناولوں کے مرکزی خیال اور پلاٹ جس کا حوالہ اوپر دیا گیا وہ وہی ہے جو ادب عالیہ کا بھی حصہ رہا ہے مختلف عنوانات اور مضامین جس کا حوالہ ادب عالیہ کے سلسلے میں دیا گیا وہ تمام مضامین ابن صفی کی ناولوں میں اصلاح معاشرہ اور معاشرہ کے کئی اہم پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔

اس مقالہ میں ادب کی تاریخ ارتقاء کے حوالے سے یہ بات کہی جا چکی ہے کہ ادب کی اصطلاح دراصل ''بہترین خیال کے بہترین اظہار کو ضبطِ تحریر میں لانا ہے، اگر اس تعریف میں ادب عالیہ کے مقاصد کو بھی شامل کر لیا جائے کہ بہترین خیالات کا بہترین اظہار اصلاح معاشرہ کے لئے ہونا ضروری ہے تب ہی ادب عالیہ کو علم نافع کی فہرست میں لایا جا سکتا ہے۔ ادب عالیہ کی تعریف کو وسعت دے کر بھی اگر ابن صفی کی کاوشوں کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا ابن صفی کی جاسوسی ناولیں صرف تفریح طبع کے لئے ہی نہیں بلکہ سماج و معاشرہ کے اُن تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں جس کا حوالہ بین المقاصد مطالعہ میں کیا گیا ہے۔

ادب کے مندرجہ بالا مقاصد کے حصول کے لئے سنجیدہ ادب سے رخصت لیتے ہوئے انگلستان کے مصنف سموئیل رچرڈسن کا وہ انقلابی نظریہ یا تصور کا حوالہ ضروری ہے کہ جس میں اس نے کہا کہ ''نوجوانوں اور غیر تجربہ کار لوگوں تک اخلاقیات کے درس کو پہنچانے کے لئے خیالی

کرداروں کے درمیان مکالمہ بازی کے دلچسپ انداز پیش کیا جائے۔ جس میں طنز و مزاح کو اہمیت دی گئی ہے۔ 1689-1761ء کے درمیان گزرے اس برطانوی مصنف کا یہ خیال ادب عالیہ اور دیگر اصناف تصنیف کے درمیان ایک رشتہ قائم کرتا ہے جن کا مقصد بالآخر اصلاح معاشرہ ہی ہے۔ خواہ وہ بات سنجیدہ اور خشک انداز میں بیان کی جائے یا دلچسپ اور دلنشین انداز میں۔ ابن صفی کی ناولیں اس نقطہ تغیر کی صحیح ترجمانی کرتی ہے اور اس پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہیں۔

اظہار خیال کے طریقہ کار کو ایک فن کی حیثیت حاصل ہے اور ادب ترسیل کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اس لئے کسی بھی مصنف کو اپنا خیال پیش کرتے وقت وہ طریقہ کار اپنانا ہوگا جو قارئین کے لئے یا سامعین کے لئے آسانی سے سمجھنے کے قابل ہو۔ اگر مصنف اپنی بات کو محض اپنے اندازِ بیان کی وجہ سے قارئین تک نہیں پہنچا سکتا ہے تو اس کی کوششیں ناکام ہوں گی۔ یہی وجہ ہے جب کوئی مقرر یا ادیب یا شاعر یا کوئی اور ہو اس کو اپنے قارئین کی سمجھنے کی صلاحیتوں کا اندازہ لگانا اور اس کے پیش نظر اُسی انداز میں پیش کرنا ضروری ہے۔ اگر ایسا ضروری نہ ہوتا تو پھر بچوں کے ادبِ اطفال یا معاشرہ کے دیگر طبقات تک پیغام نہیں پہنچایا جا سکتا۔

فن شاعری کو بھی یہ اعزاز حاصل ہے کہ جو بات ایک مقرر ایک گھنٹہ میں یا ایک مصنف پوری ایک کتاب میں کہتا ہے اسی بات کو زیادہ دل نشین انداز اور موثر انداز میں شاعر صرف دو مصرعوں میں عوام تک پہنچا دیتا ہے۔ ایسے کئی اشعار اردو ادب کی شان کو دوبالا کرتے ہیں جو تلمیحات و تشبیہات پر مبنی ہے۔ تو کیا شاعر کے اس فن کو ادب عالیہ کے زمرہ سے صرف اس بنا پر مسترد کر دیا جائے کہ وہ شاعری میں حسن و عشق اور دیگر خیالی باتیں بیان کی جاتی ہے ظاہر ہے کہ یہ بات ہر شاعر پر تو صادق نہیں آسکتی۔ اس لئے شاعروں کی ان کی تخلیق کے معیار کی بنیاد پر زمرہ بندی کی جا سکتی ہے۔ اردو ادب میں آج ڈاکٹر سر محمد اقبال پر تحقیق جاری ہے۔ اور آج کا معاشرہ اپنی رہنمائی کے باتیں اقبال کے کلام میں ڈھونڈتا ہے۔ یہاں تک کہ اس تحقیقی کوششوں نے ''اقبالیات'' نام سے ایک نئے شعبہ علم کی بنیاد ڈالی۔ اس طرح غالبیات اور میریات نے بھی تحقیق کے نئے موضوع کھول دیئے۔

ادب میں جتنی اہمیت مصنف کی ہے اتنی ہی اہمیت ایک تنقید نگار کی بھی ہے۔ بلکہ فن نقد وتنقید تو تصنیف کے تجزیہ پر مبنی ہوتی ہے اوراس کے معاشرہ پر اثرات کا بھی جائزہ لیتی ہے۔تو کیا ایک نقاد کو بگڑا ہوا مصنف کہنے کا سلسلہ ابھی جاری رکھا جاسکتا ہے؟ غرض یہ بحث ایک لا متناہی مطالعہ کی متقاضی ہے۔

اختتاماً صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ ابن صفی نے جاسوسی ادب کے معیار کو نئی وسعتیں، اعلیٰ معیار، اور نئی جہتیں عطا کر کے اس کو ادب عالیہ کے زمرہ میں لا کھڑا کر دیا ہے۔

اس لئے جاسوسی ادب اور خصوصاً ابن صفی کی جاسوسی تخلیقات کو دوسرے درجہ کا ادب یا پھر سرے سے ہی غیر ادب قرار دینا نہ صرف ابن صفی سے ناانصافی ہے بلکہ فن تحقیق کے اصولوں سے بھی انحراف کرنا ہوگا۔ایک غیر جانبدارانہ تحقیق جس کو سائنٹفک ریسرچ بھی کہا جاسکتا ہے وہ ہر اس محقق کو جو ایمانداری کے ساتھ ادب عالیہ اور جاسوسی ادب کا تقابلی مطالعہ کرے گا، مجبور کردے گا کہ وہ ابن صفی کی جاسوسی تخلیقات کو نہ صرف ادب کے برابر سمجھے گا بلکہ اس کا حصہ قرار دے گا۔

پروفیسر احمد اللہ خان، سابق ڈین، شعبۂ قانون، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد۔

ابن صفی کا اردو ناول نگاری میں مقام

پروفیسر یوسف سرمست

ابن صفی کو اُردو ناول نگاری میں جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ بے مثال ہے۔ان سے پہلے یا ان کے بعد آج تک کسی بھی ناول نگار کو اتنی اور ایسی شہرت حاصل نہیں ہوئی۔ان کی شہرت ہندو پاک سے نکل کر انگلستان تک پہنچ گئی تھی۔اگاتھا کرسٹی (1890-1972ء) جو خود بھی جاسوسی ناول نگاری کی ملکہ کہلاتی ہے اور دنیا کی سب سے مقبول ترین جاسوسی ناول نگار ہے، اس نے بھی ان الفاظ میں ابن صفی کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

> "I don't know urdu but have Knowledge of detective novels of the sub continent. There is only one original writer, Ibne-Safi
>
> (میں اردو نہیں جانتی البتہ برصغیر کی جاسوسی ناول نگاری کے بارے میں جانتی ہوں۔ وہاں ایک ہی حقیقی ناول نگار ابن صفی ہے۔)

ابن صفی اور اگاتھا کرسٹی میں بعض دلچسپ مماثلتیں ملتی ہیں۔اس نے بھی ابن صفی کی طرح دوسری اصناف میں طبع آزمائی کی تھی۔اس نے مختصر کہانیاں بھی لکھی تھیں اور ڈرامے بھی لکھے تھے۔اسٹیج ڈراموں میں تو اس نے عالمی ریکاڈ قائم کیا ہے۔The Mouse Trap کے عنوان سے اس نے جو ڈراما لکھا تھا وہ اسٹیج ڈراما 1927ء سے لے کر آج تک دکھایا جارہا ہے۔دنیا میں اس کے سوا کوئی بھی ڈراما اتنی لمبی مدت تک نہیں دکھایا گیا۔

ابن صفی نے طنزیہ مضامین بھی لکھے تھے، مختصر کہانیاں بھی لکھی تھیں۔وہ شاعر بھی تھے۔

انھوں نے اپنا شعری مجموعہ ''متاعِ قلب ونظر'' کے عنوان سے مرتب کیا تھا۔ جواب تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوا۔

ابن صفی کا نام اسرار احمد تھا،اس لیے تخلص ''اسرار ناروی'' کا اختیار کیا تھا۔

ابن صفی 1928ء میں پیدا ہوئے تھے۔جس مہینے کی تاریخ کو پیدا ہوئے تھے انتقال بھی اسی مہینے کی تاریخ کو یعنی 26/جولائی 1980ء کو ہوا۔یوں ان کو صرف 52 سال کی عمر ملی تھی،لیکن:

ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

کے مصداق انھوں نے جاسوسی ناول نگاری میں اتنا اور ایسا کام کیا ہے جو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

اُردو میں مقبول ناول نگاروں کا جو سلسلہ ملتا ہے اس کی سب سے روشن اور درخشاں کڑی ابن صفی تھے۔ان سے پہلے جو مقبول ناول نگاروں کے نام ملتے ہیں ان میں قیسی رامپوری، آر۔خاتون،ایم۔اسلم،رشید اختر ندوی،رئیس احمد جعفری،نسیم حجازی،خاں محبوب طرزی،عادل رشید،اے۔حمید اور شوکت تھانوی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ابن صفی سے پہلے بہت سے جاسوسی ناول اُردو میں ملتے ہیں لیکن عام طور پر یہ انگریزی توسط سے اردو میں منتقل ہوئے۔ یعنی انگریزی سے ترجمہ کیے ہوئے ہیں۔ظفر عمر نے بھی جاسوسی ناول لکھے تھے لیکن وہ انگریزی سے ماخوذ ہوا کرتے تھے۔بہر حال مقبول ناول نگاری کی روایت کافی لمبی اور مستحکم تھی،جس کو ابن صفی نے معراج کمال تک اتنا اور ایسا پہنچایا کہ اس سے آگے جانا محال بلکہ ناممکن بن گیا۔ابن صفی مقبول ناول نگاری کے بے تاج بادشاہ ہیں۔

مقبول ناول نگار خواہ کسی بھی زبان کے ہوں وہ ادب کی بڑی خدمت انجام دیتے ہیں۔اُردو کے مقبول ناول نگاروں نے بھی زبان وادب کی بہت خدمت کی ہے اور اسے فائدہ پہنچایا ہے۔پہلی بات تو یہ کہ مقبول ناول نگاروں کے قارئین کا حلقہ بہت وسیع ہوتا ہے۔ابن صفی نے اس خدمت کو آخری حد تک پہنچایا تھا۔ان سے پہلے نہ ان کے بعد اردو ناول کے قارئین کا اتنا

بڑا اور وسیع حلقہ پیدا نہیں ہوا۔اتنے بڑے سلسلے میں زبان وادب کے مطالعے کا شوق اور چسکا پیدا کرنا یہ بجائے خود زبان وادب کی خدمت ہے۔تمام فنون لطیفہ کا مقصد تفریح بھی ہوا کرتا ہے۔ تفریح مہیا کرنا انسانیت کی ایک خدمت ہے۔ابن صفی کو اس بات کا شدت سے احساس تھا۔جب کہ ایک جگہ خود انھوں نے لکھا ہے:

''بعض احباب کہتے ہیں مجھے مقصدی ادب پیش کرنا چاہیے۔میرا خیال ہے تفریح بجائے خود ایک مقصد ہے۔اسے بھی ایک مقدس فریضہ سمجھنا چاہیے''۔

اس میں کوئی شک نہیں ''تفریح'' انسانی زندگی میں بے حد اہمیت رکھتی ہے۔اس لیے تفریح کو ''مقدس فریضہ'' سمجھنا بھی حق بجانب ہے۔لیکن زندگی میں یہی ایک مقدس فریضہ نہیں ہے بلکہ اس کے سوا زندگی کے بے شمار اہم تقاضے اور فرائض ہیں۔ان کو پورا کرنا اور ان سے عہدہ برآ ہونا بھی لازمی اور ضروری ہوتا ہے۔اسی بات سے مقبول اور سنجیدہ ناولوں کے فرق کو سمجھا جا سکتا ہے۔سنجیدہ ناولوں میں زندگی کے فرائض،مسائل اور تقاضوں کو پیش کیا جاتا ہے۔ان کو پیش کر کے قاری کی توجہ کو اس طرف مبذول کیا جاتا ہے تا کہ وہ اس ''جہاں'' سے سرسری نہ گزرے بلکہ جو ''جہانِ دیگر'' ہے اس کی طرف متوجہ ہو اور اس کے بارے میں غور وفکر کرے۔

مقبول اور سنجیدہ ناولوں میں جو بنیادی اور اہم فرق ہوتا ہے اس کی ایک روشن مثال روسی ناول نگار دوستو وسکی کا مقبول ناول "Crime & Punishment" ''جرم وسزا'' ہے۔ اس کا شمار دنیا کے چند بہترین ناولوں میں ہوتا ہے۔اس میں بھی ایک قتل کے واقعہ کو پیش کیا گیا ہے۔جس طرح بے شمار جاسوسی ناولوں میں قتل کے واقعہ کو پیش کیا جاتا ہے۔

لیکن اس ناول میں قاتل کی ذہنی اور جذباتی زندگی کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ ''قتل'' کا واقعہ ''تفریح'' کا سامان نہیں بنتا بلکہ قاری کو غور وفکر کرنے پر مجبور کرتا ہے۔جب ناول نگار یہ کہتا ہے کہ ''ہر جرم کسی نہ کسی سماجی ناانصافی کے خلاف ایک احتجاج ہے'' ایسی فکر انگیز بات کہہ کر سنجیدہ ناول نگار زندگی میں جو مسائل ہیں ان پر غور وفکر کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

کیو۔ڈی۔لیوس نے لکھا ہے:

''عام قاری زندگی، محبت وشادی، جنس اور عورت وغیرہ کے تعلق سے بندھے انداز میں سوچنے کے عادی ہوتے ہیں اس لیے وہ سنجیدہ ناولوں کی بہت ہی اہم خصوصیت فکر انگیزی کی تاب نہیں لا سکتے۔''(Fiction & Reading Public 214)

حقیقت یہ ہے کہ مقبول ناولوں میں جو تفریح کا سامان ہوتا ہے اور ہلکے پھلکے انداز میں اور محدود انداز میں زندگی جس طرح پیش کی جاتی ہے وہ دل بہلانے کا اچھا سامان فراہم کرتی ہے۔مقبول ناول نگار عوام کی ذہنی سطح تک اپنے آپ کو لے جاتا ہے، اس کے برخلاف سنجیدہ ناول نگار عام لوگوں کی ذہنی سطح کو بلند کر کے اپنی سطح تک لے آنا چاہتا ہے۔عام قارئین کے لیے ناول کے مطالعے میں ایسی سنجیدگی نا قابل قبول بلکہ نا قابل برداشت ہوتی ہے۔یہ بات میں اپنے ذاتی تجربے کی بناء پر وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔میرے ایک چچا تھے جو مقبول ناولوں کے مطالعے کے شوقین تھے۔ایک بار وہ عصمت چغتائی کا ناول ''ٹیڑھی لکیر'' خرید کر لے آئے لیکن ابتدائی چند صفحات پڑھنے کے بعد اس کا مزید مطالعہ ان کے لیے ممکن نہ ہو سکا۔اس زمانے میں میں ایم۔اے کر رہا تھا۔یہ ناول ہمارے کورس میں شامل تھا۔جب یہ ناول میں نے دیکھا تو ان سے مانگا، کہنے لگے ''تم شوق سے ہمیشہ کے لیے لے جاؤ۔اگر تم شروع سے آخر تک اسے پڑھ سکو تو میں تمہیں انعام بھی دوں گا''۔مجھے اندازہ ہوا کہ جب ہم مقبول ناولوں کو پڑھنے کے عادی ہو جاتے ہیں تو سنجیدہ ناولوں کا مطالعہ ہمارے لیے بار خاطر بن جاتا ہے۔

مقبول ناول نگاری کو ہم کاریگری سے تعبیر کر سکتے ہیں اور سنجیدہ ناول نگاری کو فن کاری کہا جا سکتا ہے۔کاریگری کی افادیت، اہمیت اور ضرورت کو ایک عظیم فن کار ہی سمجھ سکتا تھا اور واضح کر سکتا تھا۔فن کاری سے زیادہ کاریگری کیوں اور کس طرح اہم اور ضروری بن جاتی ہے اور کس لیے قابل ترجیح ہو سکتی ہے۔غالب نے اپنے ایک ہی شعر کے ذریعے ان تمام باتوں کو یوں واضح کر دیا ہے۔

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
جام جم سے یہ مرا جام سفال اچھا ہے

''انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا'' میں لکھا ہے کہ دنیا میں انگریزی کتابیں جو بکتی ہیں ان کتابوں میں پہلا درجہ شیکسپیئر کے ڈراموں کا، دوسرے درجے پر بائبل ہے اور تیسرے درجے پر گاتھا کرسٹی کے ناول ہیں۔کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی مصنف کی مقبولیت ادب میں اس کے مقام کو بلند ترین درجہ عطا نہیں کر سکتی۔

پروفیسر یوسف سرمست، سابق صدر شعبۂ اُردو عثمانیہ یونیورسٹی۔اُردو کے نامور نقاد، اُردو فکشن کی تنقید پر ''بیسویں صدی میں اُردو ناول'' جیسی تصنیف کے خالق۔

ابن صفی کی طنز و مزاح نگاری

راشد اشرف

اردو ادب میں مزاح نگاری کا باقاعدہ آغاز 'اودھ پنچ' سے ہوا تھا۔ اسی زمانے میں ریاض خیر آبادی نے 'فتنہ اور عطر فتنہ' کے نام سے پرچے شائع کیے۔ اس زمانے کے مزاح نگاروں میں تین ناموں کو اہم ترین قرار دیا جاتا ہے۔ سجاد حسین، سرشار اور سید محفوظ علی۔ اودھ پنچ کے اجراء کے لگ بھگ پچاس برس بعد چراغ حسن حسرت نے 'شیرازہ' کی اشاعت شروع کی۔ اس دور میں پطرس، چراغ حسن حسرت، فرحت اللہ بیگ، عظیم بیگ چغتائی، عبدالمجید سالک، امتیاز علی تاج اور شوکت تھانوی طنز و مزاح نگاری کے بانیوں میں سے تھے۔ خوجی، حاجی بغلول، چچا چھکن، مرزا جی اور قاضی جی جیسے سدا بہار کرداروں نے مقبولیت کی سند پائی۔

انسانی زندگی میں 'ہنسی' کہلائے جانے والے لطیف جذبے کے بارے میں ڈاکٹر وزیر آغا کہتے ہیں:

''احساس مزاح اور اور اس کا مظہر یعنی ہنسی، تبسم اور قہقہہ ہی دراصل ہمیں اس سنجیدہ کائنات میں زندہ رکھنے کے ذمہ دار ہیں اور انہی کے سہارے ہم زندگی سے سمجھوتہ کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔'' [1]

ڈاکٹر سلیم اختر طنز و مزاح کی تعریف میں لکھتے ہیں:

''ظرافت اگرچہ خوش رنگ لبادہ ہے تو طنز کڑوی گولی اور نیم کی نبولی ہے۔ طنز کے باعث تلخی سہی مگر طنز نگار تلخی کو خاص صورت میں بیان کرنے کے برعکس مزاح سے ذائقہ خوشگوار بنا کر قاری کے لیے اسے زود ہضم بنانے کی سعی کرتا ہے۔ ہر چند مزاح

اور طنز سماجی رویے ہیں مگر اس کے باوجود دونوں جداگانہ نوعیت اور انفرادیت کے حامل ہیں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک تحریر میں یہ دونوں رنگ آمیزی کر رہے ہوں ....مزاح کم کم بادو باراں کی مانند اور طنز کیکٹس کی صورت میں۔''

کہا جاتا ہے کہ مزاح لکھنے کے لیے انسان کو اول تا آخر مزاح نگار ہی ہونا چاہیے۔ یہ کلیہ ابن صفی کے معاملے میں سچ ثابت نہ ہوا۔ اگر زیر نظر مضمون کا عنوان وہ نہ ہوتا جو ہے بلکہ ابن صفی بحیثیت شاعر، جاسوسی ناول نگار یا نثر نگار کے عنوانات کے تحت مضامین احاطہ تحریر میں لائے جاتے، تب بھی لاکھوں کے محبوب مصنف، اس بے مثال ادیب کی تحریروں میں موجود حوالاجات کی مدد سے انہیں مکمل کرنا ذرا بھی مشکل نہ ہوتا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ابن صفی کی نثر میں ادبی چاشنی کے ساتھ ساتھ مزاح کا عنصر کچھ اس طرح گندھ کر رہ گیا ہے کہ پڑھنے والوں کو ان کے ناولوں میں بیک وقت ایک اعلی پائے کی عمدہ نثر کے ساتھ ساتھ بہترین مزاح بھی پڑھنے کو ملتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک بار جس نے ابن صفی کو پڑھ لیا، عمر بھر ان کا گرویدہ ہی رہا۔ واضح رہے کہ ۱۹۵۲ء میں جاسوسی ناول کے آغاز سے قبل ابن صفی، طغرل فرغان، سنکی سولجر اور عقرب بہارستانی کے قلمی ناموں سے نکہت الہ آباد و دیگر جرائد میں طنزیہ و مزاحیہ مضامین لکھا کرتے تھے۔ اس دور کے لکھے مضامین سن ستر اور اسی کی دہائیوں میں 'ڈپلومیٹ مرغ'، 'شیطان صاحب' اور 'قابل اعتراض تصویر' نامی کتابوں کی شکل میں شائع کیے گئے تھے۔ جاسوسی ناول نگاری کے آغاز کے بعد مذکورہ قلمی نام ماضی کی گرد میں کھو گئے۔ ابن صفی کے نام نے لازوال شہرت حاصل کر لی۔

طنز و مزاح کے باہمی فرق کی وضاحت کرتے ہوئے وزیر آغا لکھتے ہیں:

''طنز، زندگی اور ماحول سے برہمی کا نتیجہ ہے اور اس میں غالب عنصر نشتریت کا ہوتا ہے۔ طنز نگار جس چیز پر ہنستا ہے اس سے نفرت کرتا ہے اور اسے تبدیل کرنے کا خواہاں ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مزاح، زندگی اور ماحول سے انس اور مفاہمت کی پیداوار ہے۔ مزاح نگار جس چیز پر ہنستا ہے، اس سے محبت کرتا ہے اور اسے اپنے سینے سے چمٹا لینا چاہتا ہے۔ طنز نگار توڑتا ہے اور توڑنے کے دوران ایک فاتحانہ قہقہہ

لگا تا ہے چنانچہ طنز میں جذبہ افتخار کسی نہ کسی صورت میں ضرور موجود ہوتا ہے۔ دوسری طرف مزاح نگار اپنی ہنسی سے ٹوٹے ہوئے تار کو جوڑتا ہے اور پیار سے ناہمواریوں کو تھپکنے لگتا ہے۔ چنانچہ مزاح میں غالب عنصر ہمدردی کا ہوتا ہے۔'' [2]

سینکڑوں ناولوں کے مصنف سری ادب کے سرخیل اسرار احمد المعروف ابن صفی کی تمام تحریریں، ان کے تمام ناول، مذکورہ بالا تعریفوں پر ہر لحاظ سے پورے اترتے ہیں۔ یہ دعوی کرنا کیونکر ضروری سمجھا گیا ہے، اس کی چند مثالیں آگے بیان کی جائیں گی۔

اوسلو یونیورسٹی ناروے میں اردو کے استاد اور ابن صفی کے معتقد پروفیسر فین تھیسن کہتے ہیں:

''اگر ہم اُن کا موازنہ اگاتھا کرسٹی سے کریں تو ابن صفی کی کتابوں میں دو اہم پہلو ایسے ہیں جو اگاتھا کرسٹی میں نہیں ہیں۔ ایک تو طنز و مزاح، میں سمجھتا ہوں کہ ان کی کامیابی کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو ان کی زبان رواں ہے، دوسری بات یہ کہ انہوں نے ایسا کارنامہ انجام دیا جو شاید کسی اور نے انجام نہیں دیا، وہ یہ ہے کہ انہوں نے مزاح اور سسپنس کو یکجا کیا۔ ایسا ہوتا ہے کہ اگر لوگ مزاح لکھتے ہیں تو اس میں سسپنس نہیں ہوتا یعنی سسپنس اور مزاح کا ایک ساتھ ہونا میں نے کسی میں نہیں دیکھا۔ عموماً مزاح لکھتے وقت سسپنس ختم ہو جاتا ہے کیونکہ ہم یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ مذاق ہی مذاق ہے، جبکہ ابن صفی کے ہاں یہ دونوں ساتھ ہیں۔ یہ میں نے کسی اور میں نہیں دیکھا۔''[3]

مزاح لکھنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ اسٹیفن لیکاک مزاح کی تعریف کچھ اس طرح سے بیان کرتا ہے۔ ''یہ زندگی کی ناہمواریوں کے اس ہمدردانہ شعور کا نام ہے جس کا فنکارانہ اظہار ہو جائے۔''

ابن صفی کے لکھے تمام ناول اٹھا کر پڑھ لیجیے، نتیجہ خود ہی سامنے آجائے گا اور وہ یہ کہ ابن صفی نے اس فنکارانہ اظہار میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس نتیجے کے ساتھ ساتھ قاری کے حق میں ایک بہتری کا پہلو بھی نمایاں رہے گا۔ قاری اپنی اندر ایک جذبہ خوداعتمادی کو پروان چڑھتا

محسوس کرے گا۔ یہ بہتری اسی نوع کی ہوگی جسے ڈاکٹر اعجاز حسین (الہ آباد یونیورسٹی میں ابن صفی کے استاد بھی رہے ہیں) نے 1959ء میں نقوش کے لیے لکھے گئے اپنے مضمون ''ہنسنے کی ابتدا اور اہمیت'' میں کچھ اس طرح بیان کیا تھا:

''انجام یہ ضرور ہوا کہ ہنسنے ہنسانے میں آپ کا جذبہ خوداعتمادی برقرار رہا۔ آپ کے دل و دماغ کو مجہول و مرعوب ہونے سے اس نے بچائے رکھا۔ آپ کی انفرادیت کو ابھرنے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ خودداری کے ساتھ خطرناک راستوں سے بچتے ہوئے اپنے ارادوں اور حوصلوں کی بھیڑ میں آگے بڑھتے چلے گئے۔''

تخلیق کا عمل مکمل ذہنی یکسوئی کا متقاضی ہوتا ہے۔ اکثر حساس لوگ تو تنقید بھی برداشت نہیں کر پاتے۔ اگر کسی لکھنے والے کو مستقل تنقید کا نشانہ بنایا جائے یا اس کے ادبی مقام کو تسلیم نہ کیا جائے تو ان تکلیف دہ حالات میں تحریر کا معیار برقرار رکھنا تو کجا، آدمی لکھنے کے عمل ہی سے دستبردار ہونے پر غور کرنے لگتا ہے۔ ہمیں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ بقول شخصے، پاکستان میں ادب کے ناخداؤں نے ادب کی درجہ بندی کر رکھی ہے۔ یہی کچھ ابن صفی کی زندگی میں بھی ہوتا رہا۔ ادب کے علمبرداروں نے انہیں ان کا وہ مقام نہ دیا جس کے وہ مستحق تھے۔ ان تکلیف دہ حالات میں اپنے کام کے معیار کو برقرار رکھنا بھی محض ابن صفی ہی کا خاصہ تھا۔ وہ اپنی سگی بھانجی نکہت ریحانہ سے کہا کرتے تھے[4] کہ قہقہہ وہی ہے جو آنسوؤں کا سمندر چیر کر نکلے۔ اس قول پر وہ خود بھی ساری عمر عمل پیرا رہے۔ ان کے ذہن و قلب تنقید بیجا کے پتھروں سے متاثر نہیں ہوئے بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں ایک نکھار آتا چلا گیا۔ بقول شخصے اگر اس ذہنیت کے انسانوں کو کوئی جنگی یا حربی ماحول یا کوئی ملکی مدافعت کی خدمت سونپی جائے تو وہ یقیناً کسی خوفناک جنگی میدان میں بڑے اطمینان سے فوجوں کی کمان کریں مگر 'غنیم' کو کبھی دھیان میں نہ لائیں۔ لیکن ابن صفی کا ماحول چونکہ محض فکری تھا لہٰذا انہوں نے جاسوسی ناول نگاری کی راہ کا انتخاب کیا۔ ادب کے ٹھیکیداروں نے ان کے تخلیق کردہ ادب کو اردو ادب کا حصہ نہیں مانا۔ یہ الگ بات ہے کہ حوصلے، استقلال اور خوش فکری کی قوتوں کو پامال کر دینے والی باتوں کی موجودگی میں ابن صفی کا اپنی تخلیقات میں خوش مزاجی، اور طنز و مزاح کا

بے مثال عنصر برقرار رکھنا بجائے خود ان کی ذہنی برتری اور مافوق الفطرت فضیلت کا ایک اہم ثبوت ہے۔ جاسوسی ناول نگاری کے بنیادی اصولوں کی پاسداری کرتے 245 ناولوں کی ایک ایک سطر کا لطافت و شگفتگی سے مالا مال رہنا ابن صفی کا دلنواز و دل فریب کارنامہ ہے جس نے انہیں ممتاز طنز و مزاح نگاروں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ اس کی صحیح قدر و منزلت وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ذوق سلیم کے ساتھ ساتھ کشادہ دلی کی دولت سے بھی مالا مال ہیں۔ یہاں ان نقادوں کی بات نہیں ہے جو علم و انشاء کے زندگی بخش رموز و نکات سے بے بہرہ اور کورے ہیں اور منجانب ابن صفی ہمیشہ ہی سے اپنے دلوں میں عناد رکھتے ہیں۔ ہندوستانی مدرس و ادیب ڈاکٹر خالد جاوید اپنے مضمون 'ابن صفی۔ چند معروضات' میں کیا عمدہ بات لکھتے ہیں:

''جہاں تک طنز و مزاح کا سوال ہے تو اس امر پر بھی کبھی غور نہیں کیا گیا کہ شفیق الرحمٰن کے بعد ابن صفی اردو کے وہ واحد مزاح نگار ہیں جن کے یہاں مزاح کی نوعیت پنچایتی نہ ہو کر انفرادی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حمید اور عمران کے کردار شفیق الرحمٰن کے 'شیطان' کی طرح اردو ادب میں زندہ جاوید بن گئے ہیں۔ ابن صفی کی شخصیت علمی اور ادبی ذوق میں پوری طرح رچی بسی تھی۔ ان کے جاسوسی ناولوں میں ادب، شاعری، موسیقی، مصوری اور یہاں تک کہ فلسفہ و نفسیات کے بارے میں بھی لطیف اشارے ملتے ہیں۔ ایک دوسرا کرشمہ جو ابن صفی کے ناولوں میں رونما ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ ان کے یہاں مزاح، بذلہ سنجی اور Wit کے عناصر تقریباً ہر ناول میں پائے جائے ہیں مگر حمید [کیپٹن حمید)] کا مزاح عمران [علی عمران] کے مزاح سے قطعی مختلف ہے اور ایک دوسری سمت کی نمائندگی کرتا ہے۔ پچیس سال تک متواتر لکھتے رہنے کے باوجود اس سلسلے میں کوئی جھول نہیں پیدا ہو سکا۔''

برصغیر پاک و ہند میں ابن صفی کے اس عمل کی خوب ستائش کی گئی۔۔ اس لیے کہ ان کی تحریروں میں اظہار کی بے باکی اور جدت طرازی کے ساتھ ساتھ ایک حیات آفریں طنز اور مزاح کا عنصر بھی پایا جاتا تھا۔ اپنی تحریر میں انہی اوصاف کے ہمراہ وہ جاسوسی ناول نگاری کے میدان میں

اترے تھے......سادہ انداز میں کہی ہوئی طنزیہ و مزاحیہ بات سیدھی دل میں اتر جاتی تھی۔ وہ اپنے ایک مضمون خود کہتے ہیں کہ ''میں بہت زیادہ اونچی باتوں اور ایک ہزار کے ایڈیشن تک محدود رہ جانے کا قائل نہیں۔ میرے احباب کا اعلی و ارفع ادب کتنے ہاتھوں میں پہنچتا ہے اور انفرادی یا اجتماعی زندگی میں کس قسم کا انقلاب لاتا ہے؟''

اشفاق احمد ورک طنز و مزاح کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ایک عام آدمی معاشرتی ناہمواریوں کو دیکھ کر یا تو ان کا عادی ہو جاتا ہے یا پھر جھنجھلاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے لیکن ایک فنکار کا طریقہ کار اس سے تھوڑا مختلف ہوتا ہے۔ وہ معاشرے میں موجود چھوٹی چھوٹی برائیوں کو خوردبین کے ذریعے دیکھتا ہے اور انہیں انلارج کر کے قارئین کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ پھر اس زیادہ نمایاں یا بگڑی ہوئی شکل کو دیکھ کر مضحکہ خیزی بھی پیدا ہو جاتی ہے اور سوچ کی نئی راہیں بھی متعین ہوتی ہیں۔ ان میں پہلی صورت مزاح نگاری سے پیدا ہوتی ہے جبکہ دوسری صورت طنز کے نتیجے میں وجود میں آتی ہے۔ طنز و مزاح کوئی باقاعدہ صنف ادب نہیں ہے بلکہ ایک رجحان اور رویے کا نام ہے جس کا تعلق انسان کی فطرت، شعور و لاشعور، خواہشات اور انسان کے ردعمل سے ہے۔ طنز و ظرافت کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایک کا مقصد تفنن طبع ہے تو دوسری کا افراط و تفریط کی اصلاح کرنا۔ طنز کو خوشگوار بنانے کے لیے اس میں مزاح کی چاشنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ادبی لب و لہجہ اس میں مزید نکھار پیدا کر دیتا ہے۔'' [5]

ابن صفی نے اپنے متفرق مضامین کے مجموعے ڈپلومیٹ مرغ کے پیشرس میں لکھا تھا:

''طنز و مزاح میرا فن نہیں بلکہ کمزوری ہے۔ کمزوری اس لیے کہ میں صاحب اقتدار نہیں ہوں۔ صاحب اقتدار و اختیار ہوتا تو میرے ہاتھ میں قلم کے بجائے ڈنڈا نظر آتا اور میں طنز کرنے یا مذاق اڑانے کے بجائے ہڈیاں توڑتا دکھائی دیتا۔ الحمدللہ کہ میری یہ کمزوری قوم کی عافیت بن گئی اور قوم بلا سے واہ واہ نہ کرے، اسے ہائے ہائے تو نہیں کرنی پڑے گی۔''

ابنِ صفی کے جاسوسی ناولوں کے بغور مطالعے سے طنز و مزاح کی مذکورہ بالا تعریف جا بجا سچ ہوتی نظر آتی ہے۔ بحیثیت جاسوسی ناول نگار، ان کی تحریریں اوپر بیان کی گئی تعریف پر پوری اترتی ہیں۔ ابنِ صفی کی تحریریں اشفاق احمد ورک کے اس بیان کی مکمل تفسیر ہیں کہ ''ادبی لب و لہجہ طنز و ظرافت میں مزید نکھار پیدا کرتا ہے''۔

شاعر و ادیب شاہد منصور ابنِ صفی پر بحیثیت ایک طنز نگار تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سراغ نگار نے طنز نگار کو نگل لیا۔ مگر وہ اسے فنا نہیں کر سکا۔ اب بھی طنز نگار، سراغ کے دل میں نشتر کی طرح کھٹکتا رہتا ہے۔ کاش کوئی ابنِ صفی کے ناولوں سے طنز کے یہ اچھوتے ٹکڑے جمع کر سکے تو ہو سکتا ہے کہ طنز میں ایک نئے دور کا آغاز ہو جائے۔''

(الف لیلہ ڈائجسٹ، کراچی۔ جولائی 1972ء)

مذکورہ اوصاف سے بھرپور، ابنِ صفی کے ناولوں سے چند ایسے ہی اقتباسات ملاحظہ ہوں:

ماہنامہ ''کمر لچکدار''، جس کی دھوم سارے مُلک میں تھی!...... وہ ادب اور ثقافت کا علم بردار تھا۔ ادب کا علم بردار یوں تھا کہ اس میں فلم ایکٹرسوں کی کمزوریاں اچھالی جاتی تھیں اور ثقافت کا علم بردار اس لیے کہا جا سکتا تھا کہ سرِ ورق پر کسی لنگوٹی بند امریکن چھوکری کی تصویر ہوتی تھی۔ (لڑکیوں کا جزیرہ۔ عمران سیریز نمبر 10)

☆

''اگر وہ مفلس آدمی ہوتے تو بھی میں اُن سے اسی طرح محبت کرتی کیونکہ ان کی روح تو مفلسی میں بھی اتنی ہی عظیم ہوتی''۔

''یہ عظیم روح کیا چیز ہے؟...... میں نے عظیم الدین سنا ہے...... عظیم اللہ سنا ہے ....مرزا عظیم بیگ چغتائی مرحوم سنا ہے لیکن یہ عظیم روح......'' (آہنی دروازہ۔ عمران سیریز 14)

☆

جب دو عورتیں بیک وقت تمہیں دلچسپ سمجھنے لگیں تو تم کسی بوڑھی عورت کو تلاش کرو جو اُن کے پیار کی تصدیق کر سکے۔ (الفانسے۔ عمران سیریز نمبر 17)

☆

عورتیں عموماً ہنسنے ہنسانے پر جان دیتی ہیں اور احمقوں سے تو انھیں بڑی دلچسپی ہوتی ہے، بشرطیکہ وہ اُن کے شوہر نہ ہوں۔ (حماقت کا جال۔ عمران سیریز نمبر 20)

☆

شہنشاہیت میں تو صرف ایک نالائق سے دوچار ہونا پڑتا ہے لیکن جمہوریت میں نالائقوں کی پوری ٹیم وبالِ جان بن جاتی ہے۔ (بھیانک جزیرہ۔ جاسوسی دنیا نمبر 17)

''صبح ناشتے میں نفسیات، دوپہر کے کھانے میں نفسیات، رات کے کھانے میں نفسیات، اونگھتے میں نفسیات، چھینکنے میں نفسیات''۔

''اوہو تو کیا تمہارے ملک میں اس مضمون سے بہت زیادہ دلچسپی لی جا رہی ہے''۔

''افسانوں سے لے کر گورکنی کے پیشے تک میں گھُسی ہوئی ہے! گورکن قبر کھودتے کھودتے سوچ میں گم ہو جاتا ہے کہ آخر عورتوں نے اس پیشے کو کیوں نہیں اپنایا___ سمجھ میں نہیں آتا تو قبر ادھوری چھوڑ کر یونیورسٹی کی راہ لیتا ہے۔

''یونیورسٹی!''

''ہاں! یونیورسٹی۔ اور وہاں سے فرائڈ فرائڈ کا نعرہ لگاتا ہوا واپس آتا ہے اور پہلے سے بھی زیادہ تندہی سے گورکنی میں مصروف ہو جاتا ہے''۔ (خونی ریشے۔ جاسوسی دنیا نمبر 106)

☆

ابنِ صفی اپنے جاسوسی ناولوں میں دورِ حاضر کے ادبی و سماجی مسائل کو بھی موضوعِ تحریر بنایا کرتے تھے۔ اردو زبان و ادب کی مختلف اصناف میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کو موضوع بناتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں چوٹ کرنا ان کی تحریر کا وصف تھا۔ باتوں باتوں میں اپنے کرداروں کے ذریعے وہ ایسے جملے لکھ جاتے تھے کہ ان کا قاری فوری طور اس میں چھپا لطیف طنز سمجھ جاتا تھا۔ ابنِ صفی بنیادی طور پر فنونِ لطیفہ سے مکمل آگاہی رکھنے والے شخص تھے۔ بحیثیت ایک جاسوسی ناول نگار، ان کی تحریروں میں ایک بات واضح طور پر سامنے آتی تھی اور وہ تھی ان کی شعر و ادب کے بدلتے ہوئے رجحانات سے مکمل آگاہی۔ رہینِ ستم ہائے روزگار رہے لیکن ادبی

دنیا کے خیال سے ناواقف نہیں تھے۔زیادہ تر فقرے وہ اپنے لازوال کردار علی عمران کی زبان سے کہلوایا کرتے تھے۔ایسی چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

''ہمارے ہاں تو کتابوں کو ترازو میں تول کر سال کی بہترین کتابیں منتخب کی جاتی ہیں اوران پر انعامات دیئے جاتے ہیں۔عموماً سب سے زیادہ ضخیم کتاب کا مصنف انعام پا تا ہے۔اگر کوئی اللہ کا بندہ اعتراض کر بیٹھے تو کہہ دیا جاتا ہے۔اماں اتنی موٹی کتاب لکھ دی ہے، بے چارے نے ،کہیں نہ کہیں تو کوئی قابلِ انعام بات قلم سے نکل ہی گئی ہوگی۔(بلی چیختی ہے۔عمران سیریز نمبر 43)

☆

یار پتہ نہیں کیوں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تم سب کسی ایک ہی استاد سے غزل کہلوالاتے ہو......مشاعروں میں سنتا ہوں......رسالوں میں پڑھتا ہوں......سبھوں کا ایک ہی رنگ نظر آتا ہے۔خدا بھلا کرے فیضؔ صاحب کا کہ انھوں نے اپنے بعد پھر کوئی اور اوریجنل شاعر پیدا ہی نہ ہونے دیا......صرف دو تین اس بھیڑ سے الگ معلوم ہوتے ہیں۔جیسے جمیل الدین عالی......اور جعفر طاہر وغیرہ......آگے رہے نام اللہ کا......!

''اچھا شا......!عر صاحب نے جھلا کر کہا''سردار جعفری کے متعلق کیا خیال ہے''۔

''پتھر توڑتے ہیں......''

''واہ......واہ......سبحان اللہ......جواب نہیں ہے اس تنقید کا۔

(ڈیڑھ متوالے۔عمران سیریز نمبر 42)

☆

''میلارمے[6] ہی کو تو پڑھ پڑھ کر اس حال کو پہنچا ہوں......!اردو میں میرا جی سے ملاقات ہوئی تھی''۔

''میرا جی تو آج تک میری سمجھ میں نہیں آیا''۔

''عورتوں کی سمجھ میں نہ آئے تو بہتر ہے......ورنہ پھُکنیاں اور دست پناہ سنبھال کر دوڑ پڑیں گی اس کی قبر کی طرف''۔ (گیت اور خون۔عمران سیریز نمبر 47)

☆

ایک شاعر سے واقف ہوں جو میرؔ کے رنگ میں شاعری کرتے ہیں اور جعفر زٹلی کی شاعری سے متاثر ہو کر نثر لکھتے ہیں ـــــ یہ تو ہوا آرٹ......اور غالباً آرٹسٹک سنس اس کو کہیں گے کہ خواتین کے رسائل میں ہمیشہ اپنی نوجوانی کی تصویر چھپواتے ہیں۔

(دوسری آنکھ۔عمران سیریز نمبر 48)

☆

اپنے وجود کے ثبوت کے لئے میں ڈیکارٹس کے خیال سے متفق ہوں۔یعنی میرا ادراک میرے وجود کا ثبوت ہے......اور میرا وجود کسی کی حماقت کا نتیجہ ـــــ !لہٰذا حماقت ہی بنیادی حقیقت ٹھہری......دنیا کے سارے فتنوں کی جڑ تو عقل ہے۔اس لیے عقل کو اٹھا کر طاق پر رکھ دینا چاہیے۔جیسے میں نے رکھ دی ہے۔ (آنکھ شعلہ بنی۔عمران سیریز نمبر 49)

☆

فرسودہ نظام تعلیم پر درج ذیل تبصرے ملاحظہ ہوں......اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ مذکورہ سطور ایک ایسے ناول سے اخذ کی گئی ہیں جو 1963ء میں کراچی سے شائع ہونے والے ایک اخبار میں قسط وار لکھا گیا تھا۔یہ دو چار برس کی بات نہیں ہے بلکہ نصف صدی سے بھی اوپر کا قصہ ہے۔دلچسپ بات یہ ہے کہ نظام تعلیم آج بھی ابن صفی کے بیان کردہ صورت حال اور اس میں پنہاں بلا کے طنز کی غمازی کرتا نظر آتا ہے۔

اول:

''ہمارے ملک میں گھسیاروں کو پکڑ کر ماہر تعلیم بنادیا جاتا ہے۔اور وہ کم عمر گدھوں پر مُختلف قسم کے مضامین کی گٹھڑیاں لادتے چلے جاتے ہیں۔......ابھی حال میں میں دوسری جماعت کے ایک بچے سے اُس کے نصاب کے متعلق پُوچھ بیٹھا تھا......اُس نے بتایا کہ وہ اُردو، انگریزی، سوشل اسٹڈی-ارتھمیٹک-نیچر اسٹڈی- اسلامیات-آرٹ اینڈ کرافٹ اور ہائی جین وغیرہ وغیرہ پڑھتا ہے......ذرا سوچو تو کیا حشر ہوگا اس کا۔کیا وہ بچپن ہی سے ذہنی بدہضمی میں نہیں مبتلا ہو جائے

گا......کیا اکتاہٹ اور مایوسی اس کی زندگی کے اجزاء لازم نہیں ہو جائیں گے۔ کیا اس کی تخلیقی صلاحیتیں کند نہ ہو جائیں گی۔اور پھر کیا مستقبل اسے صرف ایک کلرک بنا کر نہ رکھ دے گا''۔

دوم:

قوم کی تعلیم پر زرِ کثیر صرف کیا جا رہا ہے۔ہم چاہتے ہیں کہ ملک میں ایک بھی ان پڑھ نظر نہ آئے۔سب کے سب منشی فاضل ہو جائیں۔اس لیے ماہرین تعلیم کی خدمات حاصل کی ہیں جو قوم کے لئے بہت اچھی گالف کھیلتے ہیں اور اپنے بچوں کو حصولِ تعلیم کے لئے سمندر پار بھیج دیتے ہیں۔

(ڈاکٹر دعا گو۔خصوصی ناول۔عمران سیریز)

☆

اپنے زمانے کے ادبی رویوں کی نشان دہی کرتا یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے جو ۱۸ مارچ ۱۹۷۱ کو لکھے گئے ایک ناول سے لیا گیا ہے:

''میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ یہ احمقانہ کھیل کب تک جاری رہے گا''۔...... ''کون سا کھیل؟''...... ''یہی شاعرانہ کھیل جس نے لڑکی کی یہ درگت بنائی ہے!''...... ''کچھ آپ ہی کیجیے اس سلسلے میں''۔...... ''سارے شاعر میری جان کو آ جائیں گے۔ابھی حال ہی میں ایک بڑے میاں[7] نے اپنے ڈیڑھ درجن عشق تحریر فرمائے ہیں اور ان پر بچوں کی طرح قلقاریاں مارتے رہتے ہیں''۔ (پہاڑوں کے پیچھے۔عمران سیریز60)

☆

محبوبہ ہر حال میں محبوبہ ہوتی ہے۔خواہ وہ کسی کی بیوی ہو یا نہ ہو۔اور محبوبائیں عموماً بدمعاش ہی رکھتے ہیں۔شریفوں میں تو بیوی رکھنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی۔

(جاپان کا فتنہ۔جاسوسی دنیا70)

☆

''کیا آپ نے بچوں کے لیے یہ کہانیاں لکھی ہیں؟''

''نہیں جناب! یہ وہ کتاب ہے جو دنیائے ادب میں تہلکہ مچا دے گی۔''

''چڑیا چڑے کی کہانیاں؟''نواب مشکور نے حیرت سے پوچھا

''آہا......آپ نہیں سمجھے۔یہ تمثیلی کہانیاں ہیں جناب۔چڑیا سے مراد سے اپنا ملک اور چڑے کو وزیر اعظم سمجھ لیجیے۔جس طرح چڑا، چڑیا کے لیے بیتاب ہوتا ہے، اسی طرح وزیر اعظم ملک کی حالت سدھارنے کے لیے بے چین ہے اور انڈے بچے ہم لوگ ہیں۔جی ہاں''

''کیا بکواس ہے۔''

''ارے واہ!''عمران ہاتھ نچا کر بولا۔'' بکواس اس لیے ہے کہ نثر میں ہے۔اگر میں نے اسی خیال کو نظم کر دیا ہوتا تو مشاعرے الٹ جاتے۔''

(پاگل کتے۔عمران سیریز24)

☆

لوگ عموماً یہ سمجھتے ہیں جیسے بگڑا شاعر مرثیہ گوئی اختیار کرتا ہے اسی طرح نا اہل مُصوّر کارٹونسٹ بن جاتے ہیں۔حالانکہ یہ غلط ہے۔اچھے کارٹونسٹ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کا مصوّر بھی ہو۔ورنہ وہ اچھا کارٹونسٹ ہو ہی نہیں سکتا! بالکل اسی طرح جیسے گھٹیا قسم کے انشا پرداز مزاح نگار نہیں ہو سکتے۔ (سینکڑوں ہم شکل۔جاسوسی دنیا80)

☆

ایک جگہ مغربی تہذیب کی اندھی تقلید میں مبتلا طبقے پر چوٹ کرتا ہوا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''آپ کی صورت سے تو معلوم نہیں ہوتا کہ آپ کو کتوں سے دلچسپی ہو گی؟''نواب ساجد بولا۔

''اس میں شبہ نہیں کہ میری صورت آدمیوں ہی جیسی ہے لیکن میں کتوں کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔''

''کیا جانتے ہیں آپ''

''یہی کہ بعض اوقات کتے بلا وجہ بھی بھونکنے لگ جاتے ہیں۔میں دراصل کتوں کی گم شدہ نسلوں کے متعلق ریسرچ کر رہا ہوں''۔عمران بولا

''گم شدہ نسلیں''؟

''جی ہاں''

’’آپ اپنے یہاں کے کتوں کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟‘‘
’’دیسی کتے۔آج بھی ان پر ولایتی کتے مسلط ہیں۔یہ بڑے شرم کی بات ہے۔آپ ولایتی کتوں کو سینے سے لگاتے ہیں اور دیسی کتے قعرِ مذلت میں پڑے ہوئے ہیں۔‘‘

(پراسرار چیخیں۔عمران سیریز نمبر3)

☆

ایک دوسری جگہ ابن صفی وطن عزیز میں خلیجی ریاستوں کے اثر رسوخ پر اپنے مخصوص پیرائے میں طنز کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

’’ابوتخلہ کے شیخ میرے دوست ہیں۔میرے احسانمند ہیں۔میرا کہا ضرور مانیں گے۔‘‘ عمران سر کھجاتا ہوا بولا۔’’شیخ صاحب ہر سال میرے ملک میں خرگوشوں کا شکار کھیلنے آتے ہیں۔پچھلے سال میں نے ان کے لیے ایک کتے کا رول کیا تھا۔شیخ صاحب کے پاس بہترین نسلوں کے لاتعداد کتے ہیں جو ان کے لیے شکار کرتے ہیں۔ایک دن کسی جرمن سیاح نے اپنے کتوں کے بارے میں شیخ صاحب کے حضور شیخی بگھاری اور دوران گفتگو کہیں شیخ صاحب کی زبان سے یہ نکل گیا کہ ان کے پاس سبز رنگ کا کتا ہے۔بات پھسل چکی تھی زبان سے لہٰذا اب اس کی واپسی ناممکن تھی۔جرمن کتے کو دیکھنے پر مصر ہوا۔شیخ صاحب پریشان ہو گئے۔میں قریب ہی موجود تھا اس لیے میں نے ان کی مشکل آسان کر دی۔ میں نے کہا یا سیدی! آپ اسے سبز رنگ کا کتا دکھانے کا وعدہ کر لیجیے۔میں مہیا کر دوں گا اور میں نے مہیا کر دیا۔‘‘

’’تم جھوٹے ہو۔تم جھوٹے ہو۔‘‘......آوازیں آئیں۔

’’میں خود ہی بن گیا تھا......کتے کا میک اپ۔آپ لوگوں نے جاسوسی ناول تو پڑھے ہی ہوں گے۔ایک ہفتے تک شیخ صاحب کے پیچھے گھومتا پھرا تھا۔جرمن نے کہا کہ کتا مصنوعی ہے۔میں اس کا کیمیائی امتحان کراؤں گا۔یہ سنتے ہی میں بھونکنے لگا اور لپک کر اس کی ٹانگ پکڑ لی۔پھر وہ شیخ صاحب کا پیچھا چھوڑ کر بھاگا ہے تو آج تک اس کا سراغ نہیں مل سکا۔‘‘ (بحری یتیم خانہ۔عمران سیریز۔ناول نمبر57)

☆

ابن صفی سماجی ابتری کے پہلوؤں کو بھی وقتاً فوقتاً اپنی تحریروں میں نمایاں کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ملاحظہ ہو کہ ایک نسوانی کردار کی زبانی کس عمدگی سے زر پرستی کے شکار معاشرے اور اس کے نتیجے میں رونما ہونے والی سماجی شکست و ریخت کو طنز کے جامے میں پیش کیا ہے:

’’اور یہ بھی سنو! میں گریجویٹ ہوں۔میرے باپ نے بڑے چاؤ سے مجھے پڑھایا تھا۔بھائیوں کو بھی پڑھانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ پڑھ نہ سکے۔آج کل تعلیم نسواں کا ہر طبقے میں بڑا زور و شور ہے۔بہنیں گریجویٹ ہو جاتی ہیں۔نہ اپنے طبقے میں کھپ سکتی ہیں اور نہ اپنے سے اونچے طبقے میں۔اپنے طبقے سے متنفر ہوتی ہیں، اونچے طبقے میں تانگے والوں کی اولاد سمجھی جاتی ہیں۔وہ اس طبقے کی دل بستگی کا سامان تو بن سکتی ہیں لیکن کوئی انہیں مستقل طور پر اپنانے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔پھر تم بتاؤ، ایسی صورت میں کیا ہوگا؟ کیا اس طرح ہمارا معاشرہ متوازن رہ سکے گا؟‘‘۔

(زہریلی تصویر۔عمران سیریز۔خصوصی ناول)

☆

ایک جگہ فن تجرید پر چوٹ کرتے ابن صفی کے یہ فقرے ملاحظہ ہوں:

’’پچھلے دنوں ایک غیر ملکی سفارت خانے نے تصویروں کی نمائش کا اہتمام کیا تھا۔تمہارا یہ نوکر [عمران کا باورچی سلیمان] وہاں بڑے ٹھسے سے پہنچا تھا اور تصاویر پر تنقید کرتا پھرتا تھا۔‘‘

’’اچھا! لیکن اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ پکاسو کا بہت بڑا مداح ہے۔تجریدی آرٹ پر جان دیتا ہے اور جیسی تصاویر دیکھ کر آتا ہے ویسی ہی چپاتیاں پکانے کی کوشش کرتا ہے۔ایک دن ساڑھے تین فٹ لمبی چپاتی پکائی تھی۔میں نے پوچھا ’یہ کیا‘ تو کہنے لگا ’صدائے صحرا ہے اور ’ابدیت‘ ابھی توے پر ہے۔‘‘

(تصویر کی اڑان۔عمران سیریز نمبر53)

☆

امن وامان کا مسئلہ یوں تو اس خطے میں ہمیشہ ہی سے ایک دردسر کی صورت رہا ہے لیکن گزشتہ دو دہائیوں سے اس نے ایک عفریت کی صورت اختیار کر لی ہے۔ روز روز ہونے والے قتل وغارت گری کے واقعات نے عوام الناس پر ایک ازلی بے حسی کی سی کیفیت طاری کر دی ہے۔ ابن صفی نے مندرجہ ذیل سطور نصف صدی سے بھی قبل تحریر کی تھیں لیکن یوں معلوم ہوتا ہے جیسے یہ آج ہی کی بات ہے۔ تحریر میں طنز بھی موجود ہے اور بے حسی کی جانب اشارہ بھی:

"یہ غریب آدمیوں کی بستی تو تھی نہیں کہ لوگ گھنٹوں سڑک کے کنارے پر کھڑے ہو کر اس واقعہ کے متعلق چہ مگوئیاں کرتے۔ یہاں اس طبقے کی آبادی تو تھی نہیں جس کے افراد کسی آوارہ کتے کی اچانک موت پر بھی افسوس کے لیے اکھٹے ہو جاتے ہیں۔ یہاں سے تھوڑی دیر قبل پولیس ایک لاش لے گئی تھی لیکن اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی بات ہی نہیں ہوئی ہو۔ بس تھوڑی دیر کے لیے مکانوں کی کھڑکیاں کھلی تھیں، کچھ لوگ سڑک پر نکل آئے تھے اور پھر کچھ بھی نہیں۔ گویا پرندوں کے جھنڈ پر کسی شکاری نے گولی چلائی۔ ایک گرا، دوسرے اڑ گئے۔ اس کے بعد نیچے وہی زمین، اوپر وہی بے کراں نیلا آسمان اور دونوں کے درمیان ازلی سناٹا۔"

(رات کا شہزادہ۔ عمران سیریز نمبر 8)

☆

ابن صفی کا ایک زندہ دل کردار ساجد حمید بھی ہے جس کی زبانی ابن صفی بسا اوقات ادب کی مختلف اصناف میں وقوع پذیر ہوتی تبدیلیوں کی جانب نشان دہی کیا کرتے تھے۔ مندرجہ ذیل دلچسپ ٹکڑا جاسوسی دنیا کے ناول "مہلک شناسائی"[8] سے لیا گیا ہے:

حمید پائپ سلگا رہا تھا کہ وہی کرنل کمرے میں داخل ہوئے۔ حمید نے عہدے کے لحاظ سے احتراماً اپنا پائپ چھپانا چاہا۔

"اوہ۔ نو نو ڈئیر...... کیری آن اسموکنگ۔ میرا نام اے ایچ عشقی ہے"...... اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔

"میں ساجد حمید ہوں جناب"

"آئی نو۔ آئی نو۔ تعریف سن چکا ہوں تمہاری۔ بہت زندہ دل آدمی ہو، ادبی ذوق بھی رکھتے ہو"۔ حمید کی جان نکل گئی آخری جملے پر...... نام ہی سے شاعر معلوم ہوئے تھے یہ حضرت۔ اب کیا ہوگا۔

"چلو کینٹین میں بیٹھیں"

"چلئے"۔ حمید اٹھتے ہوئے بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کینٹین میں پہنچ کر کہیں بیاض نہ نکل آئے...... کینٹین زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ چھوٹے سے ہال میں چند آدمی میزوں پر نظر آئے۔

ہلکی آواز سے ریکارڈ بج رہا تھا:

گرمئی حسرت ناکام سے جل جاتے ہیں
ہم چراغوں کی طرح شام سے جل جاتے ہیں [9]

دفعتاً کرنل صاحب نے قہقہہ لگایا اور حمید حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔

"ذرا ملاحظہ ہو" کرنل صاحب نے کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔ "اگر ہم فوجی اس قسم کی اوٹ پٹانگ باتیں کریں تو کسی حد تک درست ہو سکتا ہے لیکن یہ خالص قسم کے شاعر...... ارے میاں! حسرت میں گرمی کہاں ہوتی ہے؟ حسرت تو بے چارگی کی پیداوار ہے اور وہ بھی حسرت ناکام یعنی یخ کا تودہ...... اور شاعر صاحب ہیں کہ چراغ بن گئے۔ ہوئی نا میر صاحب سے آگے چھلانگ لگانے کی حسرت ناکام............ ہونہہ...... لاحول ولا......"

"جی ہاں! واقعی۔" حمید نے بات ٹالنے کے لیے بے دلی سے ہنس کر کہا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں یہ اپنا کوئی شعر نہ ٹھونک ماریں۔

کرنل صاحب نے اشارے سے ویٹر کو بلا کر کافی کا آڈر دیا اور حمید سے بولے:

"شاعری جزویست از پیغمبری۔ اس کے لیے پیغمبرانہ شعور وادراک کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں یار لوگ یہی نہیں جانتے کہ حسرت میں ٹھنڈک ہوتی ہے یا گرمی اور میاں میں تو علامتی شاعری کا قائل ہوں۔"

’’اوہ.....اچھا۔‘‘ حمید خالی الذہنی کے عالم میں بولا..........’’ ذرا ایک شعر سنو‘‘.........حمید نے ٹھنڈی سانس لی..........انہوں نے شعر رسید کردیا:

ان کا شیوہ نہیں چٹاخ چھنن
چھیڑ بیٹھے تھے ہم پٹاخ چھنن

حمید نے سنی ان سنی کر کے ستائشی انداز میں سر کو جنبش دی.....’’کیا سمجھے‘‘..........

’’بہت خوب۔سبحان اللہ‘‘۔حمید بولا

’’ میں پوچھ رہا ہوں کیا سمجھے‘‘۔کرنل صاحب نے کڑے تیوروں کے ساتھ کہا..........’دراصل‘‘۔حمید نے کچھ کہنا چاہا۔

’’تم قطعی نہیں سمجھے‘‘ کرنل صاحب کا موڈ خراب ہوگیا’’سمجھ ہی نہیں سکتے۔یہاں تو بس وہی پرانی لکیریں پیٹی جارہی ہیں۔کوئی مثال پیش کرو پرانی لکیر پیٹنے کی‘‘

’’وہ.....کیا کہتے ہیں۔۔لکیر کا فقیر‘‘

’’جی نہیں‘‘۔۔کرنل خشک لہجے میں بولے۔’’لکیر کا فقیر محاورہ ہے۔‘‘

’’محاورہ بھی تو پرانی لکیر ہے‘‘

’’لیکن وہ مجبوری ہے۔محاورے بہر حال رائج رہیں گے‘‘

’’میں مجبوری کا قائل نہیں۔‘‘حمید بھی برا سامنہ بنا کر بولا۔۔’’مجھے جہنم میں جھونکیے، میں آپ کے شعر کا مطلب سمجھنا چاہتا ہوں‘‘۔۔حمید بولا

’’غالب کا وہ شعر سنا ہے کبھی‘‘:

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

’’واہیات شعر ہے‘‘حمید برا سامنہ بنا کر بولا

’’ہے نا واہیات۔‘‘ کرنل صاحب چہکے۔اس کے مقابلے میں میرا شعر ہے:

ان کا شیوہ نہیں چٹاخ چھنن
چھیڑ بیٹھے تھے ہم پٹاخ چھنن

حمید نے ناک بھوں پر زور دے کر یہ شعر دوبارہ سنا، اور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کرنل صاحب بولے:

’’دھول دھپے میں وہ بات کہاں جو چٹاخ چھنن میں ہے..........یہ ہے علامتی شاعری۔۔چٹاخ تھپڑ کی آواز اور چھنن چوڑیوں کی جھنکار۔‘‘

’’ایہام الصوت کہتے ہیں اسے، یہ علامتی شاعری کہاں سے ہوئی۔‘‘حمید نے جی کڑا کر کے کہا

’’فضول باتیں نہ کرو، تم کچھ نہیں جانتے‘‘

اتنے میں کافی آ گئی اور حمید نے کہا:

’’قطعی شاعری کرنے والوں میں پیش دستی کی جرات ہی نہیں ہوتی، اس لیے وہ شاعری بھی علامتی کرتے ہیں۔غالب کا پیشہ سپاہ گری تھا، وہ میری طرح آنریری کیپٹن نہیں تھے‘‘

’’تم مجھ پر چوٹ کر رہے ہو کیپٹن حمید‘‘

’’جی نہیں، میں خود بھی علامتی شاعری کرتا ہوں‘‘

’’اچھا تو سناؤ کچھ، میں بھی دیکھوں‘‘ کرنل صاحب غرائے

حمید نے کافی کے دو کپ تیار کیے اور ایک کرنل صاحب کی طرف بڑھاتا ہوا بولا:

دیکھو تو عجیب ماجرا ہے
فانوس پہ فالسہ دھرا ہے

’’مطلب‘‘

’’مطلب کسی ماہر نفسیات سے پوچھیے۔اگر یہاں سنسر نے شاعر کو اجازت دی ہوتی تو علامتی شاعری کیوں کرتے‘‘

’’تم میرا مذاق اڑا رہے ہو‘‘

’’جی نہیں، بلکہ آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کی شاعری علامتی ہرگز نہیں، آپ محض اس وہم میں مبتلا ہیں کہ آپ کی شاعری علامتی ہے‘‘

''میں کرنل عاشق حسین عشقی، وہم میں مبتلا ہوں'' کرنل نے سینہ پھلا کر جارحانہ انداز میں سوال کیا۔

''آپ اپنا نام بدلیے، کرنل کے ساتھ میچ نہیں کرتا۔ اتنا ہی عجیب لگتا ہے جیسے مجنوں خود کو چنگیزی لکھنے لگے۔''

''تم گستاخ بھی ہو کیپٹن''

☆

اردو زبان وادب میں شاعری ایک 'سنگین' مسئلے کا رخ اختیار کرتی جا رہی ہے۔ حالیہ چند دہائیوں میں ایسے شعراء کی تعداد میں خطرناک حد تک اضافہ دیکھنے میں آیا ہے جو محض اپنا کلام شائع کرانے میں دلچسپی رکھتے ہیں اور اس دوران شاعری کے معیار کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند جین نے شعری مجموعوں کی کثیر تعداد میں اشاعت سے گھبرا کر ایک موقع پر کہا تھا:

''میں کسی طرح معاصر ادب کا نقاد نہیں لیکن میرے پاس شعری مجموعے جس کثیر تعداد میں آتے ہیں، میں ان سے سراسیمہ ہو گیا ہوں۔ اکتوبر نومبر 1986ء میں چھ ہفتوں کے لیے میں حیدرآباد (دکن) سے باہر گیا۔ اس عرصے میں سات شعری مجموعے وصول ہوئے جن میں پانچ کے خالق ایسے تھے جن کا نام میں نے پہلی بار ان مجموعوں کے طفیل سنا۔ اگر کسی ہفتے کوئی شعری مجموعہ نہ آئے تو میں اسے مبارک جانتا ہوں۔ ایک شامت اعمال ہفتے میں تین مجموعے وصول ہوئے۔ اگر مجھ بے بصیرت کا یہ حال ہے تو جو حضرات اردو کے نامور مبصر اور دیدہ ور نقاد ہیں، ان کے ہاں تو شعری مجموعوں کی ایسی باڑھ آتی ہوگی کہ گھر میں ان کے بیٹھنے اٹھنے کو ایک جگہ بھی نہ بچتی ہوگی۔''[10]

ایسے ہی نام نہاد شاعروں پر چوٹ کرتے ہوئے ابن صفی کے ناول سے یہ چلبلا، کٹیلا طنز و مزاح سے بھرپور اقتباس ملاحظہ ہو:

''سارجنٹ ناشاد ایک غزل کہہ رہا تھا۔ سامنے رکھے ہوئے کاغذ پر اس نے بہت سے قوافی لکھ رکھے تھے۔ ان قافیوں پر میں ایک ایک مصرعہ کہہ کر ان پر گرہیں لگاتا جا رہا تھا۔ اچانک

ایک مصرعے میں اسے گاڑی رکتی ہوئی سی معلوم ہونے لگی۔ اس نے اس کی تقطیع شروع کر دی۔ غم جاناں۔۔ ابے کھٹ کھٹ.....لہو بن کر.....ابے کھٹ کھٹ...........ہا.....ٹھیک تو ہے.....غم جاناں لہو بن کر ٹپک آنکھوں سے کچھ یوں بھی.....ابے کھٹ کھٹ.....ابے کھٹ کھٹ۔۔۔ ابے کھٹ کھٹ...........

سارجنٹ ناشاد اسی طرح مصرعوں کی تقطیع کرتا تھا۔ فاعلاتن فاعلات کے بکھیڑے آج تک اس کی سمجھ ہی میں نہیں آئے تھے۔ ویسے وہ اکثر دوسرے شعراء کو عروض سے ناواقف اور اور بالکل ہی کندہ ناتراش بتایا کرتا تھا۔ سارجنٹ ناشاد فوجی آدمی تھا۔ تعلیم بھی واجبی سی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اسے جگت استاد ہونے کا دعوی تھا۔ اور اس کے ساتھ والے اس کی استادی کے قائل بھی تھے کیونکہ اکثر اس کے اشعار میر و غالب جیسے اساتذہ سے بھی لڑ جاتے تھے۔ ایسے ہی ایک موقع پر کسی نے اعتراض کر دیا۔ سارجنٹ ناشاد دہڑ سے بولا 'تولدٔ ہوا ہے۔' اس پر ایک زوردار قہقہہ پڑا۔ پھر اچانک اسے یاد آیا کہ اسے 'تولدٔ' نہیں تو ارُد کہتے ہیں۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔[11]

☆

علی عمران اور ساجد حمید کے علاوہ بھی ان کے کئی کردار ہیں جو بظاہر عقل سے پیدل ہیں لیکن ابن صفی کے پیشکش کے انداز نے انہیں لازوال بنا دیا ہے۔ ایسا ہی ایک کردار جاسوسی دنیا کا قاسم بھی ہے۔ قاسم کا پرلطف تذکرہ جاسوسی دنیا کے جن ناولوں میں ملتا ہے ان میں برف کے بھوت، موت کی چٹان، خونی بگولے، شعلہ سیریز، ڈاکٹر ڈریڈ سیریز، گیارہواں زینہ، سائے کی لاش، طوفان کا اغوا، زمین کے بادل، چاندنی کا دھواں، چمکیلا غبار، اشاروں کے شکار، ساتواں جزیرہ، شیطانی جھیل، سہمی ہوئی لڑکی، دیو پیکر درندہ، تباہی کا خواب، خونی ریشے، تیسری ناگن، ریگم بالا، زرد فتنہ، سانپوں کا مسیحا، عظیم حماقت، زہریلا سیارہ، موروثی ہوس، دہشت گر وغیرہ شامل ہیں۔

قاسم کے کردار کو اجاگر کرتا جاسوسی دنیا کے ناول ''سائے کی لاش'' کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

حمید نے قاسم کے گھر کی راہ لی جہاں قاسم کی تین خالہ اور ماموں زاد بہنیں مقیم تھیں۔

وہاں ہر وقت ہی کوئی نہ کوئی تفریح ہوتی رہتی تھی۔مگر اس وقت کی تفریح خلاف توقع تھی۔اس نے قاسم کو پورچ میں چت پڑا دیکھا جس کے پیٹ پر ایک بہت بڑا پتھر رکھا ہوا تھا۔اس پتھر پر قاسم کے دو نوکر بڑے بڑے ہتھوڑے برسا رہے تھے۔قاسم کی سالیاں اوپر برآمدے میں حیرت سے منہ کھولے کھڑی تھیں۔ان کے قریب اس کی بیوی بھی تھی مگر اس کا موڈ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا تھا۔قاسم ہتھوڑا برسانے والے نوکروں پر برس رہا تھا۔''اور زور سے.........ابے سالو! کیا کھانے کو نہیں ملتا؟''

''ایک سر پر بھی جما دو......دیکھا جائے گا''......حمید نے کہا

''ارے خدا تمہیں غارت کرے......تم آ گئے'' قاسم نہ جانے کیوں بوکھلا گیا۔

''ہاں میں آ گیا ہوں اور اسی پتھر پر کھڑا ہو کر تقریر کروں گا''

حمید پتھر پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔بڑی مشکل سے اسے کامیابی ہوئی۔قاسم کی سالیاں بے تحاشا ہنس رہی تھیں اور بیوی۔۔وہ بیچاری تو حمید کی صورت دیکھ کر وہاں سے کھسک گئی تھی۔وہ جانتی تھی کہ اب قاسم کی خیر نہیں۔حمید نے جھک کر تینوں کو سلام کیا اور پتھر سے اتر گیا۔

''اماں، وہ تقریر''......قاسم نے کہا

''تقریر وہاں سے کروں گا''۔حمید نے لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا۔

''چلو بے! توڑو پتھر!......'' قاسم نے نوکروں کو للکارا۔''جب تک پتھر نہیں ٹوٹے گا چھٹی نہیں ملے گی۔''

''اب اسے ختم بھی کیجیے'' ایک لڑکی نے کہا''کوئی دوسرا کرتب''

''آؤ تم تینوں پتھر پر کھڑی ہو جاؤ۔'' قاسم نے کہا

''ہاں......بڑی معقول بات ہے......''حمید سر ہلا کر بولا......''بلکہ کہو تو اپنی بیوی کو بھی بلا لوں۔''

''بلا لو......'' قاسم نے جھونک میں کہا......پھر فوراً ہی سنبھل کر بولا''کون......بیوی......کہاں ہے تمہاری بیوی''

''ابھی اندر گئی ہے''

''کیا......'' قاسم حلق پھاڑ کر دھاڑا۔۔پھر کروٹ لے کر پتھر کو ایک طرف دھکیل دیا اور خود اٹھتا ہوا بولا......''کیا کہا تم نے''

''میں نے کہا تمہاری بیوی کو بھی بلا لوں''حمید نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا

''نائیں......تم نے اپنی بیوی کہا تھا''

''تمہارے سننے میں فرق آیا ہے پیارے''

''تم خود ہو گے پیارے۔میں گردن توڑ دوں گا تمہاری۔''

''اب ریکھا سیدھی ہو گئی ہے......'حمید نے آہستہ سے کہا......'تمہیں پوچھ رہی تھی۔''

''نہیں......اللہ قسم......'' قاسم کے ہونٹوں پر ایک شرمیلی سی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

(سائے کی لاش۔ناول۔55)

ابن صفی نے قاسم کے کردار کو کئی موقعوں پر اس طرح پیش کیا ہے کہ پڑھنے والے کو بے ساختہ خوجی، حاجی بغلول اور چچا چھکن کی یاد آ جاتی ہے۔ایک ایسا ہی کردار استاد محبوب نرالے عالم کا بھی ہے۔ابن صفی نے جاسوسی دنیا کے''چمکیلا غبار''(نمبر 83) نامی ناول میں قاسم کے حماقت مآب کردار کو نہایت پرلطف انداز میں پیش کیا ہے۔مذکورہ ناول میں قاسم، انجمن ترقی خواتین نامی تنظیم کے جلسے کی صدارت قبول کر لیتا ہے۔تقریب کا دعوت نامہ کیپٹن حمید کے نام علاحدہ سے آتا ہے اور حمید، قاسم کی بیوی کو لے کر وہاں پہنچتا ہے۔پیش خدمت ہے یہ دلچسپ اقتباس:

''ان کے پہنچنے کے پانچ یا چھ منٹ بعد صدر کی آمد کا غلغلہ ہوا۔حاضرین اٹھ اٹھ کر دیکھنے لگے۔عجیب سا ہنگامہ برپا ہو گیا اور کسی لڑکی نے بلند آواز میں جملہ چست کیا،'یہ صدر ہیں یا غدر'......لیکن قاسم اس وقت غدر سے بھی کوئی اونچی چیز معلوم ہو رہا تھا۔شیروانی میں وہ ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کسی منارہ پر غلاف منڈھ دیا گیا ہو۔قاسم کی بیوی کا ہنسی کے مارے برا حال تھا کیونکہ پگڑی نے اسے بالکل کارٹون ہی بنا کر رکھ دیا تھا۔کسی نہ کسی طرح شور کم ہوا۔خدا خدا کر کے خطبہ صدارت کی باری آئی۔قاسم کھڑا ہو گیا۔مگر وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔کبھی ہنسنے کے انداز میں دانت نکل پڑتے اور کبھی

ہونٹ مضبوطی سے بند کر لیے جاتے۔ پھر بمشکل اس کے حلق سے آواز نکلی۔ ''خواتین وخواتان۔''

''ہیر ہیر......'' مجمع نے تالیاں پیٹیں۔

خواتین وخواتان اسے غلط معلوم ہوا لہذا اس نے دوسری بار 'حاضرین وحاضرات' کی ہانک لگائی۔ قہقہوں سے پنڈال اڑا جا رہا تھا۔ قاسم نے نروس ہو کر بولنا شروع کر دیا۔ ''جی ہاں! میں صدر بننے کے لائک نہیں تھا۔ آپ کی مہربانی ہے کہ آپ نے مجھے صدر بنا دیا۔ اللا قسم..........میں بالکل......بالکل......الو کا پٹھا......ارے باپ رے باپ......'' اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ دبا لیا۔ پھر بہت زیادہ زور سے بولنے لگا۔۔۔ ''جی تین ہزار کیا، آپ پر تو تین لاکھ نثار ہیں۔ اللا قسم، اتنا جی چاہتا ہے کہ کھواتین ترقی کریں، جی ہاں۔۔ آپ لوگ کرکٹ بھی کھیلا کیجیے۔۔۔ بڑی جان آتی ہے بدن میں۔۔۔ اور قیا قہوں۔۔ میں اب کھوب جی کھول کر چندہ دوں گا۔ ٹھینگے سے کوئی کچھ کہا کرے۔''

''ہیر ہیر۔۔ قاسم صاحب زندہ باد''

قاسم نے کسی پرجوش مرغ کی طرح گردن اونچی کی اور بولا۔ ''نہیں۔ ابھی جندہ باد نہ کہیے۔ ابھی مجھے کھدمت کرنے دیجیے۔ میں آپ سب کے لیے پاگل ہو جانا چاہتا ہوں۔ مطلب یہ کہ......مطلب یہ کہ......جی ہاں! کھوب ترقی کیجیے۔ اگر قوئی آپ کو ترقی نہ کرنے دے تو مجھے بتائیے......میں سالے کا سر پھاڑ دوں گا۔''

''دھوبی ہے سالا۔''..........مجمع سے کسی نے ہانک لگائی۔

اس ریمارک پر قاسم کا منہ ذرا سا نکل آیا اور پھر بیک وقت اس کی آنکھیں چنگاریاں برسانے لگیں۔ چہرہ چقندر ہو گیا اور وہ میز پر ہاتھ مار کر دھاڑا......''کون ہو بیٹا! جرا سامنے تو آنا۔''

☆

ابن صفی کا ایک ایسا کردار بھی تھا جو ایک جیتا جاگتا شخص تھا اور جسے انہوں نے اپنے ناولوں میں استعمال کر کے ابدی شہرت عطا کر دی تھی۔ یہ ذکر استاد محبوب نرالے عالم[13] کا ہے

جو شہر کراچی میں مقیم تھے۔ آج بھی اس شہر میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہیں استاد سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا۔ استاد محبوب نرالے عالم نے جوش ملیح آبادی کی گل بدنی کی ٹکر پر ''فل بدنی'' کہی تھی اور اسے بنفس نفیس جوش مرحوم کو سنایا بھی تھا۔ استاد نے عربی اور فارسی کی ٹکر پر اپنے وضع کردہ ''عربا'' اور ''فارسا'' ایجاد کیے تھے۔ عرضیکہ وہ ایک عجیب و غریب شخصیت تھے۔ ابن صفی کے دیرینہ دوست جناب شاہد منصور اس ضمن میں بیان کرتے ہیں:

> ''پھر بارگاہِ ابن صفی میں کچھ اور لوگ آ گئے۔ محفل کا رنگ تبدیل ہو گیا۔ میں اٹھ کر گھر چلا آیا۔ پھر کئی مہینے گزر گئے۔ ابن صفی سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ استاد بھی اس درمیان ایک دو بار ملے مگر کوئی قابل ذکر بات نہیں ہوئی۔ پھر ابن صفی کی مشہور کتاب ڈاکٹر دعا گو چھپ کر آ گئی تو بڑے ذوق وشوق سے پڑھنا شروع کر دیا۔ اور پھر میری آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جب اس کتاب میں، میں نے استاد محبوب نرالے عالم کو مِن وعن اسی طرح براجمان پایا جیسے وہ مجھے ابن صفی کے دفتر میں براجمان ملے تھے۔ اپنی تمام ترہیت کذائی مشکل وصورت، لباس اور بھونپو اور مکالموں کے ساتھ کوئی بھی فرق تو نہیں تھا۔ لگتا تھا کہ قدرت نے استاد کو ابن صفی کا کردار بننے کے لیے ہی پیدا کیا تھا۔'' [13]

استاد محبوب نرالے عالم سے متعلق عمران سیریز کے چند ناولوں سے مندرجہ ذیل اقتباسات ملاحظہ ہوں:

> ''یہ تھے استاد محبوب نرالے عالم۔ بے پناہ قسم کے شاعر۔ شاعر کس پائے کے ہوں گے، یہ تو تخلص ہی سے ظاہر تھا۔ اتنا لمبا چوڑا تخلص شاید ہی کسی مائی کے لال کو نصیب ہوا ہو۔ استاد کا کہنا تھا کہ بڑا شاعر وہی ہے جس کے یہاں انفرادیت بے تحاشا پائی جاتی ہو، لہذا ان کا کہا ہوا شعر ہمیشہ بے وزن ہوتا تھا۔ بسر اوقات کے لیے پھیری لگا کر مسالے دار سوندھے چنے بیچتے تھے۔ مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جو بھی پکڑ پاتا بری طرح جکڑ لیتا۔ بعض اوقات تو ایسا بھی ہوتا کہ سننے سنانے کے چکر میں استاد ہفتوں دھندے سے دور رہتے۔ بڑے بڑے لوگوں سے یارانہ تھا، پھر عمران کیسے محروم رہتا''۔

'کوئی عمدہ سا شعر استاد'۔ عمران انہیں کی میز پر جمتا ہوا بولا

استاد نے منہ اوپر اٹھایا۔ تھوڑی دیر ناک بھوں پر زور دیتے رہے پھر جھوم کر بولے 'سنیئے'

حسن کو آفتاب میں صنم ہوگیا ہے
عاشق کو ضرور بے خودی کا غم ہوگیا ہے

پھر بولے۔'پچھلی رات مجھ میں غالب کی روح حلول کر گئی تھی، سنو:

تم بھلا باز آؤ گے غالب راستے
میں چڑھاؤ گے غالب
کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

'یہ تو وزن دار ہے استاد'۔ عمران حیرت سے بولا

'میں نے بتانا نا غالب کی روح حلول کر گئی تھی، پھر وزن کیسے نہ ہوتا'' (ڈاکٹر دعا گو۔عمران سیریز کا خصوصی ناول)

☆

کارڈ پر نظر پڑتے ہی اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ کارڈ پر تحریر تھا ''امام الجاہلین، قتیل ادب، استاد محبوب نرالے عالم''

'بلاؤ'۔ عمران کراہا

'تشریف رکھیے'

لیکن استاد تشریف کہاں رکھتے، وہ تو کنکھیوں سے نرس کو دیکھے چلے جا رہے تھے۔

'میں نے کہا استاد'

'جی۔ جی ہاں' استاد چونک کر بولے: 'آج میں ارتعاش سیمگاں کا مقیم مصلوب ہوں'

عمران نے اس طرح سر ہلایا جیسے پوری بات سمجھ میں آ گئی ہو۔

اکثر استاد پر بڑے بڑے نامانوس الفاظ بولنے کا دورہ پڑتا تھا۔ کبھی کبھی نئے الفاظ بھی ڈھالتے۔ اس قسم کے دورے عموماً'' اس وقت پڑتے جب آس پاس کوئی عورت بھی موجود ہو۔

نرس اٹھ کر چلی گئی اور استاد نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر جھک کر آہستہ سے بولے: 'یہ دوسری کب آئی'

'آتی جاتی ہی رہتی ہیں'۔ عمران لاپرواہی سے بولا' 'مگر آپ کیوں مغموم ہیں''

'نہیں جناب، یہ بے پردگی...... یہ ٹڈے ٹڈیاں...... میں عنقریب حج کرنے چلا جاؤں گا'

'ہوا کیا۔۔ کوئی خاص حادثہ'

'جی ہاں، کل رینو میں میٹنی شو دیکھنے چلا گیا تھا۔ دیر ہوگئی تھی۔ کھیل شروع ہو چکا تھا۔ ہائے کیا فلم ہے ڈاکٹر نو دیکھی ہے آپ نے۔ سالے، لونڈیا کو چوڑی دار پاجامہ پہنا دیتے ہیں'

'چوڑی دار پاجامہ نہیں استاد، اسے جین کہتے ہیں'۔ عمران نے کہا۔ (ڈاکٹر دعا گو۔عمران سیریز کا خصوصی ناول)

☆

عمران نے استاد کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا: 'سنو اکثر لوگ تمہارے آئیڈیاز چرا لیا کرتے ہیں'

'جی بس کیا بتاؤں۔ استاد ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔'نہ صرف وہ لوگ جو زندہ ہیں بلکہ وہ بھی جو مر گئے'

وہ کیسے استاد؟

'خواب میں آ کر...... مومن، غالب اکثر اس قسم کی حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔۔ میرا شعر تھا:

بے غیرت ناہید کی ہر تان ہے زمبک
شعلہ سا لپ لپ لپ جھپک

اب آپ دیکھیے، ٹیلی وژن والوں سے معلوم ہوا کہ یہ غالب صاحب کا ہے۔

’مومن کا ہے استادؔ۔۔:

اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو

’اب یہی دیکھ لیجیے، میں نے بے غیرت ناہید کہا ہے، اور وہ فرماتے ہیں اس غیرت ناہید۔۔۔ہوئی نہ وہی خواب کی چوری والی بات‘

’صبر کروؔ۔عمران ان کا شانہ تھپک کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا اور استاد میکانکی طور پر آبدیدہ ہو گئے۔ (پاگلوں کی انجمن۔عمران سیریز۔ناول نمبر 58)

☆

اتنے میں نرس واپس آئی اور استاد بولے ’’انسانی تہذیب کی مہذباتی اور مسکونی مناکحت بہت ضروری ہے۔غالب، ذوق، داغ وغیرہ نے مشروباتی انفجاریت کی تفتیل میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی لیکن تجریدی ضابطے کی اشتراقیت مشروتی اعراب کی سند نہیں۔‘‘

’واللہ آپ نے تو نثر ہی میں صنعت مستول الجہاز پیدا کر دی استادؔ۔عمران نے خوش ہو کر کہا۔

’میں غالب کو بھی للکار سکتا ہوں‘

’بیشک...... بیشک......استاد ذرا چنا کڑک تو سنا دو‘۔۔۔استاد نے بھونپوا ٹھا کر منہ سے لگایا اور شروع ہو گئے:

پی۔ای۔سی۔ایچ [1 4] کے حسین
میرے چنے سے نمکین
بولے بھائی خیر الدین
پاپڑ ایک آنے کے تین
چنا کڑک

(ڈاکٹر دعا گو۔عمران سیریز۔خصوصی ناول نمبر)

عمران سیریز کے ایک ناول ’’بحری یتیم خانہ‘‘ کی ابتدا ایک نائٹ کلب میں کلاسیکی موسیقی کے پروگرام کے ساتھ ہوتی ہے (یہاں ابن صفی اپنے مخصوص ہلکے پھلکے انداز میں چوٹ کرتے نظر آتے ہیں)۔عمران صاحب وہاں موجود تھے۔استاد لفگار ٹھمری شروع کرتے ہیں اور ’نندیا کاہے مارے بول‘ کی جو تکرار شروع کرتے ہیں تو عمران سات منٹ کے انتظار کے بعد استاد کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے...... ’’حضور! اب آپ کی تکلیف نہیں دیکھی جاتی، آپ مجھے اپنی نندیا کا پتہ بتائیں، ابھی دوڑ کر پوچھ آتا ہوں کہ نندیا کاہے مارے بول۔۔۔استاد کی تنک مزاجی مشہور تھی۔انہوں نے پہلے تو عمران کو حیرت سے دیکھا، پھر سرمنڈل پھینک کر عمران کا گریبان پکڑنے کی کوشش کی۔ ہنگامہ ہو گیا۔کسی نے پوچھا کہ یہ کیا بے ہودگی ہے تو عمران صاحب غصیلے لہجے میں بولے ’’ان کی نندیا میری بھی رشتے دار ہیں۔میں ان کو اس کی اجازت نہیں دے سکتا کہ پبلک مقامات پر ان کی توہین کرتے پھریں‘‘...........اتنے میں منیجر بھی آ پہنچا، اس نے عمران کی شکل دیکھی تو بری طرح گڑبڑا گیا۔ ’’کیا بات ہے جناب عالی‘‘ وہ گڑگڑایا۔۔۔عمران نے استاد لفگار کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا‘ باجہ بجا کر میری عزیزہ کی توہین کر رہے ہیں جناب۔‘‘......

ادھر استاد دھاڑے ’’ارے یہ بہرام خان حرام خان کا کوئی گرگا ہے حرامی‘‘...... ’’آپ غلط کہہ رہے ہیں جناب‘‘ عمران ادب سے بولا ’’میں آپ کی نندیا کا سالا ہوں۔‘‘

☆☆☆

ابن صفی کے پیشرسوں میں طنز و مزاح:

ابن صفی کے تحریر کردہ ناولوں کے پیشرس بھی ان ناولوں کا لازم و ملزوم حصہ ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ ابن صفی کا نقادان کی تحریروں میں طنز و مزاح کے عنصر کے تجزیئے کے دوران ناولوں کے پیشرسوں کو نظر انداز کرنے کی صورت میں موضوع سے انصاف کر ہی نہیں سکتا۔ جاسوسی دنیا کے تمام ناولوں کے پیشرسوں کے بغور مطالعے کے بعد یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ ناول نمبر 41، موت کی چٹان ہی وہ پہلا ناول ہے جس کے پیشرس میں ابن صفی محض ناول

کے تعارف تک ہی محدود نہ رہے بلکہ انہوں نے اپنے قارئین سے ہلکی پھلکی گفتگو کا باضابطہ آغاز بھی کیا۔ عمران سیریز کے پیشرسوں میں اس انداز گفتگو کا آغاز لاشوں کا بازار، ناول نمبر ۱۲ سے ہوا۔ سو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں سے ابن صفی کا اپنے قاری سے مکالمے کا آغاز ہوتا ہے۔ بات سے بات نکلتی ہے، اور موت کی چٹان میں ابن صفی نے یہ بات نکالی کہ ان کے قارئین کو ناول کے عقب میں شائع ہوئی ان کی تصویر پر یہ اعتراض تھا کہ ''تصویر سے تو ان کی شکل نہیں ملتی''۔ ابن صفی جواب میں لکھتے ہیں کہ ''گزارش ہے کہ تصویر سفید کاغذ پر چھپتی ہے اور جب میں اس کے برعکس نظر آتا ہوں تو آپ کو میری شکل ہی نہیں سجھائی دیتی۔''۔۔۔ ابن صفی مزید لکھتے ہیں: ''ایک صاحب نے مشورہ دیا تھا کہ ریوالور لٹکا کر نکلا کیجیے۔ اس طرح آپ کم از کم جاسوسی ادیب تو معلوم ہوسکیں گے۔ (میں نے عرض کیا تھا کہ اس مشورے کی روشنی میں غیر جاسوسی ادیبوں کو کان پر قلم رکھ کر گھر سے باہر نکلنا چاہیے)۔''

''بھائی کیا یہ ضروری ہے کہ روزانہ زندگی میں بھی آدمی ادیب معلوم ہو۔ یقین کیجیے ایسے لوگ سب کچھ ہو جاتے ہیں لیکن آدمی بالکل نہیں رہتے۔ لہٰذا مجھے اس مشورے سے معاف رکھیے۔ میں تو عام حالات میں عام آدمیوں جیسی زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔'' ابن صفی کا جواب تھا..........!

ابن صفی کا تحریر کردہ ایک پیشرس ایسا بھی ہے جس میں انہوں نے ایک حساس موضوع کو چھیڑا ہے۔ یہ جاسوسی دنیا کے ناول بیچارہ/ری کا پیشرس ہے جس میں انہوں نے جنس پر گفتگو کی ہے۔ اس کے مطالعے سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ابن صفی نے اپنے مخصوص کٹیلے انداز میں اپنی بات کس پیرائے میں کہی ہے، اس میں طنز کی کیا کیفیت ہے، وہ کیا کہنا چاہتے ہیں، کیا کہہ رہے ہیں، کس طرح اپنا دفاع کر رہے ہیں اور ذہنی گھٹن کے شکار معاشرے پر کس خوبصورتی سے نشتر زنی کرتے ہوئے اسے اس کا اصل چہرہ دکھا رہے ہیں۔ یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس مقام پر ابن صفی ہمیں سعادت حسن منٹو کی یاد دلاتے نظر آتے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے:

''ادب کی زندگی یا موت کا پیمانہ آدمی ہے۔ لہٰذا آدمی کی مختلف قسم کی صلاحیتوں کے انحطاط کے ساتھ ہی مختلف قسم کے ادب کا بھی تیا پانچہ ہوتا رہتا ہے۔ بہتیرے لوگوں کو جوانی کی بداعمالیوں کی یہ سزا ملتی ہے کہ وہ بڑھاپے میں صوفی ہو جاتے ہیں۔ چلیے صاحب! ختم ہوئیں پر شباب قسم کی گرما گرم کہانیاں۔ اب وہ مذہبی کتب کی تلاش میں سرگرداں نظر آئیں گے۔ یا پھر ایسی کتابیں ٹٹولتے پھریں گے جو انہیں مجاز سے حقیقت تک پہنچا دیں (جوانی میں چلتے تو ہیں مجاز کے سہارے لیکن حقیقتاً جنسی ناکارگی تک جا پہنچتے ہیں)۔ کچھ دوستوں نے ڈیڑھ متوالے پڑھ کر خیال ظاہر کیا ہے کہ میں کسی قدر مائل بہ عریانی ہو گیا ہوں۔ خیال ہے ان کا۔ ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ ویسے جنسیت سے دامن بچانا ناممکن ہے۔ کوئی بھی اس سے کترا کر نکل ہی نہیں سکتا۔ البتہ کچھ مادر پدر آزاد ہو جاتے ہیں اور کچھ کسی قدر ملفوف ہو کر اس کے قریب سے گزرتے ہیں۔ مثلاً مرزا غالب فرماتے ہیں:

نیند اس کی ہے، دماغ اس کا ہے، راتیں اس کی ہیں
جس کے شانوں پر تیری زلفیں پریشاں ہوگئیں

غالباً آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ کسی قسم کی عبادت کے دوران کسی کی زلفیں کسی کے شانوں پر پریشاں نہیں ہوتیں۔ بس تو ڈیڑھ متوالے میں پائے جانے والے جنسی Touches بھی اسی قبیل کی چیز ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ زیر نظر ناول پر بھی یہی الزام آئے۔ لیکن موضوع کے کچھ اہم ترین تقاضے بھی ہوا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر میں لاہور کی کسی 'بہشتی گلی'[15] کی کہانیاں لکھنے بیٹھوں اور آپ صرف عنوان ہی دیکھ کر اندازہ کر لیں کہ اس میں یقینی طور پر علمائے کرام کے تذکرے ہوں گے تو اس میں میرا کیا قصور۔ موضوع کی مناسبت سے کبھی کبھی اسپ خامہ کی باگیں ڈھیلی چھوڑنی ہی پڑتیں ہیں......رہی جنسی تلذذ کی بات تو وہ تو یار لوگ اکثر مذہبی کتب سے بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ خود مجھ سے ایک بار ایک صاحب نے دانت پر دانت جما کر بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا تھا صفی صاحب! آپ نے بہشتی زیور میں غسل کا بیان بھی پڑھا ہے۔''

ابن صفی کے پیشرسوں میں طنز و مزاح کی یہ مثالیں جا بجا بکھری نظر آتی ہیں۔ عمران سیریز کے ناول نمبر 38 ''ظلمات کا دیوتا'' کے پیشرس میں لکھتے ہیں:

''میں ایک صاحب کے استفسار کا جواب دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ پوچھتے ہیں: آخر آپ کی کتابوں میں عورت اور مرد دور دور کیوں رہتے ہیں؟..........سوال بڑا ٹیڑھا ہے لیکن سیدھا سیدھا جواب ملاحظہ فرمایئے: ابھی ہمارا معاشرہ ارتقاء کی اس منزل میں ہے جہاں عورت اور مرد کے درمیان کم از کم ایک چپل کا فاصلہ تو ضرور ہونا چاہیے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اگر مردوں کے دوش بدوش ترقی کی راہ پر چلنے والی کوئی عورت کسی فٹ پاتھ پر چلی جا رہی ہو اور آپ سے سہواً بھی ٹکراؤ ہو گیا تو آپ اسے دوش بدوش کی بجائے پاپوش بدست دیکھیں گے۔ آیا خیال شریف میں؟

جاسوسی دنیا کے ناول نمبر 85 ''دھواں اٹھ رہا تھا'' کے پیشرس میں ایک قاری ابن صفی کو ناول نگاری ترک کر کے ترکاری بیچنے کا مشورہ دیتے نظر آئے۔ طنز و مزاح سے لبریز ملاحظہ ہو ابن صفی کا دلچسپ جواب:

''میں ان چاٹگامی بھائی سے کسی طرح متفق نہیں ہو سکتا جنہوں نے مجھے کتابیں لکھنا ترک کر کے ترکاری بیچنے کا مشورہ دیا ہے۔

میاں! میں اتنا بدھو بھی نہیں ہوں کہ تاؤ میں آ کر سچ مچ ترکاریاں ہی بیچنا شروع کر دوں۔ میں جانتا ہوں کہ بچی ہوئی ترکاریاں باسی کہلاتی ہیں۔ سڑ جاتی ہیں اور پھر ان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی......لیکن کتابیں......ہا......دس سال تک پڑی رہنے کے باوجود بھی پوری ہی قیمت پر فروخت ہوتی ہیں۔ مجھے آپ کا یہ مشورہ خلوص پر مبنی نہیں معلوم ہوتا اس لیے میں اس پر عمل بھی نہیں کروں گا......پھر آپ نے لکھا ہے ''مگر ساتھ ہی یہ بھی عرض ہے کہ اگر آپ نے میرے مشورہ پر عمل کرنا شروع کر دیا تو مجھے بہت افسوس ہوگا۔ مگر میں یہ بھی پسند نہیں کروں گا کہ آئندہ بھی آپ کتاب لکھتے ہی رہیں......عقل ضبط کر دی آپ نے تو۔ یعنی مجھے ترکاریاں بیچتے دیکھ کر بھی آپ کو افسوس ہوگا اور آپ یہ بھی نہیں چاہتے کہ میں کتابیں لکھتا رہوں۔ تو پھر کیا خیال ہے میں

آپ کی محبت میں فاقے شروع کر دوں؟۔۔۔ بھئی! اپنا نام تو صاف لکھا کیجیئے۔ پہلی نظر میں 'بدھو داس' معلوم ہوتا ہے۔ غور کرو تو 'رولز رائس' پڑھا جاتا ہے۔ ذرا ترچھا کر کے دیکھو تو 'چلو واپس' گھسیٹا ہوا معلوم ہوتا ہے۔''

ابن صفی کے پیشرسوں میں ایسے چبھتے ہوئے سوالات ہوا کرتے تھے جن کی تہہ میں مصنف کو للکارنے کا جذبہ موجزن نظر آتا تھا۔ یہ ہمارے ممدوح کو اس کی فطری شگفتگی کے طنزیہ انداز میں اظہار کو دعوت دیتے تھے۔ ابن صفی ایسے ہی مکتوبات کے جواب میں بات سے بات نکالا کرتے تھے۔ ذکر ہے جاسوسی دنیا کے ان دو ناولوں ستاروں کی موت (ناول نمبر 91) اور ستاروں کی چیخیں (ناول نمبر 92) کا جن کا موضوع فلمی دنیا تھی۔ یہ ابن صفی کے قلم کی ایک شاندار انگڑائی تھی۔ 'ستاروں کی چیخیں' کے پیشرس میں ایک قاری فلمی دنیا کے موضوع کو چھیڑے جانے پر سخت خفا نظر آئے۔ ابن صفی لکھتے ہیں:

''ایک صاحب نے انتہائی غصے کے عالم میں لکھا ہے۔ ''آپ ہی جیسے لکھنے والے فلمی دنیا کے متعلق غلط فہمیاں پھیلاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شریف گھرانوں کی لڑکیاں اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتیں۔

بھائی آپ کیوں خفا ہو رہے ہیں۔ شاید آپ کو اس کی اطلاع نہیں کہ سماجی قدریں تیزی سے بدل رہی ہیں۔ آج سے پندرہ بیس سال پہلے شرافت کا جو معیار تھا اسے آج فلاکت زدگی اور جہالت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر پردہ کو لے لیجیے۔ پہلے یہ شرافت اور عالی نسبی کی پہچان تھی۔ آج پردہ نشین خواتین کو یا تو نچلے طبقے سے متعلق سمجھا جاتا ہے یا جاہل۔ بہر حال آپ کی مراد بر آنے میں بمشکل دس سال اور لگیں گے کیونکہ ابھی ہمارے یہاں کے شریف آدمی آزادانہ صنفی اختلاط کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کسی قدر ہچکچاتے ہیں......صرف دس سال اور صبر کیجیے......یہ خلیج بھی حائل نہ رہے گی......پھر ہوں گے آپ کے پو بار......لایئے ہاتھ اسی بات پر!''

ابن صفی کی نظریں زوال پذیر معاشرے اور آنے والے وقت میں اس کے متوقع خدو خال کو بخوبی دیکھ رہی تھیں اور نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آگے چل کر ان کی مذکورہ بالا پیش گوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی۔ ایسی ہی ایک پیش بینی پڑھنے والوں کے ذہن میں آج تک محفوظ ہے۔ یہ پرُمعنی طنز، تشبیہوں اور استعاروں سے بھرپور ان کی مشہور و معروف غزل "ایک دن جلال جبہ و دستار دیکھنا" ہے جسے انہوں نے یکم جون 1970 کو لکھے گئے یادگار ناول "پاگلوں کی انجمن" میں استاد محبوب نرالے عالم کی زبانی کہلوایا تھا۔

☆

ابن صفی کی تحریروں سے طنز و مزاح پر مبنی مذکورہ بالا انتخاب کرنے کے دوران راقم الحروف کے پیش نظر پنڈت برج نرائن چکبست[16] کا وہ بیان رہا تھا جو انہوں نے 'اودھ پنچ' کے مزاح نگاروں کے متعلق دیا تھا:

"اودھ پنچ کے ظریفوں کی شوخ و طرار طبیعت کا رنگ دوسرا ہے۔ ان کے قلم سے پھبتیاں ایسے نکلتی ہیں جیسے کمان سے تیر۔ ان کے فقرے دل میں ہلکی سی چٹکی نہیں لیتے بلکہ نشتر کی طرح تیر جاتے ہیں۔ ان کا ہنسنا غالب کی زیرلب مسکراہٹ سے الگ ہے۔ یہ خود بھی نہایت بے تکلفی سے قہقہے لگاتے ہیں اور دوسروں کو بھی قہقہہ لگانے پر مجبور کرتے ہیں۔"

پنڈت برج نرائن چکبست کا یہ بیان بالخصوص اس وقت بہت یاد آتا ہے جب قاری ابن صفی کے ناولوں میں جاسوسی دنیا کے کردار کیپٹن حمید اور قاسم اور عمران سیریز کے کردار علی عمران اور استاد محبوب نرالے عالم کی زبان سے ادا ہونے والے فقروں اور مذکورہ کرداروں کا احوال پڑھتا ہے۔ ابن صفی کے یہ زندہ اور زندہ دل کردار ڈاکٹر وزیر آغا کے ایک مضمون میں کی گئی تعریف پر پورا اترتے ہیں جس میں وہ کہتے ہیں:

"مزاح نگاری کا چوتھا حربہ مزاحیہ کردار (Humorous Character) ہے۔ وہ مزاحیہ کردار جس کی بدولت تمام کا تمام ماحول مضحکہ خیز صورت اختیار کر جاتا ہے۔

بے شک مزاحیہ کردار کو نمایاں کرنے کے لیے پہلے ایک مناسب ماحول پیدا کرنا ازبس ضروری ہے۔ تاہم جب ایک بار اس انوکھے کردار کی تخلیق ہو جاتی ہے تو پھر اس کا سرسری کا تذکرہ ہی ماحول کی ساری سنجیدگی کو انحطاط پذیر کر دیتا ہے۔ مثال کے طور پر ڈان کوکزوٹ (Don Quixote) یا خوجی کا نام ہی لیا جائے تو ہم ہنسنے کے لیے غیر ارادی طور پر تیار ہو جاتے ہیں۔ عام زندگی میں ہی دیکھیے کہ مولویوں، فلاسفروں یا نہنگ سکھوں کے متعلق لطیفوں محض مولوی، فلاسفر یا سکھ کے لفظ ہی سے ایک غیر سنجیدہ فضا کی تعمیر کر لیتے ہیں اور ناظر کے ہونٹوں پر تبسم کی ایک ہلکی سی لکیر پیدا کر دیتے ہیں۔" [17]

اہم بات یہ ہے کہ ابن صفی کی مزاح نگاری میں ایک بے ساختہ پن ہے۔ اس 'شوخی تحریر' میں کسی قسم کی بناوٹ نہیں ہے بلکہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ مصنف گویا کسی قسم کی ذہنی محنت کے بغیر ہی اسے لکھتے چلے گئے ہیں۔ یہ تاثر آتا ہے جیسے ابن صفی کے کردار آپس میں ہنسی مذاق میں مصروف تھے اور مصنف نے گویا ان کی باتیں سن لیں اور انہیں تحریر کا حصہ بنا ڈالا۔ اور تحریر بھی کیسی؟ جاسوسی ناول ایک خشک موضوع ہے۔ ابن صفی نے اس خشک موضوع پر اپنی خداداد صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے مزاح کے عنصر کی آمیزش سے اسے شگفتہ نثر کی شکل دی ہے۔ فریدی اور حمید کی آپسی نوک جھونک، علی عمران کی شوخی اور شرارتیں اور اس کا اپنے ملازمین سے پرمزاح سلوک، قاسم کی حماقتیں، انور اور حمید کی ایک دوسرے پر چوٹیں...... یہ سب یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہمارے گرد و پیش میں رونما ہو رہا ہے۔ نظام الدین نے ابن صفی کی طنز و مزاح نگاری کے تعلق سے کیا خوب کہا تھا کہ:

"ابن صفی کے کرداروں نے پژمردہ ذہنوں کو اپنی مسکراہٹوں کی قندیل سے روشن کیا ہے۔ مردہ جسموں کو طاقتور بنایا ہے اور مردہ دلوں کو قہقہے لگانے پر مجبور کیا ہے۔ حمید جیسے رومان پرست اور قاسم جیسے دبیل، احمق اور عقل سے پیدل کرداروں کی وجہ سے یکسانیت کا احساس نہیں ہونے پاتا اور ان کرداروں کی نت نئی مضحکہ خیز حرکتیں مردہ سے مردہ دلوں کو بھی بے تحاشا دل کھول کر ہنسنے پر مجبور کر دیتی ہیں اور سنجیدہ ترین آدمی کے لبوں پر بھی تبسم کی کلیاں کھل جاتی ہیں۔ عمران کی پہلو دار شخصیت میں مزاح اس کا

سب سے بڑا وصف ہے۔جمن [جیمسن] کا کردار بھی کچھ اسی قسم کا ہے۔آخری دور کے دس پندرہ ناولوں میں طنز وابن صفی نے اپنے ایک خاص ڈھنگ سے اپنایا ہے اور خاص طور سے عالمی سیاست پر اس دور کے حالات پر مختلف انداز میں طنز کرتے نظر آتے ہیں۔" (نئے افق۔کراچی)

ابن صفی کے ناولوں میں ایسے ٹکڑے جا بجا ملتے ہیں جہاں وہ ایک مستند مزاح نگار کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر خالد جاوید "ابن صفی کے ناولوں میں مزاح کا عنصر [جاسوسی ناول میں] "واقعے" کی ہیبت ناکی کو کم کر کے اسے روزمرہ کی زندگی کا ایک معمولی پہلو بنا دیتا ہے۔"[18]......چند مثالیں ملاحظہ کیجیے:

"تم کرو گے شادی" سر سلطان نے مسکرا کر پوچھا

"ارے اب کیا کروں گا شادی۔ والد صاحب بوڑھے ہونے کو آئے۔نظر بھی کمزور ہوگئی ہے۔لہذا میرا سہرا اتنی صفائی سے نہیں دیکھ سکیں گے۔اور میں اسے اپنی توہین سمجھتا ہوں کہ کوئی عینک لگا کر میرا سہرا دیکھے"۔عمران نے کہا۔

☆

"شاباش میرے شیر"۔فریدی مسکرا کر بولا۔ "تمہیں راہ پر لانے کے لیے ہمیشہ ایک عورت کی ضرورت رہتی ہے۔"

"جی ہاں! میری پیدائش کے سلسلے میں بھی ایک عورت کی ضرورت پیش آئی تھی۔" حمید جل کر بولا

"ارے تم تو فلسفہ بولنے لگے"۔فریدی نے کہا

"قدر دانی کا شکریہ"

☆

"عورت کو اللہ پاک نے مرد سے برتر بنایا ہے۔اس کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ اسے مردوں کے مقابلے میں بہتیری سہولتیں نصیب ہیں۔مثلاً اسے روزانہ صبح اٹھ کر مردوں کی طرح

شیو نہیں کرنی پڑتی......سبحان اللہ......اس نے عورتوں کو فارغ البالی عطا کر دی ہے۔ جناب تیسرا سائنٹیفک ثبوت یہ ہے کہ مرد ایک اور ایک دو نہیں ہو سکتا جبکہ عورت ایک اور ایک تین ہو جاتی ہے۔چار ہو جاتی ہے۔پانچ ہو جاتی ہے اور علی ہذا القیاس روس میں تو ایک درجن اور ڈیڑھ درجن ہو جانے والی عورتوں کو انعام ملتے ہیں۔"

حوالاجات:

1. اردو ادب میں طنز و مزاح۔ڈاکٹر وزیر آغا۔مکتبہ عالیہ،لاہور،1977
2. ایضاً
3. مشتاق احمد قریشی کو انٹرویو۔ماہنامہ نئے افق،کراچی۔اگست1986
4. میرا آئیڈیل۔نکہت ریحانہ۔ماہنامہ نئے افق۔کراچی۔اگست1986
5. Stéphane Mallarmé فرانسیسی شاعر و دانشور۔تاریخ پیدائش:۱۸ مارچ ۱۸۴۲۔تاریخ وفات:9 ستمبر 1898
6. محمد خالد اختر۔فن اور شخصیت۔اکادمی ادبیات پاکستان
7. جوش ملیح آبادی اور ان کی خودنوشت آپ بیتی 'یادوں کی برات' کی جانب اشارہ ہے۔چند روز قبل مئی ۲۰۱۳ میں کراچی سے "یادوں کی برات" کا دوسرا حصہ شائع ہوا ہے اور اس کے ساتھ ہی جریدہ جوش شناسی کا 'یادوں کی برات' نمبر بھی پیش کیا گیا ہے۔ان دونوں کے مرتب ڈاکٹر ہلال نقوی ہیں۔اول الذکر میں احبابِ جوش کے کل ۱۰۱ ایسے خاکے شامل ہیں جو پہلے ایڈیشن میں شامل نہیں تھے۔جبکہ جوش شناسی کے مذکورہ شمارے میں تازہ مضامین کے ساتھ ساتھ 'یادوں کی برات' پر مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا ماہر القادری کے تند و تیز مضامین بھی شامل کیے گئے ہیں۔ابن صفی کا جوش اور ان کی خودنوشت سے متعلق یہ کہنا کہ "ابھی حال ہی میں ایک بڑے میاں نے اپنے ڈیڑھ درجن عشق تحریر فرمائے ہیں اور ان پر بچوں کی طرح قلقاریاں مارتے رہتے ہیں"۔طنز و مزاح سے بھرپور تبصرہ ہے۔یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ "یادوں کی برات" اردو ادب کی متنازعہ ترین خودنوشتوں میں سے ایک ہے۔آج ۴۳ برس گزر جانے کے بعد بھی اس کتاب پر عمومی اور حضرت جوش کے تحریر کردہ اٹھارہ معاشقوں پر خصوصی بحث ہوتی نظر آتی ہے۔
8. مہلک شناسائی۔جاسوسی دنیا۔ناول نمبر 104
9. قتیل شفائی کی غزل کا مصرع

10. مجھے شعری مجموعوں سے بچاؤ۔ مشاہدات وتاثرات' گیان چند جین' فضلی سنز' کراچی' 2000
11. لڑکیوں کا جزیرہ۔ عمران سیریز۔ ناول نمبر 10
12. استاد محبوب نرالے عالم (وفات: 6 جولائی 2005) کراچی سے تعلق رکھنے والے ایک مجذوب نما انسان تھے جنہیں ابن صفی نے اپنے ناولوں کا کردار بنا کر امر کر دیا۔
13. یادوں کی برات۔ شاہد منصور' ماہنامہ نئے افق، کراچی۔ اگست 1993
14. شہر کراچی کا ایک علاقہ
15. شہر لاہور کا ایک ایسا قدیم علاقہ جہاں جسم فروشی کا کاروبار ہوتا ہے۔
16. پنڈت برج نرائن چکبست۔ شاعر، ادیب و نقاد۔ تاریخ پیدائش: 19 جنوری 1882، تاریخ وفات: 12 فروری 1926، رائے بریلی، بھارت
17. مزاح اور مزاح نگاری۔ ڈاکٹر وزیر آغا۔ جریدہ نقوش۔ لاہور۔ 1959
18. ابن صفی چند معروضات۔ ڈاکٹر خالد جاوید۔ اردو ادب۔ دہلی۔ مئی جون 2006

جناب راشد اشرف' کراچی کے اُردو حلقے میں ادیب' کالم نگار اور مبصر کی حیثیت سے معروف ہیں۔ ابن صفی پر دو کتابوں ''ابن صفی: شخصیت اور فن'' اور ''ابن صفی: کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا'' کے مصنف۔ ابن صفی پر ایک ویب سائٹ www.wadi-e-urdu.com لانچ کی جو نہایت مقبول ہے۔

ابن صفی اور عصری حسّیت

پروفیسر عقیل ہاشمی

ادب کی عظمت میں زمانہ یا عہد کا بڑا حصہ شامل ہوتا ہے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ ادیب' شاعر اور فنکار اپنے عہد ہی کی ترجمانی کرتا ہے یا خود ہی اس دور کا عکاس ہوگا، اس کے لئے کسی طرح کے فلسفہ یا نظریہ کی ضرورت نہیں۔ دراصل آدمی جس عہد میں سانس لیتا ہے اس کے بارے میں نہ صرف سوچتا ہے بلکہ اپنے اطراف واکناف' ماحول ومعاشرہ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ بسا اوقات اس کی یہ کیفیت خود آپ ہی کی تلاش کے تحت ہوتی ہے۔ کہتے ہیں ہر شخص ساری عمر اس سلسلے میں ہراساں وسرگرداں رہتا ہے کہ وہ کسی طور اپنے ضمیر کی آواز کو پہچان لے۔ اس سے ناآشنا یا بیگانہ' نہ رہے۔ تہذیبی اعتبار سے یہ کوشش نشیب وفراز سے دوچار ہوگی لیکن زندگی یا معاشرہ کی صورت گری کے لحاظ سے اضافی نہیں۔ شاید اسی کو ''عصری حسّیت'' کہتے ہیں، جس کا پیمانہ وقت ہے اور حرکت یا جدوجہد اس کی روح۔ یوں کسی بھی انسان کی صلاحیتیں اندھیرے سے اُجالے کی سمت ایک سفر' مسلسل سفر کا عنوان بن کر اس کے ساتھ ساتھ رہتی ہیں اس طول طویل سفر میں اس کا عہد ایک درمیانی کڑی سے جُدا نہیں جو اس کے ماضی اور مستقبل کی نشاندہی کرتا ہے۔

ہمارے عہد' پچھلی نصف صدی میں اُردو ادب کا جو کچھ بھی معیار وشعار ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ وزن ووقار' سمت ورفتار کی بحث کے قطع نظر آج کا ادب' ادبیات سے کم فروعات سے زیادہ متعلق ہے۔ اس مرحلہ پر ابن صفی' کی تحریریں (ناولیں) یقیناً ہمیں چونکا دیتی ہیں۔ ابن صفی محض ادیب نہ تھے بلکہ اپنے عہد کے عینی شاہد' نبّاض اور اس کے شریک تھے۔ اُس وقت کے متحدہ ہندوستان میں جاری آزادئ وطن کی جدوجہد' اقلیت واکثریت کے حسّاس فرقہ

وارانہ ماحول‘ مستقبل کی تہذیبی تبدیلیوں کی سرگرمیوں سے وابستہ ایک فرد تھے۔تب ہی تو ابن صفی کی ’’عصری حسّیت‘‘ کو سمجھنے کے لئے اس رجحان‘ مزاج اور مذاق کی چنداں ضرورت ہوگی جس کے ذریعے علم وادب کی دنیا میں ایک نئے انقلاب کے آثار رونما ہوں۔یہ سچ ہے کہ فطرت کی سرکش اور ناموافق قوتیں انسان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوتی ہیں وہ اس کے ساتھ کسی صورت ہم آہنگ نہیں ہوتیں۔اس کے عزائم سے اکثر متصادم بھی ہوتی ہیں ان پر قابو پانا ایک اہم اور مشکل کام ہے جس کے لئے غیر معمولی قوت کا ہونا لازم ہے۔اسی کو فلسفۂ اخلاق‘ خیر وشر کے مختلف مراحلے سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔جہاں تک فردِ واحد کے خیر وشر کا تعلق ہے وہ قابلِ فہم ضرور ہے مگر جب اس کا دائرہ عمل فردِ واحد سے گزر کر دوسرے افراد یا معاشرے کو متاثر کرے تو اس میں پیچیدگی در آئے گی۔

چنانچہ یہ بات واضح ہوگی کہ جو عمل ایک کے لئے نافع اور خیر ہے وہ دوسرے کے لئے مضر اور شر ہوسکتا ہے۔ذاتی احساسات اور ذاتی رغبتیں ہی سچائی اور خیر کا معیار ہیں چونکہ خیر وشر کی کوئی اطلاقی قدر وقیمت نہیں اس لئے اس کا تعین کسی نہ کسی قانون یا معاہدے کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔یہی اس کی صحیح مسرت ہے۔شاید سقراط نے خیر کو ایک طرح سے علم وبصیرت کا مرادف قرار دیا ہے۔سب سے بڑا ’خیر یہی ہے کہ آدمی یہ جان لے کہ کیا ہونا چاہیے اور کیا نہ ہونا چاہیے۔ جو ہونا چاہیے وہ خیر ہے اور جو نہ ہونا چاہیے وہ شر ہے۔ابن صفی کی سبھی ناولوں میں اسی خیر وشر کی جنگ نظر آتی ہے اور خیر ہمیشہ فتحیاب ہوتا ہے اور شر کا سدا منہ کالا ہوگا۔ابن صفی کے نزدیک یہی سب کچھ قانون کی بالا دستی کی صورت سے بھی نظر آتا ہے۔اس سے قبل کہ ابن صفی کے ناولوں میں ’’عصری حسّیت‘‘ کے نمونے تلاش کئے جائیں۔ضروری ہوگا کہ عصری حسّیت کے ادراک وتعقل کا جائزہ لیا جائے۔

قدیم سے قدیم زمانے میں بھی فرد وجماعت کا رشتہ رہا ہے انسان طبعی طور پر خودغرض‘ حرص وہوس‘ قوت وجبروت کا عادی کمزوروں کا استحصال کرتا آیا ہے جبکہ کچھ خودساختہ قوانین بنیادی لحاظ سے تعقل کا اظہار کرتے ہیں اور اُن کا ادراک مجبور ومختار کی اصطلاحوں پر غور بھی کرواتا

ہے۔ویسے بھی انسانی صلاحیتیں یکساں نہیں ہوتیں۔کچھ لوگ جبر وتشدّد کو یکسر پسند نہیں کرتے اور کچھ شعوری طور سے معاملہ فہم یا صلح جو ہوتے ہیں۔ایسے میں چند ذی عقل‘ صاحب سمجھ افراد انسانی فضائل‘ علم وحکمت‘ عدالت وصداقت کی فضلیت کو نافذ کرنا چاہتے ہیں جو کسی مداخلت یا جبر کے بغیر ہر فرد اور طبقے کے لئے قابل قبول ہوجاتی ہے اور پھر اقتدار اور حکومتی سطح پر اس کا اطلاق عمومیت سے ہم آہنگ ہوجاتا ہے۔یہی انسانیت کی شروعات ہوگی۔دستور یا قانون کی بالا دستی اور اس کا یکساں برتاؤ امن وآشتی مساوات کا ضامن ہوجائے گا۔

یونانی فلسفہ خصوصاً ارسطو کے نزدیک مثالی ریاست اگرچہ ایک سرّی یا اشرافیہ ہے لیکن لوگوں کی سرشت ان کی جبلّت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا میلان ایک امن پسند ماحول کے لئے لازمی ہے۔اور انسانی برداری کے لئے مساوات کا تخیل اور قانونِ فطرت کا نظریہ ناقابل تغیر وتبدیل ہوگا۔ابن صفی نے اپنی دانست میں اسی نظریۂ حیات کو آفاقی سطح پر دیکھا اور دکھانے کی دانستہ اور شعوری کوشش کی ہے۔جس زمانے میں انہوں نے لکھنا شروع کیا وہ کس قدر پرآشوب‘ دگرگوں بلکہ ہنگامہ خیز تھا اس بارے میں کوئی دورائے نہیں۔دو عظیم جنگیں 1914ء اور 1945ء انسانیت کو پارہ پارہ کرچکی تھیں۔اقوام عالم میں رسہ کشی‘ اقتدار کی ہوس‘ طاقت کا بیجا استعمال‘ استعماریت نیز بھوک‘ افلاس‘ غربت کے عفریت اپنے دائرہ عمل کو وسیع سے وسیع کرنے پر آمادہ ہی نہیں بلکہ عمل پیرا تھے۔

ابن صفی نے جاسوسی ادب کے حوصلہ مند قارئین کے ذہن کو قانونِ انسانیت اور قانونِ الٰہیہ دونوں سے واقف کروایا۔ابتداءً ہی ابن صفی نے اس حقیقت کو واضح کیا کہ انسان اپنے اطراف واکناف کی زندگی کو جرائم سے پاک وصاف رکھے معاشرہ میں نیکی ومثبت سوچ کے ساتھ ساتھ تعمیر وتوقیر کی بات ہو۔چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ’’میں سوچتا رہا......سوچتا رہا‘ آخر کار اس نتیجہ پر پہنچا کہ آدمی میں جب تک قانون کے احترام‘ کا سلیقہ نہیں پیدا ہوگا یہی سب کچھ ہوتا رہے گا یہ مرا مشن ہے کہ آدمی قانون کا احترام کرنا سیکھے اور جاسوسی ناول کی راہ میں نے اسی لئے منتخب کی تھی‘‘

(میں نے لکھنا کیسے شروع کیا عالمی ڈائجسٹ 1970ء)

ابن صفی کی اس اعلیٰ تخلیقی استعداد و قابلیت کا احتساب کرتے ہوئے ''ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ'' کے فاضل مرتب محمد عارف اقبال لکھتے ہیں کہ:

''ابن صفی کا ادبی نصب العین کا کینویس اس قدر وسیع ہے کہ ان کی ادبی خدمات کے احاطے کے لئے ہزاروں صفحات بھی کم پڑ سکتے ہیں۔ درحقیقت انہوں نے عصرِ حاضر میں زندگی کے جملہ شعبۂ حیات کے مسائل کو موضوع بحث بنایا ہے۔ ان کے نزدیک ''قانون'' کی طرح ''جرم'' کا تناظر بھی بے حد وسیع ہے......ابن صفی کے نزدیک وقت اور حالات کے ساتھ جرائم کی قسم اور نوعیت میں بدلتی رہی ہے سنگین جرائم میں عام طور سے چوری، ڈکیتی، قتل، بلیک میلنگ، فرقہ وارانہ فساد، دہشت گردی اور جنسی تشدد کو شمار کیا جاتا ہے لیکن موجودہ سائنس و ٹکنالوجی کے عہد میں جرائم کی اتنی شکلیں پائی جاتی ہیں کہ بسا اوقات عقل حیران رہ جاتی ہے''۔

(مضمون ابن صفی کا ادبی نصب العین، ص18)

ابن صفی نے اپنی ناولوں میں قانون اور جرائم کی جہاں مختلف جہتیں پیش کیں وہیں انہوں نے صاف انداز سے جرم سے نفرت کرنا سکھایا جبکہ مجرم سے ہمدردی کے جذبات دکھائے اور تو اور، ان جرائم سے پیدا ہونے والے مسائل کے خاطر خواہ علاج کی جانب اشارے بھی کیے ہیں۔ ابن صفی نے یوں تو جاسوسی ناول نگاری کا آغاز بیسویں صدی کے نصف دوم' سے کیا اور لگ بھگ تین دہوں تک چھائے رہے اس دوران انہوں نے اپنے عہد کے تناظر میں مختلف تجربات کیے اس میں نفسیات، حسّیات، مہمات، سائنسی ایجادات کے ساتھ ساتھ سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیوں، یورپ اور امریکہ کی عالمی سازشوں نیز مغربی تہذیب کی مکاریوں کو بڑی چابکدستی، دوربینی، گہرائی و گیرائی اور ادبی چاشنی سے اُجاگر کیا۔ ان کا ہر ناول تخلیقی شعور کے ہمراہ سیاسی، سماجی منظر، پس منظر اور عصری بے چینیوں سے مربوط ہے۔ کمالِ فن یہ کہ وہ کسی مرحلے پر بھی قانون کے اہمیت و افادیت سے دست کش نہیں ہوتے۔ یہ صحیح ہے کہ ان کی ابتدائی ناولیں عام نوعیت کے جرائم سے قریب لگتی ہیں لیکن جلد ہی انہوں نے ایسے ایسے موضوعات پر قلم اُٹھایا جسے ''غیر معمولی'' کہا جا سکتا

ہے۔ یوں تو ابن صفی کا ہر ناول عام طور پر مکمل ہوتا لیکن بعض ناولیں سلسلہ وار ہوتیں اور ان کے مجرم پیشہ ور ہوتے اور کبھی کبھی سوسائٹی کے معزز نامی گرامی سفید پوش ہوتے یہ تمام کردار قومی، بین الاقوامی بھی ہوتے بقول کسے ابن صفی کے موضوعات بڑے متنوع، منفرد اور فکر انگیز ہوتے ہیں ان میں بے ایمانیاں، بدعنوانیاں، ناانصافی، تخریب کاری کے پہلو بہ پہلو بڑی بڑی طاقتوں کے بدنیتی، سازشیں سبھی کچھ صاف نظر آتی ہیں۔ تجزیاتی زاویہ سے دیکھیں تو ان کے بیشتر ناول ''عصری حسّیت'' سے مملو، مجرمانہ حرکتوں کے خلاف ''کامیاب سدباب'' کو دکھلاتے ہیں وہ اپنے اسلوب کی شگفتگی، سلاست، ندرت اور جاذبیت سے بھی قاری کو محسوسات کی دنیا میں لا کھڑا کرتے ہیں۔ چنانچہ انسانی فطری حرص و ہوس کی تصویریں جابجا نظر آتی ہیں۔ اپنے محض دوسرے ہی خاص نمبر ''شاہی نقارہ'' (اکتوبر 1953ء) میں حکیم ارسلانوس کی یہ کیفیت دیدنی ہوگی۔

''تختِ عقرب روشنی میں دمک رہا تھا اور اس میں جڑے ہوئے ہیرے جگمگا رہے تھے ارسلانوس نے اسے اس طرح دبوچ رکھا تھا جیسے وہ انتہائی محبت سے کسی بچے کو پیار کر رہا ہو اور اس کے خون کی بوندیں تخت سے زمین پر رس رہی تھیں۔''

(جاسوسی ادب کتابی سلسلہ 14 فریدی حمید سیریز پُر اسرار آواز 14/جولائی 2006ء)

ابن صفی نے اپنے جادو نگار قلم کے ذریعے زندگی کی ہر جہت کا احاطہ کیا ہے اپنے لافانی کرداروں فریدی، حمید، عمران کے علاوہ کیپٹن فیاض، انوار، رشیدہ، جولیانا فٹز واٹر، روشنی اور قاسم کے ساتھ ساتھ سازشی گھناؤنے مجرمانہ ذہنیت کے حامل کرداروں کو بھی اس طرح پیش کیا کہ وہ قارئین کے دل و دماغ سے محو نہیں ہو سکتے جیسے لیونارڈ، عظیم لوزاٹا، جیرالڈ شاستری، ڈاکٹر نارنگ، کنور شمشاد، سنگ ہی، الفانسے، اور پھر بین الاقوامی دہشت گر تنظیم زیرولینڈ کی سربراہ تھریسیا، نانوتہ اور اس کے زیر اثر کارندے بُھلائے نہیں بھول سکتے۔ ابن صفی کی تحریریں اپنی کیفیت اور کمیت دونوں طرح سے بے راہ روی، جرم کے خلاف اپنا ایک واضح نظریہ رکھتی ہیں۔ ان میں تحیر خیزی، سنسنی، موضوع کا انوکھا پن معاشرہ میں نئی فکر و آگہی سے وسعت اور زندگی پیدا کرتا ہے۔

خصوصیت سے دنیا بھر میں رونما ہونے والے واقعات کے ہمراہ حکومتی سطح پر سفارت خانوں کی ریشہ دوانیوں' تخریب کار ایجنٹوں کی اخلاق سوز بلکہ انسانیت کو تباہی کے دہانے پر پہنچانے والی برائیوں کی منصوبہ بندی' ترقی پسند ممالک کے درمیان ہنگامے' سیاسی استحصال' ظلم وتشدّد کی کارستانیوں' منشیات کا پھیلاؤ' قتل وغارت گری' انتقامی کاروائیوں' سفاکی' بربریت' جنسی ہوسنا کی' خوں ریزی ایسی ہولناک بھیانک مناظر دکھائے کہ الامان والحفیظ۔ جیسے اپنے مشہور خاص نمبر لاشوں کا آبشار (جون 1956ء) کے مسٹر کیو ڈاکٹر نارنگ کے پاگل پن خطرناک کمپلیکس کا اظہار، جب عدالت میں وہ یہ کہتا ہے:

''کسی موہوم ہستی کو درمیان میں لانے کی ضرورت نہیں۔ میں جو کچھ بھی کہوں گا۔۔۔ سچ ہی کہوں گا البتہ میں بہتے ہوئے خون کی قسم کھا سکتا ہوں کیونکہ خونریزی ہی میرا مذہب ہے...... میں کہتا ہوں کہ جو مقصد کسی مذہب کا ہوسکتا ہے وہی میری خونریزیوں کا بھی ہے۔ مذہب انفرادی اور اجتماعی سکون کا ذریعہ ہے اور میں صرف انفرادیت پر یقین رکھتا ہوں۔ محض اس لئے کہ اجتماعی زندگی نے مجھے حرامی قرار دیا تھا حرامی! ہاں میں حرامی ہوں۔۔۔''

(جاسوسی ادب کتابی سلسلہ ۵' فریدی حمید سیریز دردناک انجام دسمبر 2004، ص246)

ابن صفی نے معاشرے میں پھیلنے والی بدعنوانیاں اور افراد کی سادہ لوحی کو درندگی سے بدلتے حالات کی عکاسی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ اسی طرح گولڈن جوبلی نمبر شعلوں کا ناچ (اپریل 1956ء) اپنی نوعیت میں اس قدر انوکھی اور غیر معمولی کہانی تھی جو پہلی مرتبہ ''طاقت'' کے روپ سے ابھری۔ کنور شمشاد' عالمی دہشت گرد تنظیم کا نمائندہ بن کر سامنے آتا ہے اور اس فلسفۂ حیات کو واضح کرتا ہے جو پوری دنیا کو طاقت کے بل بوتے پر غلام بنانا چاہتا ہے۔ کیا یہ ابن صفی کی ''عصری حسیّت'' کی روشن مثال نہیں، ان کی بیدار مغزی عالمی تناظر کی غمازی نہیں کررہی ہے۔ شعلہ سیریز میں اسی طاقت وجبروت کے مجرمانہ انداز کو کس متاثر کن انداز میں دکھایا گیا ہے جب کرنل فریدی کراغال کی مہم کے دوران خود غرض' فرعونیت کے مکروہ' مہیب چہرے

سے نقاب الٹا دیتا ہے اور عصر حاضر کی منفی سوچ غالب نظر آتی ہے۔

''سنو! جس طاقت کو تم غلط سمجھے ہو وہ صرف خدا کی طاقت ہے جو ہمیں اور تمہیں طاقت عطا کرکے رحم کرنا سکھاتی ہے۔ طاقت کا صحیح مظاہرہ یہ نہیں ہے کہ تم کمزوروں کو مسل دو بلکہ طاقت کا صحیح مظاہرہ اس وقت ہوتا جب ہم اپنے نفس سے جنگ کرتے ہیں۔ اپنے اندر بھپرے ہوئے وحشی کو ابھرنے نہیں دیتے۔ جب تک کہ افراد کی داخلی تنظیم اس نظریے کے تحت نہ ہوگی بہتر سے بہتر نظام حیات بھی دیرپا ثابت نہ ہوسکے گا۔ تم آج ایک نظام سے اکتا کر دوسرے نظام کی بنیادیں رکھتے ہو مگر کل وہ بھی ڈھیر ہوجائے گا کیونکہ اُسی پرانی زمین پر پیر رکھ رہے ہو جس کے نیچے آتش فشاں سوتے ہیں پہلے اس آتش فشاں کو ٹھنڈا کرو''۔

(جاسوسی ادب کتابی سلسلہ 30' فریدی حمید سیریز جہنم کا شعلہ' مارچ 2009، ص234)

اس منزل پر اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ سرّی ادب میں ابن صفی نے اپنے وہ انمٹ' لازوال نقوش مرتسم کیے جو کسی طور پر محو نہیں کیے جاسکتے۔ ایک تازہ ذہن تخلیق کار کے اشہب قلم سے زمانے کے نشیب وفراز ہنگامہ خیزیاں کس شدومد سے عوامی ذہن پر چھا جاتی ہیں اس کا اندازہ کرنا ہو تو پھر ابن صفی کے شاہکار ناولوں کا مطالعہ ضروری نہیں لازمی ہوجاتا ہے۔ جس میں خیر وشر کی محض روداد ہی نہیں ملتی بلکہ زندگی کو ہر آن ہر لمحہ اتھل پتھل کرنے والی تبدیلیاں' دعوت غور وفکر دیتی ہیں۔ ادھر ذاتی مفادات آپسی منافرت بھی معاشرہ میں فساد کا موجب ہوجاتی ہے اس کی بہترین مثال ڈاکٹر ڈریڈ اور فنچ کی صورت میں سامنے آتی ہے۔

'''ننھا شیطان کہہ رہا تھا'' بیکار ہے ڈاکٹر! تم مجھ سے اتنی بلندی پر واقع ہوئے ہو کہ مجھ تک تمہاری گرج تقریباً ایک ہزار دوسو پچھتر سال میں پہنچے گی لیکن اُس یتیم لڑکی...... کی چیخیں ہر وقت میرے کانوں میں گونجتی رہتی ہیں جو صرف تیرہ سال کی تھی۔ تیرہ سال کی ننھی سی جان...... جسے تم بڑی بے دردی سے اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھا دیا اور جس کی لاش دوسری صبح سڑک پر پڑی اونچی اونچی عمارتوں پر طنز کررہی تھی۔''

(جاسوسی ادب کتابی سلسلہ 32 فریدی' حمید سیریز لاش کا قہقہہ مئی 2009، ص312)

جاسوسی دنیافریدی حمید سیریز کے علاوہ جہاں تک عمران سیریز کا تعلق ہے ابن صفی نے اگست 1955ء میں ''خوفناک عمارت'' لکھ کر شروعات کی تھی جس نے دنیائے ادب میں ایک تاریخ بنائی۔ان ناولوں میں موضوعات کی ہمہ گیریت نے برصغیر ہندو پاک کے سارے ریکارڈ توڑ دیے۔ان میں زیادہ تر بین الاقوامی سازشوں' سفارتوں کے مابین ٹکراؤ' جدید جوہری اسلحہ جات کی تخریب کاری' دشت وصحرائی مہمات کی نشاندہی اور سب سے بڑھ کر یہودیت یا صیہونی تسلط خصوصاً زیرو لینڈ کے تحت کام کرنے والے مجرموں کی گھناؤنی حرکات کی تفصیلات پیش کیں۔ اپنے انتقال تک انہوں نے کوئی (122) ناول لکھے اس میں پیاسا سمندر(نومبر 1957ء)، ظلمات کا دیوتا (1959ء)، بے آواز سیارہ (مارچ 1960ء)،ڈاکٹر دعا گو(1964ء)،شوگر بینک 1967ء ،علامہ دہشت ناک (فروری 1976ء) اور جنگل کی شہرت (جولائی 1977ء) جیسے کئی لاثانی شہکار ملتے ہیں۔عمران سیریز کی بیشتر ناول بقول لئیق رضوی:

> ''ابن صفی کے بعض ناول تو مستقبل کی آہٹوں کو سموئے ہوئے ہیں سیاسی سازشوں' جنگی جنون اور ہتھیاروں کی ہوڑ کے ساتھ ساتھ ان میں اس تخریبی اور دہشت گردانہ فکر کے مارے انتہائی خطرناک کرداروں سے بھی ہمارا سامنا ہوتا ہے جو اپنی سَنک میں انسانیت کے دشمن بن گئے ہیں۔ان میں ولمین جیسے سائنس داں بھی ہیں اور ساکاوا جیسے دہشت گرد بھی کنگ چانگ' دھوئیں کا حصار' سمندر کا شگاف' زلزلے کا سفر اور بلیک اینڈ وہائٹ ایسے ہی ناول ہیں۔1970ء کے دہے میں جب یہ ناول منظر عام پر آئے تھے انہیں سائنسی فکشن کی تخیلاتی اڑان سمجھا گیا تھا۔لیکن آج کے تناظر میں یہ ایسا آئینہ ہے جہاں ہمارے عہد کا کالا اور کڑوا سچ نظر آتا ہے''۔

(ابن صفی :مشن اور ادبی کارنامہ مضمون ابن صفی کی معنویت'عصر حاضر کے تناظر میں،ص277)

ابن صفی کی پیش گوئی۔ دوربینی عالمی سطح کی مجرمانہ سرگرمیوں کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہوگا کہ انہوں نے بڑی بڑی طاقتوں کی بدنیتی کو بہ بانگ دہل بیان کیا۔استعماریت کے پھیلاؤ کو مختلف طریقوں سے واضح کیا۔اس کے علاوہ زیرو لینڈ کی سربراہ تھریسا کی پلاننگ اس کا

مقصد اور ساری دنیا پر حکومت قائم کرنے کا راز کھول دیا' اور یہ حقیقت ہے۔

> ''جنوبی آفریقہ ایٹمی طاقت بننا چاہتا ہے اُسے ری پروسیسنگ پلانٹ کی ضرورت ہے لیکن اُس نسل پرست پالیسی کی بناء پر ساری دنیا میں اس کی مخالفت ہورہی ہے۔ بڑی طاقتیں بھی اس کے حق میں نہیں ہیں کہ وہ ایٹمی طاقت بنے لیکن ایک بڑی طاقت اسے ایٹمی طاقت بنانا چاہتی ہے۔اس لیے وہ چوری چھپے جنوبی افریقہ کی سفید فام حکومت کی مدد کرنا چاہتی ہے۔دوسری بڑی طاقت کو اس کی سُن گُن مل گئی تھی لہذا اس کے بحری جہازوں نے اُن راستوں کی نگرانی شروع کردی جن سے یہ کالی مدد افریقہ تک پہنچنے کا امکان ہوسکتا ہے۔''

(جاسوسی ادب کتابی سلسلہ 56 عمران سیریز جنگل کی شہریت فروری 2003،ص316)

بہر حال ابن صفی نے ہمارے ملک ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر جرائم اور قانون کی بالادستی کو واشگاف کیا جو عام طور سے پوشیدہ ہوتی ہے۔انہوں نے انسانوں کے درمیان استحصالی جذبوں' آزمائشوں کے ناطے زندگی کے مسائل کو فکری وفنی لحاظ سے عصرِ حاضر کے تقاضوں کی روشنی میں دکھلانے سعی جمیل کی جس کے نتیجے میں ہمارے معاشرے میں یہ شعور اور بھی گہرا ہوتا گیا کہ آج تہذیبی آثار' نفسیاتی رجحان ہی نہیں بلکہ ہر ہر عنوان سے بگاڑ کو بڑھاوا مل رہا ہے۔ان عوامل میں بڑی حد تک سائنسی اکتشافات کے تئیں اسمگلنگ' جنسی بربریت' لوٹ کھسوٹ اور نہ جانے کتنی ہی باتیں ابن صفی کے وژن کو وسیع سے وسیع کردیتی ہیں۔ ابن صفی کے ناولوں کا باالاستعاب مطالعہ رفتہ رفتہ عصرِ جدید سے جدید تر عہد کی نشاندہی کرتا ہے۔ابن صفی نے کبھی ٹی وی کی شروعات ہی میں ریموٹ کنٹرول کی جانب اشارہ کیا اور کبھی جیرالڈ شاستری کے زہر آلودہ دماغ میں پیدا ہونے والے فساد نے دو انسانوں اور بندر کے بدن کے اختلاط سے ''قوی الجثہ درندہ'' بنانے کی کارستانی کا خیال پیش کیا۔کبھی ''فے گراز'' کی آمد سے دنیا کو حیرت زدہ کردیا۔ نیز دنیا بھر میں یہودیت' استبدادیت اس کی سازشوں کو بے نقاب کیا۔ٹھیک اسی طرح شعلہ سیریز میں لیزر کی تخریب کاری کے علاوہ دیگر کئی امور کسی سے پوشیدہ نہیں۔انہوں نے بارہا اپنی تحریروں

میں صیہونی ذہنیت کے زہریلے پن کو آشکار کیا ہے اس سلسلے میں مشتاق احمد قریشی لکھتے ہیں:

''یہودی سازشوں کا گڑھ زیر ولینڈ ڈ صرف ابن صفی صاحب کے ذہن کی اختراع نہیں، بلکہ واقعی یہودی سازشی ذہنوں نے دنیا پر اپنی حکمرانی قائم کرنے اپنے اقتدار کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لئے ایسے کئی غیر معروف مقامات پر اپنے خفیہ اڈے قائم کرر کھے ہیں جن میں سے کئی ایک تو ابن صفی صاحب اپنی تحریروں میں نمایاں کر چکے ہیں، گو بقول ان کے ان کے ناولوں کے نام، مقام، کردار اور کہانی سے تعلق رکھنے والے تمام اداروں کے نام قطعی فرضی ہوتے ہیں۔''

(ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ۔ مضمون ابن صفی کے ناولوں میں صہیونی سازشوں کا انکشاف، ص646)

عبارت مختصر! ابن صفی جاسوسی ادب کے ایک ایسے ''زندہ جاوید'' قلمکار ہیں جن کی ہر کہانی منفرد اور اچھوتی ہوگی۔ ان کے طرز نگارش نے ہر سطح ذہن، ہر طبقۂ خیال کے افراد کو متاثر کیا ان کا ویژن ابتداء ہی سے عالمی سطح کا حامل رہا۔ اردو ادب میں جاسوسی ناول نگاری کا دور صحیح معنوں میں ابن صفی سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے پہلے انگریزی جاسوسی ناولوں کے تراجم خال خال ہی متاثر کرتے تھے۔ اردو زبان و ادب میں تخیل سے زیادہ تخلیق کے جوہر کو آشکارا کرنے میں ابن صفیؔ نے جو کارنامے انجام دیے وہ لازوال اور سدابہار ہیں۔ ابن صفی نے اپنی تحریروں کے توسط سے انسانی معاشرے میں نیکی، صالحیت کو فروغ دینے کا کام بھی انجام دیا۔ انہوں نے سماج میں قانون کی نگرانی میں انسانی کرداروں کو مطلبی، پرستی، ہوس اور اقتدار کے ناپاک ارادوں کو یکسر ٹھکرادیا اور پھر اس کی حیات افروزی میں اضافہ کیا جو اعتدال، انصاف اور سچائی سے عبارت ہے۔ عصر حاضر کے سلگتے مسائل کی بازیافت، مثبت سوچ اور ہر شعبۂ حیات میں روشن ضمیری پیدا کی۔ آخر میں ابن صفی کے قریبی دوست معروف ناول نگار شکیل جمالی کے ان الفاظ میں اپنا مافی الضمیر پاتا ہوں۔

''دنیا میں بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جب وہ اس دنیا سے چلی جاتی ہیں تب یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے لئے کتنی بڑی جگہ بنائی تھی۔ اور ان کی شخصیت کتنی

قد آور تھی......ابن صفی کی ذات بھی ایسی ہی تھی۔ اُن کے چلے جانے سے نہ صرف ادبی دنیا میں زبردست خلا پیدا ہوا ہے بلکہ زندگی کے مختلف گوشوں میں سناٹا محسوس ہو رہا ہے۔''

(ابن صفی کا جاسوسی سنسار از ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ص25)

حواشی/ کتابیات:

1. ادب اور حقیقت از انجم اعظمی، کراچی اشاعت گھر، کراچی پاکستان
2. ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ مولف/ مرتب محمد عارف اقبال، اردو بک ریویو، دہلی
3. ابن صفی کا جاسوسی سنسار از ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی
4. ابن صفی کے جاسوسی ناولوں میں طنز و مزاح از ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی
5. جاسوسی ادب کتابی سلسلہ (فریدی، حمید سیریز) (عمران سیریز) ترتیب محمد عارف اقبال متعدد جلدیں، فرید بک ڈپو، دہلی

پروفیسر عقیل ہاشمی، سابق صدر، شعبہ اُردو، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد۔

ابن صفی: بحیثیت ناول نگار

ڈاکٹر محمود حسن الٰہ آبادی

جاسوسی ناولوں کو صرف اردو ہی نہیں بلکہ مغربی زبانوں میں بھی تفریحی ادب سمجھا گیا ہے اس لئے اس صنف کو ادب میں کوئی مقام حاصل نہیں۔ لیکن یہ موضوع صاحبان قلم کے مزید غور و فکر کا محتاج ہے۔ اس کے بہت سے پہلو ہیں۔ جاسوسی ادب کیا تفریح حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ انشائیے، فکاہیات، مزاحیات، طنزیات، مضحکات، شکاریات اور سیاحات (اور کسی قدر سفر نامے)، یہ تمام اقسام تفریح سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کی ضرورت قاری کو اس وقت ہوتی ہے جب وہ ٹھوس اور سنجیدہ موضوع سے اکتا جاتا ہے۔ بعض لوگ دماغی تکان دور کرنے کی خاطر خالی الذہن ہو کر صرف آنکھیں بند کر لینا کافی سمجھتے ہیں، لیکن جن کا ذوق مطالعہ اس سے آسودہ نہیں ہوتا وہ ذہنی تکان دور کرنے کے لئے ادب ہی کو ذریعہ بناتے ہیں۔ بطور مثال اس کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ کوئی شخص جب چلنے سے تھک جاتا ہے تو ہاتھ اور پاؤں دبوا لیتا ہے۔ اس علاج بالمثل سے اس کی تکان دور ہو جاتی ہے۔ جاسوسی ادب ایک ہلکا پھلکا لٹریچر ہے جو ذہنی تکان کو دور کرنے کے لئے امالہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اپنے اثر میں انشائیات، فکاہیات، طنزیات، مضحکات، شکاریات اور سیاحات سے کم نہیں ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ جاسوسی قصے بالعموم طویل ہوا کرتے ہیں جب کہ مذکورہ اصناف میں اکثر اختصار ہوتا ہے۔

داستان (Fiction) کو ہر زبان میں ادب بزرگ (Classics) کی صف میں جگہ دی گئی ہے۔ ہندوستان میں ناول نگاری کی عمر صرف ایک سو سال ہے۔ افسانوں کو بھی اسی صف میں شامل سمجھ لیجئے۔ ناولوں اور افسانوں کے دو مقاصد بالکل واضح ہیں، ایک تفریح دوسرے تعلیم۔

شروع شروع میں تعلیم بذریعہ تفریح بھی ہوا کرتی تھی جیسے حکایات گلستاں و بوستاں اور کلیلہ و دمنہ وغیرہ لیکن یورپی تنقید کی مختلف خصوصیات کا پرتو جیسے جیسے اردو پر پڑتا گیا اس کے مقصد میں وسعت پیدا ہوتی گئی اور آہستہ آہستہ ان سبھوں کو داستان (Fiction) کے اجزاء میں شمار کیا جانے لگا۔ ایک بحث یہ بھی شروع ہوئی کہ داستانوں کو افسانوں اور ناولوں کی صف میں رکھا جائے یا اس کو ایک خام ادب (Crude literature) کی حیثیت دی جائے۔ جہاں تک ناچیز نے غور کیا ہے مولوی نذیر احمد اور منشی پریم چند سے پہلے کے جو قصے اردو زبان میں خواہ داستانوں اور قصوں کی شکل میں رہے ہوں جیسے طلسم ہوشربا، داستان امیر حمزہ، قصہ گل بکاؤلی، آرائش محفل اور فسانہ عجائب وغیرہ یا وہ اودھ پنچ کے لطائف و ظرائف یا فسانہ آزاد وغیرہ کی دلچسپ بیانیاں یا واقعات ہوں، ان سبھوں کو اگر بنیاد سے خارج کر دیا جائے تو تاریخ اردو کا تسلسل ٹوٹ جائے گا۔ اس لئے ع **پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ۔**

داستان اور ناول کے فرق پر گفتگو اس وقت چونکہ موضوع نہیں ہے اس لئے تکنیکی نکات سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف اتنے پر اکتفا ہے کہ خواہ وہ طویل اور مسلسل داستان رہے ہوں یا ان کا شمار قصوں میں کیا گیا ہو یا ظریفانہ ادبی مجادلات کا حصہ رہے ہوں ان سب کی حیثیت دفع الوقتی اور قارئین کے لئے دلچسپی فراہم کرنے کی تھی۔ لیکن ان سبھوں کو ادب کی تاریخ میں ناولوں اور افسانوں کے پیش رو کی حیثیت سے تسلیم کرنا لازمی ہے۔ آخر مرثیوں اور محرم کی نقالی کو ڈرامہ کے اجزائے ترکیبی میں کیوں شمار کیا گیا ہے؟ واضح رہے کہ اردو ادب کی تاسیس سے لیکر فورٹ ولیم کالج کے زمانے تک داستانوں اور قصوں کا ایک جزو غالب سریت بھی تھا۔ یورپی زبانوں میں سریت کی جگہہ اساطیر (Mythology) نے لے رکھی تھی۔ جدید اصول تنقید میں افسانوں اور ناولوں کو بھی Fiction ہی کہا گیا ہے جس کے معنوں میں غیر حقیقی، مصنوعی اور خلاف حقیقت اظہار بیان شامل ہے یعنی یہ Fictitious ہوا کرتے ہیں؛ (Fictitious کے معنی کے لئے دیکھئے لغت)۔ ناولوں اور افسانوں کے کردار بھی فرضی اور غیر حقیقی ہوا کرتے ہیں۔ اگر یہ کردار حقیقی ہوں تو انہیں سیرت میں شامل سمجھا جاتا ہے۔

جیسے جیسے مغربی اصول تنقید اردو میں رواج حاصل کرتا گیا فکشن کے اجزاء پر گفتگو ہونے لگی۔ یہ طے کیا گیا کہ قصہ کا کوئی موضوع ہونا چاہئے شیخ سعدی نے گلستاں و بوستاں کی حکایات کو موضوع کے اعتبار سے ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ 'موضوع' سے وفاداری ہی انگریزی زبان کے 'پلاٹ' (Plot) کے ہم معنی ہے جس کی رو سے پورا قصہ ایک موضوع کے تحت ترتیب دیا جاتا ہے۔ قصوں یا داستانوں میں جو افراد محور ہوا کرتے ہیں انہیں 'کردار' کا نام دیا گیا ہے۔ ان کی آپس کی گفتگو 'مکالمہ' کہلاتی ہے۔ پورے قصہ میں ظاہر اور غیر ظاہر کو 'منظر' اور 'پس منظر' کہا جاتا ہے۔ اسی کے پراثر بیان کو 'منظر نگاری' کہتے ہیں۔ اگر اس کے کردار قاری کے ساتھ چلتے پھرتے نظر آئیں تو اسے 'پیکر تراشی' (Imagery) سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جس زمانے یا ملک میں یہ قصہ پیش آیا ہو اس کے اظہار کو 'زمان' اور 'مکان' کی حیثیت دی جاتی ہے۔ جدید اسلوب تنقید نے جب ترقی کی تو قصہ کے ہر جزوی تفصیل میں منطقی ربط کی تلاش ہوئی۔ اسے 'جزئیات نگاری' سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

بیسویں صدی کا ربع ثانی ترقی پسندی سے عبارت ہے۔ ترقی پسندوں کی نظر میں چونکہ دنیا میں صرف دو طبقات ہیں 'بورژوا' اور 'پرولتاری' (مزدور اور کاشتکار) اس لئے ان کے تخلیق کردہ تمام ہی افسانے اور ناولیں انہیں دو طبقوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس طرح یہ کہنا درست ہے کہ انہوں نے ادب میں 'مقصد' کو جگہ دی۔ جدیدیت علائم سے عبارت اور مابعد جدیدیت رد تشکیل کے بعد تشکیل نو کی دعویدار ہے۔ ان میں سے اول میں مثبت اور منفی دونوں پہلو پائے جاتے ہیں لیکن ثانی الذکر مکمل طور سے ایک منفی فکر ہے جو صیہونیت کی کوکھ سے برآمد ہوئی ہے۔ اس صدی کی ابتدا میں مولانا حالی نے 'مقدمہ شعر و شاعری' لکھ کر جدید انداز تنقید کی بنا ڈالی جس پر کوئی شاندار عمارت تو اب تک تعمیر نہیں ہو سکی لیکن بہر حال اس بنیاد پر کچھ منزلوں کا ضرور اضافہ ہوا ہے۔ جدیدیت اور مابعد جدیدیت کی بنیاد پر شاعری اور افسانوں میں کچھ تخلیق اور تنقید دونوں ہوئی ہیں لیکن افسوس کہ اردو زبان کا موجودہ ذخیرہ ادب ان تمام اندازہائے تنقید کا ناز اٹھانے کے قابل نہیں ہے۔

گفتگو Fiction کے موضوع پر ہو رہی تھی جس میں ناچیز کے جائزے کے مطابق قدیم داستانیں اور فورٹ ولیم کالج کے زائیدہ اور تراشیدہ قصے بھی شامل ہیں۔ پریم چند اور نذیر احمد کے بعد قصوں کا روایتی انداز ختم ہو گیا اور بعد میں جو افسانے اور ناول منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے ان کی تاریخ کو چار دور میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(1) دور صالحیت: اس دور کے اہالیان قلم میں نذیر احمد، شرر، پریم چند، راشد الخیری اور دوسرے قصہ نگار شامل ہیں جن کا مقصد معاشرہ کو صالح اقدار سے روشناس کرانا تھا اور جن کا مقصد تعمیری تھا۔

(2) ترقی پسندی کا دور: یہ دور دو ایسے عناصر میں کشمکش کا دور ہے جسے ایک مخصوص معاشی فلسفہ نے باہم دست و گریباں کر دیا تھا۔ حالانکہ اس مسئلہ کے دیگر حل بھی موجود تھے۔ سوویٹ عناصر کی مخالفت میں آزاد معیشت کے نمائندے (بالخصوص گوپال متل اور ان کا ماہانہ ترجمان 'تحریک') بھی موجود تھے۔ لیکن کشمکش کے ساتھ ہی اس دور کی تخلیقات میں ایک مقصد موجود رہا ہے۔ اسی دور میں ڈارون، فرائڈ، والتیر، روسو اور مالتھس کے فلسفوں کے ذریعے ادب میں اباحیت اور انسانیت شکن عناصر کی ایسی گرم بازاری ہوئی کہ رشید احمد صدیقی اور اکبر الہ آبادی جیسے نثر نگاروں اور شاعروں کو اس کے خلاف صف آرا ہونا پڑا۔

(3) دور جدیدیت: اس میں قدروں کی اہمیت نہیں رہ گئی فکر قدیم ہی کو نئی علامتوں سے روشناس کرا کے صالح اور غیر صالح دونوں کو یکجا کر دیا گیا۔ لیکن اظہار حقیقت کے اس پردہ میں تعمیر کے عناصر کم پائے جاتے ہیں۔ مغربی فلسفوں کے زیر اثر آزادہ روی اور اباحیت پسندی ان کے اظہار بیان پر غالب رہی ہے۔

(4) مابعد جدیدیت: یہ ایک منفی تحریک ہے جس پر دجالی نظام اپنے ہلاکت خیز نظام کی تعمیر کرنا چاہ رہا ہے۔ اس تحریک پر مختلف گوشوں سے مختلف انداز کے تبصرے ہوئے ہیں لیکن مقالہ کے عنوان کے تحت اسے نظر انداز کر دینا ہی مناسب ہے۔

ادب کی مثال ایک تناور درخت کی ہے۔اس کی جڑیں گہرائی میں اور دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں ۔اس کا تنا مضبوط ہے اور موسم بہار کی حالت میں اب اس کی شاخیں ، پتے ، پھل اور پھول قارئین کے لئے دعوت نگاہ ہیں ۔لیکن ایک نقاد صرف بالائی شان وشوکت میں محو ہو کر اس کی اصل کو فراموش نہیں کر سکتا۔اردو تاریخ ادب کا تجزیہ کرنے سے جو چیز نا چیز کے فہم میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ ہم قدیم داستانوں، لکھنؤ کے ادبی مجادلات ،معاشرتی ،اصلاحی اور تاریخی ناولوں کو نظر انداز کر کے ’آگ کا دریا‘ اور ’کئی چاند سر آسماں‘ تک نہیں پہنچ سکتے۔ان تمام تخلیقات کو اگر یکجا کر کے ان کا تجزیہ کیا جائے اور اس تجزئے پر ابن صفی کی نگارشات کو منطبق کیا جائے تو کسی بھی مرحلے میں انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ابن صفی کی سریت پسندی پر ہم بعد میں گفتگو کریں گے۔سر دست ہم جدید اصول تنقید کی رو سے ناولوں کے اجزائے ترکیبی کے تحت ابن صفی کی ناولوں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنا کافی سمجھتے ہیں ۔ہم نے ناول نگاری میں پلاٹ ، کردار ، مکالموں ، زمان و مکان اور جزئیات نگاری کی ترتیب قائم کی ہے۔اس لئے اسی ترتیب سے موصوف (مرحوم) کی ناولوں کا جائزہ لیا جائے گا۔

ابن صفی کے ڈھائی سو سے زیادہ جاسوسی اور چند دیگر ناولوں میں کوئی بھی ناول ایسا نہیں جس میں مستحکم پلاٹ نہ ہو۔موجودہ ناول نگاری کا جو رجحان ہے اس میں مقصد کو فراموش کر دیا گیا ہے ۔ابن صفی نے ناول نگاری ایک مقصد کے تحت شروع کی یعنی قانون کا احترام اور فحش سے اجتناب۔ میں مثالوں سے اس مضمون کو گرانبار نہیں کرنا چاہتا۔ابن صفی کے قارئین اس بات سے بخوبی واقف ہیں ۔ویسے بھی میں ابن صفی کے تمام ناول پڑھنے کی مسرت حاصل نہیں کر سکا۔ مزید یہ کہ نسیان کی وجہ سے پڑھے ہوئے مواد کا ایک دھندلا سا ہی خاکہ ذہن میں موجود ہے اس لئے قطعیت کے ساتھ مثالیں دینا میرے لئے آسان نہیں ہے۔پھر بھی یہ بات تو یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ ابن صفی کے کسی ناول میں پلاٹ کی کوئی کمزوری نہیں ہے۔پورا قصہ ایک منطقی ترتیب سے آگے بڑھتا ہے۔مجرموں اور قانون کے رکھوالوں کی جنگ شروع سے آخر تک جاری

رہتی ہے ۔ پہلے جن حادثات کے وقوع سے قصہ کی ابتدا ہوتی ہے وہ ایک منطقی رفتار سے اپنے ارتفاع (Climax) تک پہنچتا ہے جہاں قانون کی جرم پر فتح ہوتی ہے۔آپ ادب لطیف کے نمائندہ طویل سے طویل ناول پڑھ جایئے ان میں کیا یہی تدریج نہیں ہے؟ ابن صفی کا مزاج شاعرانہ ہے اور جس طرح وہبی شاعروں پر شعر کا الہام ہوا کرتا ہے اور انہیں اس سلسلہ میں کوئی کاوش نہیں کرنی پڑتی ،ابن صفی بھی نہایت سہولت سے اپنے قصے کو مقامی ،ملکی یا بین الاقوامی پس منظر میں سرگرم سفر رکھتے ہیں ۔معلوم ہوتا ہے کہ واقعات کی ان کے اوپر بارش ہو رہی ہے۔ابن صفی کے بارے میں یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ وہ ایک نہایت حساس انسان تھے۔ان کی نظروں کے سامنے ہندوستان کی تقسیم ہوئی اور پاکستان دولخت ہوا۔دوسری جنگ کا پورا نقشہ انہوں نے ملاحظہ فرمایا اور امن کے نام پر اسرائیل جیسے ایک ناجائز نام نہاد ملک کا وجود ہوا۔وہ ظلم کی ہولناکیوں ، جنگ کی تباہ کاریوں ، اخلاق کے زوال اور معاشرہ کے فساد سے بہت زیادہ متأثر تھے۔ان کے ناولوں کے پلاٹ کا تانا بانا انہیں ناہمواریوں کے ریشوں (Fibers) سے بنا گیا تھا۔ یہ سب زندگی کے حقائق تھے۔اسی لئے ان کے یہاں فساد اور شر کے تمام اجزاء بیک وقت پائے جاتے ہیں ۔لیکن اس شر کی گرم بازاری میں خیر بھی اپنا کام کرتا رہتا ہے۔اور اللہ کی اس سنت کے تحت کہ شر کو بالآخر فنا ہونا ہے اور خیر کو باقی رہنا ہے خیر کی فتح پر قصہ کا اختتام ہوتا ہے۔اس کے بر خلاف عصر حاضر کے دیگر ناول نگاروں کے یہاں اول تو خیر وشر کی معرکہ آرائی کا کوئی وجود نہیں ہے اور اگر کہیں اس کے کچھ اجزاء پائے جاتے ہیں تو صرف برائے نام ۔ابن صفی اس معاملہ میں اپنے تمام معاصرین سے برتر ہیں۔

ابن صفی کے تمام کرداروں (Characters) کا ایک کردار (Discipline) ہے۔ ان کے کچھ کردار مستقل ہیں اور کچھ بعض ناولوں میں بدلتے رہتے ہیں ۔مستقل کرداروں میں فریدی، حمید، قاسم ،انور ،رشیدہ ،آصف ،ریکھا ،عمران ،بلیک زیرو، صفدر، جولیا، خاور، نعمانی، تنویر، ظفر الملک ، جیمسن اور استاد محبوب نرالے عالم وغیرہ ہیں ۔ان میں سے ہر کردار کا اپنا مزاج اور

الگ کیرکٹر ہے۔ کسی بھی ناول یا ناول کے کسی بھی حصے میں وہ اپنی مخصوص صفات سے دست بردار نہیں ہوتا۔ ہر کردار اپنے پیشہ میں مخلص (Dedicated) ہے۔ کسی کو بھی اس کے مزاج اور طبیعت کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

جہاں تک فریدی کا تعلق ہے وہ ابن صفی ہی کا نہیں بلکہ تقریباً نصف قارئین کا آئیڈیل (Ideal) ہے لیکن عمران کی دہری شخصیت نصف سے زیادہ قارئین کے لئے مسحور کن ہے۔ فریدی جہاں اپنے کیرکٹر کی صلابت کی وجہ سے اپنے مقام سے کہیں بھی فروتر نہیں ثابت ہوتا، عمران حسب موقع رنگ بدلتا رہتا ہے لیکن اس کی حماقت کے پردے میں ملفوف ظرافت کہیں بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ ابن صفی نے عریاں اور فحش نگاری جو رومانی ناولوں کے نقطہ عروج کے طور پر سامنے آئی تھی، کے خلاف اپنی مہم شروع کی تھی اس لئے عفت اور پاکبازی میں اس کے یہ دونوں ہیرو مثالی ہیں۔ لیکن بے حیائی اور عریانیت کے مظاہر سے اجتناب اس کے تمام ہی کرداروں کی قدر مشترک ہے۔ ان میں سے جو کردار کچھ عاشقانہ (اسے آج کل رومانٹک کہا جاتا ہے) مزاج رکھتے ہیں ان کا کردار بھی فسق کی حد کو نہیں پہنچتا۔ صرف تنویر واحد کردار ہے جو حد سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس کی اسے بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ سنگ ہی جیسے اوباش اور آبرو باختہ مجرم کے مقابلہ میں بطور امالہ ابن صفی نے اسی طبقہ سے فنچ جیسا دلیر Villain پیدا کیا ہے جو بے حیائی اور اوباشی کا سخت مخالف ہے۔ صفدر جنگ جیسا ٹیڈی نواب بھی جب نینا کو عمران کی طرف مائل دیکھتا ہے تو رشتہ کے لئے سلسلہ جنبانی کی بات کرتا ہے۔ حد درجہ مغربیت کے باوجود وہ بے حیائی کی ترغیب نہیں دیتا۔ غرض کہ ابن صفی کے کسی بھی کردار میں دورنگی کا کہیں گزر نہیں ہے۔

ناولوں میں کردار انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے کسی بھی ناول کی کامیابی میں کرداروں کی پختگی کا نصف سے زیادہ دخل ہوتا ہے۔ ابن صفی کی کامیابی یہ ہے کہ ان کے زائد از دوصد و نصف ناولوں میں پچاسوں کردار ہیں لیکن ہر کردار ایک خاص مزاج اور طبیعت کا مالک ہے اور وہ

کردار جب بھی کسی ناول میں پیش ہوتا ہے اپنے مزاج اور طبیعت کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا۔ فریدی اور عمران کو چھوڑ دیجئے۔ حمید اور قاسم کو لے لیجئے، قاسم حمید کا آلہ کار ہونے کے باوجود اپنی حماقتوں سے قارئین کے لئے ہمیشہ تفریح ہی نہیں مہیا کرتا بلکہ جب غصے میں ہوتا ہے تو حمید کے بھی دیوتا کوچ کر جاتے ہیں۔ اپنی بیوی کا شاکی ہونے کے باوجود اس کی غیرت کا یہ عالم ہے کہ کسی غیر مرد سے لفظی اور محاوراتی نسبت (جیسے آپا کے ساتھ 'جان' کا لاحقہ) کی بھی اسے برداشت نہیں ہے۔ ریکھا کا کردار جولیا کے مقابلہ میں کچھ دبا ہوا ہے کیونکہ فریدی عمران کے مقابلہ میں زیادہ سنجیدہ اور محتاط ہے۔ جولیا اور عمران کے مقابلہ میں ریکھا اور فریدی کی یکجائی بہت کم ہوتی ہے لیکن اپنے افسر (Boss) سے دونوں کا جذباتی لگاؤ یکساں درجہ کا ہے۔ انور اور رشیدہ ہمیشہ لڑتے جھگڑتے لیکن ملتے اور ساتھ رہتے دکھائی دینگے۔

ظرافت کے جتنے بھی سرچشمے ہیں وہ کبھی خشک نہیں ہوتے۔ حماقت آمیز ظرافت یا ظرافت آمیز حماقت عمران کے کردار میں خلقی طور سے ودیعت ہوئی ہے۔ اسی لئے وہ تنہائی میں بھی حماقتوں کا مرتکب ہوتا رہتا ہے۔ سلیمان اور جوزف دونوں اس سے بے تکلف ہیں لیکن دونوں کے انداز میں یہ فرق ہے کہ جوزف کا انداز فدویانہ اور سلیمان کا بے تکلفانہ ہے اور یہ فرق ہر جگہ نظر آئے گا۔ انسپکٹر آصف اپنی بزرگی کے باوجود ہمیشہ ہی ناکام ہے یہی حال تقریباً فیاض کا ہے لیکن چونکہ فیاض اپنی ناکامی اور خفت کا داغ مٹانے کے لئے عمران ہی کا سہارا لیتا ہے اس لئے عمران کا تعاون اس کے لئے کبھی کبھی ترقی درجات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ فیاض کے برخلاف چونکہ آصف کو اپنی بزرگی کا غرور ہے اس لئے ناکامی ہمیشہ اس کا مقدر ہوتی ہے۔ غرض کہ جہاں تک کردار نگاری کا سوال ہے ابن صفی کے یہاں کوئی جھول یا کمزوری نہیں پائی جاتی۔

ناول نگاری کی ایک صفت مکالمہ نگاری ہے۔ مکالمہ نگاری کا کمال یہ ہے کہ کوئی کردار کبھی اپنی تردید کرتا ہوا نظر نہ آئے۔ گفتار میں اگر کسی سابق گفتگو کا یا عمل کا حوالہ ہو تو اس میں کذب بیانی کا دخل ہرگز نہ ہونا چاہئے۔ دراصل مکالمات کا کرداروں سے تعلق ناخن اور گوشت کا ہے مکالمہ نگاری کو

کردار سازی سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کردار میں پختگی ہوگی تو ان کے مکالمات میں نہ تصنع اور آورد ہوگا نہ ہی کبھی کذب بیانی یا خود تضادی کا ان سے صدور ہوگا۔ ابن صفی کے ناولوں کی کامیابی در اصل نصف سے زیادہ اس کے مکالموں ہی کی رہین منت ہے۔ یہ مکالمے ایسے بر جستہ اور مبنی بر حقیقت ہوتے ہیں کہ قاری اگر اس میں کوئی نکالنا چاہے تو بھی نہیں نکال سکتا۔

قلم کی قوت کا ایک راز اس کی منظر نگاری میں پنہاں ہے۔ مرزا دبیر پر میر انیس کی فوقیت کا سبب انیس کی سلاست اور منظر نگاری کو سمجھا گیا ہے۔ ابن صفی اس میدان کے اگر شہسوار نہیں تو بھی کسی ناول نگار سے پیچھے نہیں ہیں۔ جذبات نگاری اور منظر نگاری ان کی تحریروں کا ایک طرہ امتیاز ہے۔ چونکہ وہ خود شاعر ہیں اس لئے منظر نگاری میں جزئیات سے صرف نظر نہیں کرتے۔ اہل ذوق قاری کو ان کے ہر ناول میں ایسے مناظر بکھرے نظر آئیں گے جہاں وہ کھو جانے کی حد تک محو ہو سکتا ہے۔

آخر میں ہم ناول نگاری کے اصل سبب یعنی مقصد کو لیتے ہیں۔ اس ذیل میں آج کل رومانی ناولیں مایوس کن حد تک بے سمتی کا شکار ہیں۔ دراصل یہ ناولیں صرف دفع الوقتی یا لایعنیت (Absurdity) پر مبنی ہیں۔ ان سے Absurd ڈراموں کی طرح جذباتی تسکین کا سامان تو فراہم ہوتا ہے لیکن کسی مقصد کی طرف رہنمائی نہیں ہوتی۔ تعجب تو یہ ہے کہ انہیں ڈراموں یا افسانوں کو ادب میں اعلیٰ مقام دیا گیا ہے۔ تاریخ تنقید کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تاریخی ناولوں کو رومانی اور جذباتی ناولوں کے برابر کبھی نہیں سمجھا گیا حالانکہ اعلیٰ پایہ کے تاریخی ناولوں میں منظر نگاری اور جزئیات نگاری کی کمی نہیں پائی جاتی۔ ان کی زبان بھی ادب کا شاہکار ہے۔ پرانے تاریخی ناولوں میں عبدالحلیم شرر اور نئے تاریخی ناول نگاروں میں نسیم حجازی کو بڑے سے بڑے ناول نگاروں کے روبرو رکھا جا سکتا ہے۔ تاریخی ناولوں میں دو طرح کے کردار ہوتے ہیں، ایک تاریخی دوسرے افسانوی۔ تاریخی کردار تاریخی حقیقت کے ترجمان ہوتے ہیں۔ اگر تاریخ میں کتر بیونت کی گئی تو ناول کی ثقاہت مجروح ہوتی ہے۔ افسانوی کردار دراصل ناول میں

دلچسپی کی خاطر یا زیب داستان کے لئے وضع کئے جاتے ہیں جن کا تاریخ سے تو براہ راست واسطہ نہیں ہوتا لیکن تاریخی واقعات سے ان کا تعلق بہت مربوط ہوتا ہے۔ تاریخی ناولوں کی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ اگر وہ فتح اور اشاعت اسلام کے مبشر ہوں تو جذبات میں تلاطم پیدا ہو، تا کہ وہی ایمانی قوت ایک قاری کے اندر پیدا کی جا سکے جو صدر اسلام میں پائی جاتی تھی۔ اس قسم کے ناول اسلام کے دور اول کے عکاس ہوتے ہیں۔ اگر ان ناولوں میں مصائب اور شکست کی عکاسی ہو تو اس کا مقصد ان اسباب کا تدارک کرنا ہوتا ہے جو موجودہ دور زوال میں مسلمانوں کی شکست کا باعث ہوئے ہیں۔ نسیم حجازی کے یہاں دونوں قسم کے ناول پائے جاتے ہیں۔ ان کے کئی ناول ہندوستان، شرق اوسط اور ہسپانیہ میں مسلمانوں کے عروج و زوال سے متعلق ہیں۔ شاعری میں مسلمانوں کے عروج و زوال کا نقشہ ہمیں حالی کی مسدس 'مد و جزر اسلام' میں ملتا ہے۔ تاریخی جزئیات کے بیان میں ہم حفیظ جالندھری کے 'شاہنامہ اسلام' اور قیصر الجعفری کی منظوم سیرت 'چراغ حرا' کو پیش کر سکتے ہیں جن میں اصل مراجع سے استناد کیا گیا ہے۔ مقصد ان کا یہی ہے کہ مسلمانوں میں پھر وہی اسلامی قوت اور جذبات کی حرارت پیدا ہو جائے جس نے اسلام کو چار دانگ عالم میں وسعت دینے کا حیران کن فریضہ انجام دیا ہے۔ ابن صفی کے ناول بھی ایک متعین مقصد کو لے کر ایک مشن کی تکمیل کرتے ہیں جس کا اظہار مصنف نے خود کئی مواقع پر کیا ہے۔ فحش نگاری کے خلاف لکھنے کے لئے انہوں نے قانون کی بالا دستی کو اپنا موضوع تحریر بنایا۔ جامعہ ملیہ میں ابن صفی کے موضوع پر منعقدہ ایک سمینار میں جب الہ آباد ہی کے ایک معروف نقاد نے ابن صفی کے یہاں مقصدیت کے وجود کی نفی کی تو ان پر چاروں طرف سے اعتراضات کی بوچھار ہوئی جس کا فاضل مقالہ نگار کوئی جواب نہیں دے سکے۔

ابن صفی صرف عریاں اور فحش نویسی کے خلاف نہیں تھے بلکہ انہوں نے اعلیٰ اخلاقی قدروں کی ہر ممکن حمایت کی ہے۔ مخفی نہ رہے کہ انسانی اخلاقی قدروں کا مذہب اور خصوصیت سے اسلام میں بہت اعلیٰ مقام ہے۔ انہوں نے اسلام کی تبلیغ تو نہیں کی لیکن ان کی بعض تحریروں سے

معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکومت الٰہیہ کے نہ صرف قائل تھے بلکہ دنیا کی تمام خرابیوں اور ناانصافیوں کا اسے حل بھی سمجھتے تھے۔ اللہ کی حاکمیت کے علاوہ کالی کملی والے کی غلامی پر بھی وہ نازاں تھے۔ اسلام کے کٹر سے کٹر مخالفین تک کو اس بات اعتراف ہے کہ اخلاقی قدروں کا جو نمونہ اسلام نے پیش کیا ہے اس کی ہمسری دوسرا کوئی نظام اخلاق نہیں کرسکتا۔ تفریحی ناولوں میں ایک بلند اخلاقی معیار پیش کرنا، فحاشی اور بدکرداری سے اجتناب اور قانون کی پاسداری کو مقصد بنالینا وہ حقیقت ہے جو ناولوں کی دنیا میں ابن صفی کو ایک اعلیٰ مقام دینے کے لئے مجبور ہے۔ ایک مغربی نقاد نے مصنف کے کرداروں کی پاک دامنی کی وجہ سے ابن صفی کو مغربی جاسوسی ناول نگاروں پر فوقیت دی ہے۔

یہ تو وہ خصوصیات تھیں جو ابن صفی کو ناول (صرف جاسوسی نہیں) نگاروں میں بلند مقام پر فائز کرنے کے لئے کافی ہیں۔ اگر ہم رومانیات، فکاہیات، شکاریات اور سیاحات کو ادب گردانتے ہیں تو کیا ناول نگاری کے لئے جاسوسی یا سریت ایک قدر معکوس ہے جو ابن صفی کو اس زمرے سے خارج کردیگی؟ پاکستان میں ابن صفی کی قدر دانی ہوئی ہے۔ انگریزی زبان میں جاسوسی ادب کی تاجدار اگاتھا کرسٹی نے ابن صفی کی خلاقیت کا اعتراف کیا ہے۔ جرمنی کی کرسٹینا اویسٹر ہیلڈ اور مشرق وسطیٰ کے ایڈورڈ سعید جیسے اہل زبان اور قد آور نقادوں نے ابن صفی کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ پروفیسر فین تھیسن (ناروے) اپنے ناولوں میں مزاح اور سسپنس کو یکجا کرنے کی وجہ سے ابن صفی کو اگاتھا کرسٹی پر فوقیت دیتے ہیں۔ ابن صفی کی خلاقانہ صلاحیتوں کا اعتراف اب بین الاقوامی بن چکا ہے۔

ابن صفی کی مزاح اور طنز نگاری بھی مسلم ہے۔ مجتبیٰ حسین حالات سے مزاح کا عنصر پیدا کرتے ہیں۔ یہی حال پطرس بخاری کا ہے۔ رشید احمد صدیقی اپنی عالمانہ زبان میں مزاح اور طنز دونوں کو یکجا کردیتے ہیں۔ اکبرالہ آبادی اور مشتاق یوسفی ظاہر کو اپنے حق میں کرنے کے لئے زبان کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ دونوں حضرات الفاظ، جملوں، محاوروں اور اشعار کا استحصال بھی کرتے ہیں۔ ابن انشا، انشائے لطیف سے مزاح پیدا کرلیتے ہیں۔ ابن صفی کے بعض کردار اپنے مکالموں

میں ایسے بے تکلف جملے ادا کرتے ہیں جن میں حالات حاضرہ اور مختلف پیشہ ور حضرات کے رویوں پر طنز ہوتا ہے۔ ان کے کئی کردار اپنی ذات میں خود مضحک ہیں جیسے قاسم، استاد محبوب نرالے عالم اور علی عمران ایم۔ ایس۔ سی؛ ڈی۔ ایس۔ سی (آکسن) جو اپنے کو بجائے ڈی۔ ایس۔ سی کے پی۔ ایچ۔ ڈی کہتا ہے۔ ان کی مضحکہ خیز حرکات اور مکالمے قارئین کے لئے لطف کا باعث ہوتے ہیں۔ لیکن یہ باتیں بلاسبب نہیں ہوتی ہیں۔ ان سے جاسوسی کی گتھیاں سلجھنے میں اکثر مدد ملتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ابن صفی واحد مصنف ہیں جن کے سسپنس میں مزاح اور مزاح میں سسپنس ہوا کرتا ہے۔ کیا ان خوبیوں کے قلمکار کو ادب کی دنیا میں نظر انداز کیا جاسکتا ہے؟

ابن صفی اپنے ناولوں میں نئے نئے حالات اور واردات کی ایسی دلچسپ دنیا پیدا کردیتے ہیں کہ قاری خود کو اس میں تحلیل کردیتا ہے۔ کبھی کبھی وہ اپنے کرداروں کو عجیب وغریب لیکن بامعنی نام دیتے ہیں جیسے 'فولادمی' (فولاد + آدمی)۔ سیاروں کے مقابلہ کو وہ 'سیارہ بازی' کہتے ہیں اور دوسروں کی ترقی سے فائدہ حاصل کرنے والوں کو 'ترقی چور' کا خطاب دیتے ہیں۔ ایسے الفاظ اور تفردات مصنف کی طباعی، ذکاوت اور خلاقانہ ذہن پر دلیل ہیں۔

ناچیز نے انشائے لطیف میں جن انواع کا تذکرہ شروع میں کیا ہے اس کی تفصیل میں جانے سے معلوم ہوا کہ لطائف کے یہ سارے انواع ابن صفی کے یہاں وافر مقدار میں موجود ہیں۔ ان کی کثرت مصنف کی تحریروں کو بجائے 'انشائے لطیف' کے محدود دائرہ کے 'ادب لطیف' کی وسیع صنف میں شامل کردیتی ہے۔ پھر جب ابن صفی کی تحریریں 'ادب لطیف' میں شامل ہیں تو انہیں ناول نگار کیوں نہ تسلیم کیا جائے گا؟

اب تک جاسوسی یا سری ادب کو تسلیم کرنے کے موضوع پر کوئی گفتگو نہیں ہوئی ہے۔ ناچیز نے کوشش کی ہے کہ سریت سے دامن بچاتے ہوئے بحیثیت ناول نگار کے ابن صفی کا درجہ متعین کیا جائے۔ لیکن ایک سوال یہ بھی ہے کہ مذکورہ خوبیوں میں اگر سریت کی آمیزش ہوجائے تو کیا مصنف کو ناول نگاروں کی صف سے خارج کردیا جائے گا؟ یہ رویہ تو خود ادب کے مفاد میں

نہیں ہے۔ سر آرتھر کانن ڈائل، مارس لیبلا نک، اگاتھا کرسٹی اور ارل اسٹینلے گارڈنر کو چاہے انگریزی ادیبوں کی صف میں جگہ نہ ملی ہو لیکن ابن صفی کو اپنی دیگر متنوع خصوصیات کی بناء پر اردو زبان کا ایک عظیم ناول نگار تسلیم کرنا پڑے گا، اور یہ ان کا حق ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ان کا یہ حق بھی بنتا ہے کہ چاہے دوسرے جاسوسی نگاروں کو ادب میں جگہہ نہ ملے کیونکہ ان کے یہاں ناول نگاری کی دوسری شرائط کا فقدان ہے، ابن صفی کو بطور ایک جاسوسی ناول نگار بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ جاسوسی ناولوں سے الگ ہٹ کر بھی ناچیز ابن صفی کے اسرار، تحیر، اور توہم پرستی سے مملو شاہکار صرف ایک ناول 'تزک دو پیازی' کی مثال دے گا جس کا اردو زبان میں کوئی جواب نہیں ہے۔

ابن صفی کا ایک اور کمال جس کی وجہ سے انہیں اردو ادب میں جگہ ملنی چاہئے یہ ہے کہ کتنے ہی آدمیوں نے ان کی ناولوں کو پڑھنے کے لئے اردو سیکھی ہے۔ یہ وہ فضیلت ہے جو شاید ہی اردو کے کسی ادیب یا شاعر کے حصے میں آئی ہو۔ پھر کیا یہ ناسپاسی نہ ہوگی اگر اردو کے اس محسن کو اردو ادب کے معماروں میں شامل نہ کیا جائے؟

پاکستان میں ابن صفی پر بہت کام ہوا ہے۔ اب ہندوستان میں بھی ابن صفی پر پوسٹ گریجویٹ ریسرچ کے مقالے لکھے جارہے ہیں۔ لیکن اس سلسلہ میں جناب عارف اقبال صاحب نے گیارہ سو صفحات پر مشتمل جو ابن صفی انسائکلو پیڈیا مرتب کی ہے اور اس میں اردو زبان کے تمام ہی چوٹی کے قلم کاروں کی نگارشات کو شامل کیا ہے، اس سے ابن صفی کو ان تمام ہی مصنفین کی سند قبولیت حاصل ہوگئی ہے۔ سچ پوچھئے تو یہ عارف اقبال صاحب کا تنہا کارنامہ ہے کہ انہوں نے ابن صفی کو پوری اردو دنیا سے اردو کا ایک بے مثل اور بے بدل ناول نگار تسلیم کرالیا ہے۔ ناچیز کی یہ حقیر کاوش اسی کی بازگشت ہے۔

ڈاکٹر محمود حسن الہ آبادی' متعدد علمی وادبی کتابوں کے مصنف۔

ابن صفی - اردو کا عہد آفریں ناول نگار

پروفیسر سید سجاد حسین

> ''اسلام کے سوا کوئی بھی ازم حرف آخر ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اسلامی نظام حیات آج بھی قابل عمل ہے لیکن اس کے لئے انفرادی طور پر ایمان دار بننا پڑے گا اور یہ بے حد مشکل کام ہے۔ میرا رجحان نظام الٰہی کا قیام اور میرا فن ہے قانون کا احترام''۔ 1

یہ فکر انگیز عبارت اس عظیم فنکار اور جاسوسی ادب کے معمار کی ہے جس نے اردو زبان و ادب کو نہ صرف اپنی تحریروں سے بلکہ اپنے زندہ کرداروں سے لازوال بنادیا ہے۔ اردو میں جاسوسی ادب کے موسس ابن صفی کا قد اتنا اونچا ہے کہ ان کے قد کی بلندی کا تصور بھی محال ہے۔ یہ ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے کہ اردو کے بعض خود ساختہ نقاد اور سکہ بند ادیب جاسوسی ادب کو نہ اردو ادب کا حصہ تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی اس صنف کے اہل قلم کو ادیب و فنکار مانتے ہیں۔ تاہم وہ دن دور نہیں جب ابن صفی پر تفہیم و تحقیق کی راہیں ہموار ہوں گی۔ اہل نظر ان کی تحریروں پر سنجیدگی سے غور و فکر کرتے ہوئے نئے گوشوں کی بازیافت کریں گے۔ اس قومی سیمینار کے فکر انگیز مقالوں سے ابن صفی کی تحریروں کی عظمت اور ان کے ورثے کی قدر و قیمت متعین ہوگی۔

ابن صفی اردو دنیا کا وہ قد آور فنکار ہے جس نے اردو ادب کو فحش گوئی غیر اخلاقی عناصر سے پاک کرنے کا بیڑا اٹھایا اور ادب میں ایسی صنف کی بنیاد ڈالی جس کے ذریعہ معاشرے میں فکری تشہیر کا ایک اہم کام انجام پاسکے اور ادب سے عوام کا پاکیزہ رشتہ استوار کیا جاسکے۔ اسرار احمد ناروی المعروف بہ ابن صفی کے جاسوسی ناول محض سنسنی خیزی اور سری ادب میں اضافے کے لئے نہیں لکھے گئے بلکہ یہ ناول باقاعدہ ایک منصوبے اور مقصد کے تحت وجود میں آئے۔ جیسا کہ خود ابن صفی نے اس تعلق سے بیان کیا ہے:

’’غالباً1952ء کی بات ہے۔ اچھے خاصے پڑھے لکھے آدمیوں کی نشست میں
کتابوں اور مصنفوں کی مقبولیت کے بارے میں بحث چھڑ گئی۔ ایک صاحب کہنے
لگے کہ فی زمانہ جنسی لٹریچر قاری کے ذہنوں پر مسلط ہے۔ بس اسی دن سے مجھے یہ
دھن ہوگئی کہ کسی طرح جنسیات پر مبنی ادب کا سیلاب رکنا چاہئے۔‘‘ 2

ہم جانتے ہیں کہ کوئی بھی تخلیقی شہ پارہ اصلاً مسرت سے شروع ہوکر بصیرت پر ختم ہوتا ہے۔ نظم، غزل، افسانہ، ڈراما اور ناول کچھ بھی لیجئے سب کا لب لباب یہی ہے۔ ذرا غور کریں کہ کیا ایک جاسوسی ادیب کے ہاں کہانی تخلیق نہیں ہوتی؟ کیا وہاں کردار نگاری نہیں ہوتی یا اسلوب بیان نہیں ملتا؟ کیا وہاں کردار و واقعات متصادم نہیں ہوتے؟ کیا وہاں سماج کو آئینہ نہیں دکھایا جاتا؟ کیا اس میں پیش کی جانے والی دنیا ہمارے گرد و پیش سے الگ کوئی دنیا ہوتی ہے؟ کیا وہاں جرم کو گردن زدنی قرار نہیں دیا جاتا؟ کیا وہاں قاری کے لئے کوئی لمحہ فکریہ نہیں ہوتا؟ ادب عالیہ کے تعلق سے بھی کم و بیش ایسے ہی لوازمات دنیا بھر کے ادب میں پیش کئے جاتے رہے ہیں تو پھر جاسوسی ادب کو شجر ممنوعہ قرار دینا کہاں تک درست ہے؟

ابن صفی ادب عالیہ کے طالب علم، ایک درویش صفت انسان اور طبع زاد ادیب تھے۔ وہ صرف ناول نگار ہی نہیں اعلیٰ پایہ کے طنز نگار اور بہترین شاعر بھی تھے۔ انھوں نے شروع میں ’طغرل فرغانی‘ کے قلمی نام سے طنزیہ و مزاحیہ کہانیاں اور پیروڈیاں لکھیں اور اسرار ناروی کی حیثیت سے شعراء میں معروف ہوئے۔ ۱۹۵۲ء جب ابن صفی نے جاسوسی ناول نگاری کی ابتداء کی تو اس وقت اردو ادب میں دو طرح کے قلم کار مصروف عمل تھے۔ ایک وہ ادیب تھے جو ادب عالیہ تخلیق کررہے تھے جن کے قارئین کی تعداد محدود تھی۔ دوسرے وہ قلم کار جن کا دین و ایمان پیسہ تھا عام قارئین میں زیادہ مقبول تھے۔ ان اہل قلم نے عوامی بول چال میں جنسی جذبات کو ابھارنے والی کہانیاں لکھ کر اس وقت کی نو جوان نسل کو اس قدر بے دردی سے گمراہ کردیا تھا کہ عام قاری ایک آنہ کی کتاب چوری چھپے ایک روپئے میں خرید کر پڑھا کرتا تھا وہ بھی ہفتوں انتظار کے بعد۔ ان میں سرفہرست وہی وہانوی کے ناول تھے۔ ایسے پراگندہ ماحول میں ابن صفی نے اپنے لئے ناول

نگاری کا وہ میدان منتخب کیا جس میں تجسس، مہم جوئی، حکمت و دانش، حب وطن، قانون کی پاسداری، اخلاقیات اور یقین و اعتماد کے ساتھ دین و مذہب کا احترام ملحوظ رہے۔ الغرض ابن صفی کے ناولوں کا بنیادی نصب العین فساد فی الارض کا سد باب ہے، ضرب کلیم ہے، اعلان جنگ ہے معاشرے کھلے اور چھپے مجرموں کے خلاف۔ اس مجاہدانہ طرز عمل کے لئے انھوں نے جاسوسی ناول نگاری کا جو راستہ اختیار کیا وہ سب سے جدا اور سب سے مختلف تھا۔ بقول علامہ اقبالؔ

اس کا انداز نظر اپنے زمانے سے جدا
اس کے احوال سے محرم نہیں پیران طریق

ابن صفی نے اپنے ناولوں میں زندگی کے جتنے اہم پہلوؤں پر قلم اٹھایا ہے شاید ہی کسی اور ادیب یا فنکار نے اٹھایا ہوگا۔ انھوں نے ہر موضوع پر لکھا اور خوب لکھا ہے۔ ہر موضوع پر لکھنا اور اس سے انصاف کرنا بلکہ پورا انصاف کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ چنانچہ ان کی ناول نگاری سے متعلق اپنے موقف کا اظہار کرتے ہوئے یعقوب جمیل نے لکھا ہے:

’’اردو کے ٹھیکے دار اس بات کو تسلیم کریں یا نہ کریں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ابن صفی کے ناول محض وقت گذاری کے لئے نہیں پڑھے جاتے بلکہ ان میں کوئی ایسی بات ضرور ہوتی جو لوگوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور وہ بات ہے اپنے ارد گرد بکھرے ہوئے ملکی اور سماجی مسائل۔ ان کے ناولوں کو پڑھتے وقت جب زندگی کے مختلف پہلو اور سماجی مسائل سامنے آتے ہیں تو لوگ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔‘‘ 3

جیسا کہ ناول ’’زردفتنہ‘‘ کے پیش رس میں یہ اقتباس قارئین کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے:

’’بڑا آدمی صرف وہ ہے جس کی تگ و دو صرف اپنی ذات کے لئے نہیں ہوتی۔ اگر مالدار ہوتا ہے تو خود کو ایک چوکی دار سے زیادہ نہیں سمجھتا۔ اس مال کا چوکی دار جو در اصل اللہ کی ملکیت ہے اور اسے اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں سے صرف کرتا ہے۔ ہم جو کچھ بھی حاصل کرتے ہیں اللہ کی زمین ہی سے تو حاصل کرتے ہیں اور اس پر ہمارے حقوق صرف اس حد تک ہوتے ہیں جو اللہ نے مقرر کردئے ہیں۔‘‘ 4

ابن صفی کی تحریروں کے حقائق کو سمجھنے اور سراہنے والوں میں جہاں جملہ شعبہ حیات کے افراد پائے جاتے ہیں وہیں روشن ضمیر ادیبوں اور دانشوروں کی ایک جماعت ہمیشہ موجود رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ادب پر تسلط اور اجارہ داری جن نقادوں کی رہی ہے انھوں نے ابن صفی کی ادبی خدمات کو اجاگر کرنے والی آوازوں کو دبانے کی ہر ممکن کوشش کی اور بظاہر بڑی حد تک ان کو کامیابی بھی ملی۔ تاریخ شاہد ہے کہ حق کی آواز چند لمحوں کے لئے دبی ہوئی محسوس ہوتی ہے لیکن اس کی دھیمی آنچ اچانک شعلہ جوالا کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ابن صفی کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ خود غالبؔ کی زندگی میں انھیں درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ غالبؔ کو سمجھنے کی توفیق مولانا حالیؔ کو ہوئی تو انھوں نے 1897ء میں یادگار غالب تصنیف کی تو پھر غالبؔ کی تفہیم و تحقیق کے لئے جوق در جوق ادیبوں اور تحقیق کرنے والوں کی قطار لگ گئی جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ گویا غالبؔ کے انتقال کے تقریباً 28 سال بعد غالب کی خدمات کو سمجھنے کا آغاز ہوا۔ ٹھیک اسی طرح ابن صفی کے انتقال کے تقریباً 28 سال بعد ہی ان کی خدمات کی طرف باضابطہ توجہ دی گئی۔

1970ء میں یونیسکو کی ایک رپورٹ کے مطابق اردو زبان میں اس وقت دو مصنفین جو ہر لحاظ سے قارئین میں مقبول رہے ایک مولانا ابو الاعلیٰ مودودی تھے اور دوسرے ابن صفی جن کی کہانیوں کے ترجمے ہندی، گجراتی، بنگلہ اور مرہٹی زبانوں میں ترجمہ ہو کر مقبول ہو چکے تھے۔ اردو کی معروف جرمن اسکالر ڈاکٹر کرسٹینا نے ابن صفی کو اردو کا ایک عظیم فنکار تسلیم کیا ہے۔ ڈھائی سو سے زیادہ ناولوں کے مصنف کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے پروفیسر گوپی چند نارنگ نے کہا کہ:

> ''ابن صفی کو اردو والوں نے ہی نہیں بلکہ دیوناگری والوں نے بھی کافی پڑھا ہے۔ ابن صفی کی مقبولیت اور شہرت حدوں میں قید نہیں ہے اس لئے انھیں نظر انداز کرنے کے بجائے ہمیں ادب میں معیار بندی کے اپنے رویے کو تبدیل کرنا چاہئے۔ اردو کے اس عظیم فنکار سے متعلق اب تک جو مجرمانہ غفلت برتی گئی اس کے ذمہ دار ہمارے وہ ادیب و نقاد ہیں جنھوں نے اردو کی حقیقی ترقی کو چند معروف ادبی اصطلاحوں کے حصار میں بند کر دیا ہے۔'' 5

ابن صفی سے قبل جاسوسی ادب جو انگریزی کہانیوں کے چند ترجموں تک محدود تھا اسے پہلی بار ابن صفی نے تخلیقی افکار کا اجالا دیا، ایک راہ دکھائی، ایک نیا چہرہ دیا۔ ایسا دلفریب چہرہ جو کرائم فکشن اور کرائم فینٹسی کا خوبصورت میل ہے۔ 1948ء میں ماہنامہ 'نکہت' کی اشاعت کے ساتھ ابن صفی کا قلم جنبش میں آ گیا اور ان کا پہلا افسانہ ''فرار'' جون 1948ء کے شمارے کی زینت بنا۔ اسی دوران وہ طنزیہ اور مزاحیہ مضامین 'عقرب بہارستانی' کے قلمی نام سے لکھتے تھے لیکن یہ ان کی منزل نہیں تھی۔ 1952ء میں جب عباس حسینی نے ماہنامہ 'جاسوسی دنیا' شروع کیا تو ابن صفی کے نام سے انھوں نے ناول 'دلیر مجرم' کے ساتھ اپنی ناول نگاری کا آغاز کیا، جس کا پلاٹ وکٹر گن کی کہانی 'آئرن سائیڈ زلوں ہینڈ' پر مبنی تھے۔ لیکن بعد میں ان کے طبع زاد ناولوں کی مانگ اتنی بڑھی کہ قارئین کو ان کے ہر نئے ناول کا بے چینی سے انتظار رہتا تھا اور بعض اشخاص نے صرف ان کے ناول پڑھنے کے لئے اردو تعلیم حاصل کی اور مطالعے کو اپنا شعار بنایا۔

ابن صفی کے ناولوں کا کثرت سے مطالعہ کرنے والے اس بات کا بخوبی ادراک رکھتے ہیں کہ ابن صفی کے ہر ناول کا موضوع جدا، انوکھا، اچھوتا اور کہانی کا پلاٹ سماج کے کسی نہ کسی سلگتے ہوئے مسئلہ کی بنیاد پر تشکیل پاتا ہے۔ موضوع کے لحاظ سے ابن صفی کا وژن شروع ہی سے عالمی اور آفاقی رہا ہے۔ ان کی کہانی کا کینوس اتنا وسیع ہوتا کہ شاید ہم اس کی وسعت کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ زندگی کو حقائق سے قریب تر دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کے لکھے ہوئے تمام ناولوں کا احاطہ کرنا آسان نہیں تاہم چند موضوعات کا ذکر غیر مناسب نہ ہوگا جن میں بدکردار سیاستدانوں، زر پرست سرمایہ داروں کی منصوبہ بند سازشوں، تعلیمی اداروں میں جنم لینے والی اخلاقی برائیوں، صنعتی بے راہ روی، بے جا ظلم و تشدد، بلیک میلنگ، اسمگلنگ، اوہام پرستی کی آڑ میں قتل و غارت گری، منشیات کی عالمی تجارت، جدید تکنالوجی کا مجرمانہ استعمال اور عالمی انسانیت کو تباہ کرنے کی پر اسرار عالمی سازشوں اور اس طرح نہ جانے کتنے عنوانات ہیں جن کو ابن صفی نے اپنی کہانیوں کا موضوع بنایا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اردو ناول نگاری کی دنیا میں اس موضوعاتی تنوع کا غیر معمولی طور پر استقبال کیا گیا۔

ایک صاحب طرز ادیب کی حیثیت سے بھی ابن صفی کا اپنا ایک منفرد اسلوب ہے وہ کہانی کو دلکش پیرایے میں بیان کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ان کی تحریر میں روشن لفظ و معنی کے چراغ تفہیم کے لئے ضروری اجالا پھیلاتے ہیں وہ طنز بھی کرتے ہیں مگر مزاح کی چاشنی میں لپیٹ کر۔ اس کا اندازہ ان کے چند منتخب ناولوں کے اقتباسات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

''ہاں حمید صاحب......آدمی جب درندگی پر اتر آتا ہے تو جانوروں سے بھی بدتر ہوجاتا ہے۔کیا تم نے کبھی کسی کتے کو دوسرے کتے کا گوشت کھاتے دیکھا ہے؟''۔
(ناول،سانپوں کا مسیحا)

''زندگی میں پہلی بار مجھے محسوس ہوا کہ آدمی بنیادی طور پر دیوتا تھا۔لیکن مختلف فلسفوں نے اسے درندہ بنا دیا ہے۔'' (ناول دہشت گر)

''دین داری محض عبادت نہیں ہے اصل دینداری عبادت کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اگر عبادت آدمی کو آدمی نہیں بنا سکتی تو میں ایسی عبادت کے سلسلے میں اپنی رائے محفوظ رکھنے پر مجبور ہوں''۔ (ناول صحرائی دیوانہ،جلد دوم)

''بیٹھیے کرنل صاحب.......کچھ پیجیے۔
میں کافی اور سادہ پانی کے علاوہ کچھ نہیں پیتا....شکریہ۔
مجھے حیرت ہوتی ہے کہ آپ شراب کے بغیر اتنا دماغی کام کیسے کر لیتے ہیں۔
شراب نہیں پیتا اس لئے کر لیتا ہوں۔'' (ناول جونک کی واپسی)

''ہم اردو کے اخبار نہیں دیکھتے۔
دیکھا کیجیے ایمان تازہ ہوتا ہے۔ایک صفحے پر درس قرآن پڑھیے اور دوسرے صفحے پر ننگی چھپکلیوں کی تصویریں بھی دیکھ لیجیے۔'' (ناول پاگلوں کی انجمن)

محبت میں ایسا وقت بھی آتا ہے انساں پر
کہ تاروں کی چمک سے چوٹ لگتی ہے رگ جاں پر

خدا کے لئے ایسے سڑے بسے شعر مت سنایا کروں
اصغر گونڈوی کا شعر ہے جناب.
اللہ کا تو نہیں ہے.
کیوں صاحب کیا خرابی ہے اس شعر میں؟
اس قسم کی کیفیت صرف بھنگ پی جانے پر پیدا ہو سکتی ہے....
فریدی نے مسکرا کر کہا۔ (ناول خون کا دریا)

''آدمی نے خود اپنی زندگی میں زہر بھرا ہے اور اب خود ہی تریاق کی تلاش میں سرگرداں ہے۔وہ خدا تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اپنے پڑوس تک بھی اس کی پہنچ نہیں ہو پاتی ہے۔'' (ناول سینکڑوں ہم شکل)

اس طرح ابن صفی نے اپنے دلکش اسلوب نگارش اور بلیغ جملوں اور عبارتوں سے قارئین کو دعوت فکر و عمل دیتے ہیں۔

ابن صفی کے تحریروں میں جہاں انسانی اقدار کی پاسداری اور عالمی امن کا پیغام ملتا ہے وہاں ان کے ناول اخلاق کی کسوٹی پر بھی کھرے اترتے ہیں۔ان کے ناول ایسے صاف ستھرے ہیں کہ جنھیں پورا کنبہ ایک ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ابن صفی مشرقی روایات کے پاسدار ہی نہیں ترجمان بھی ہیں چنانچہ آزادی اور ماڈرنزم کے نام پر اوڑھی گئی عریانیت کا انھوں نے کھل کر مذاق اڑایا ہے۔

''وہ ان کے چہرے نہیں دیکھتا تھا........ چہرے دیکھ کر کیا کرتا اگر وہ ڈھنگ کے ہوتے تو چست لباسوں کی وبا ہی کیوں پھیلتی۔اسی احساس نے تو اس گھٹیا قسم کی خود نمائی کی وبا پھیلائی تھی۔'' (ناول شیطانی جھیل)

کردار سازی میں بھی ابن صفی کو ملکہ حاصل ہے۔ان کے ناولوں کی شہرت و مقبولیت اور عظمت و قدر و قیمت ان کے مخصوص کرداروں کی بدولت ہے جو ان کے خلاق ذہن کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔ان کے سبھی کردار زندگی سے بھرپور ہیں اور قاری پر دوامی تاثر قائم کرتے ہیں۔ ہر کیریکٹر اپنی عادات و اطوار اور سیرت و کردار میں منفرد حیثیت کا حامل اور کشش و جاذبیت کا پیکر ہے ۔اگر ایک طرف فریدی کا سنجیدہ کردار ہے تو دوسری طرف حمید کی غیر سنجیدہ شخصیت ہے۔ فریدی بے پناہ خداداد صلاحیتوں کا مالک ہے،ذہانت اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ ہر چیز

کوایک مخصوص زاویہ نگاہ سے دیکھنے کا عادی۔ غیر معمولی حالات میں تفکر وتدبر سے کام لینے والا۔ شراب و شباب سے گریزاں۔ مشکلات کا سینہ سپر ہو کر مقابلہ کرنے والا۔ جرائم پیشہ لوگوں کے طریق کار پر گہری نظر رکھنے والا۔ قسمت کا دھنی اور دل کا غنی غرض فریدی کی شخصیت میں ابن صفی نے اتنی خوبیاں رکھ دی ہیں کہ نطشے کے فوق البشر کردار ہونے کا گمان ہوتا ہے۔

اس کے برعکس حمید کا کردار ہے جو حالانکہ فریدی کا اسسٹنٹ ہے مگر اس میں نوجوانوں کا سا کھلنڈرا پن ہے۔ بلا کا ہنسوڑ اور دل پھینک۔ حسین چہروں کا شیدائی اور شباب و جمال کا پرستار مگر جنسی لذتوں اور بشری لغزشوں سے دور زندگی کے ہر معاملے کو نہایت ہلکے پھلکے انداز میں دیکھنے کا عادی۔ سیر وتفریح کا شوقین اور کسی حد تک جذباتی۔ فریدی کے تئیں نہایت جاں نثار اور وفادار۔ خطرات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے والا۔ پھر قاسم جیسا عظیم الجثہ لحیم وشحیم کردار ہے جو اپنی جسامت اور حماقت کا مظاہرہ کر کے ہر ایک قاری کو ہنسنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ ایک اور کردار انور کے روپ میں چند مخصوص ناولوں میں ابھر کر سامنے آتا ہے جو حالانکہ کرائم رپورٹر ہے مگر زندگی سے اکتایا ہوا۔ لاپرواہ اور لاابالی مگر ذہانت سے بھرپور، زمانے اور دنیا سے غیر مطمئن۔ نفسیاتی اعتبار سے ماحول سے گریزاں اس کی زہرناک مسکراہٹ اس کے کرب کے داستان سناتی نظر آتی ہے۔ اسی طرح عمران کا غیر معمولی کردار بھی دوہری شخصیت کا مالک اور عجیب وغریب کیفیات کا مرکب ہے۔ بے اصول شخصیت تو نہیں لیکن جس کے اصول لچیلے ضرور ہیں۔ حالات کے تقاضوں کے تحت وہ اپنے کردار کو کسی بھی سانچے میں ڈھال لیتا ہے۔ مجرموں کے چالوں پر گہری نظر رکھنے والا اور اپنی حماقتوں کو ذہانت میں تبدیل کرنے والا ۔ بے خوف نڈر، اور ہر قسم کے کرتب کا ماہر۔ اب کس کس کردار کی وضاحت کی جائے جوزف ہے، جولیا ہے، صفدر ہے، فیاض ہے، رشیدہ ہے اور کئی مستقل کردار ہیں جو اپنی خصوصیات میں بہت جامعیت رکھتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ابن صفی کے سبھی کرداروں نے ان کے ناولوں کو بلند معیاری عطا کرنے میں کوئی کثر باقی نہ رکھی۔ بقول خان آصف:

''ابن صفی کا کمال ہے کہ انھوں نے اپنے کرداروں میں اس طرح جان ڈالی ہے کہ وہ کاغذی دنیا سے نکل کر انسانی معاشرے میں متحرک نظر آنے لگتے ہیں۔'' 6

غرض مجموعی طور پر ابن صفی کے ناول فکروفن کی ان تمام قدروں سے متصف ہیں جو کسی بھی شاہ کار تخلیق کا طرہ امتیاز ہوتی ہیں۔ ابن صفی کی غیر معمولی تخلیقی صلاحیتوں اور ان کی بے مثال اور لازوال تحریروں کے پیش نظر بابائے اردو مولوی عبدالحق کو کہنا پڑا کہ:

''کاش ایک اور ابن صفی پیدا ہوتا تو اردو کی کایا پلٹ ہو جاتی''

اور مغربی دانشور اگاتھا کرسٹی نے ابن صفی کو ایشیا کا سب سے کامیاب پر اسرار ناول نگار تسلیم کیا ہے جو اس فن کا موجد بھی ہے اور خاتم بھی۔ اس کے باوجود اردو کے نام نہاد نقادوں نے انھیں تاریخ ادب میں وہ منصب ومقام نہیں دیا جس کے وہ صحیح معنوں میں مستحق ہیں۔

حواشی:

1. ابن صفی- مشن اور ادبی کارنامے، محمد عارف اقبال، اردو بک رویو، جون 2013ء
2. پیش رس 'لاشوں کا بازار' عمران سیریز ستمبر 1956ء
3. ابن صفی، مشن اور ادبی کارنامے، ص223
4. ناول زرد فتنہ، ابن صفی
5. ابن صفی، مشن اور ادبی کارنامے، ص181
6. ابن صفی، مشن اور ادبی کارنامے، ص212

پروفیسر سید سجاد حسین، پروفیسر وصدر، شعبہ اردو، مدراس یونیورسٹی۔

ابن صفؔی کے ناولوں کا بین المتون مطالعہ

ڈاکٹر حبیب نثار

اسرار احمد ابن صفی 26 جولائی 1928ء کو پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار کو مطالعہ کا شوق تھا۔ گھر میں اچھا خاصہ کتب خانہ موجود تھا۔ ننھے اسرار احمد ابھی ساتواں برس ختم کر کے آٹھویں سال میں قدم رکھا تھا کہ اس کے ہاتھ طلسم ہوشربا لگی۔ بیان دلچسپ خود' ابن صفی سے سنئے۔

''نصابی کتب کے علاوہ پہلی کتاب جو ہاتھ لگی وہ طلسم ہوش ربا کی پہلی جلد تھی۔ ہر چند کہ اس کی زبان آٹھ سال کے بچے کے بس کا روگ نہیں تھی پھر بھی کہانی تو پلّے پڑ ہی گئی تھی۔ پے در پے ساتوں جلدیں چاٹ ڈالیں...... پھر یاد نہیں کہ کتنی بار ساتوں جلدیں دہرائی گئی تھیں۔ (ص 94-93 بہ قلم خود' قومی زبان اگست ستمبر 2011ء)

یہ اقتباس ہمارے موضوع کی تفہیم اور تعبیر کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ابن صفی نے لکھا ہے کہ انہوں نے زبان سمجھ میں نہ آنے کے باوجود ''طلسم ہوش ربا'' کی ساتوں جلدیں چاٹ ڈالیں...... یہاں چاٹ ڈالنے کا بیان اہم ہے کہ انھوں نے صرف نظریں نہیں پھیریں تھیں بلکہ لفظ بہ لفظ از ابتدا تا انتہا پڑھی تھیں ابن صفی نے اسی اقتباس میں یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ انہوں نے ''اس داستان بزرگ'' کو بار بار' بار بار کئی بار پڑھا کہ پڑھے جانے کی تعداد تک انھیں یاد نہیں۔ ابن صفی اس داستان سے اس قدر متاثر ہوئے تھے کہ اگر یہ داستان انھیں پڑھنے کے لیے دستیاب نہ ہوتی تو وہ بے چین ہو جایا کرتے تھے۔ مطالعہ کے عشق کا تیر ان کے ذہن و دل میں تراز و ہو چکا تھا کہ اپنی تسکین کا سامان کرنے کی غرض سے انہوں نے قلم کو تھامہ اور ساتویں جماعت میں انہوں نے اپنا پہلا افسانہ ''ناکام آرزو'' تخلیق کیا۔

ایک لمحہ کے لیے یہاں ''داستان کو روکتے'' ہیں۔ اور اس بات پر غور کرتے ہیں کہ کیا حسن اتفاق ہے کہ سات' آٹھ برس کی عمر میں ابن صفی نے پہلی مرتبہ طلسم ہوش ربا کی ''سات'' جلدوں کا مطالعہ کیا اور ساتویں جماعت میں پہلا افسانہ لکھا۔ افسانے کا عنوان ''ناکام آرزو'' بھی ہماری توجہ چاہتا ہے۔

یہ ''ناکام آرزو'' کیا تھی وہ افسانہ پڑھنے کے بعد ہی معلوم ہوگا لیکن اسی سوانحی مضمون میں اپنی آرزوؤں کا بیان ابن صفی نے کیا ہے لکھتے ہیں۔

''کتابوں کے ڈھیر گاؤں ہی میں رہ گئے۔ اسکول سے واپس آ کر بڑی الجھن میں مبتلا رہتا۔ پھر ہوائی قلعے بننے لگتے اور خود کو طلسم ہوشربا کی حدود میں پاتا۔ کسی مظلوم جادوگرنی کے لیے کوئی کارنامہ انجام دے کر اس کی آنکھوں کا تارا بنتا اور اس کی مدد سے پورا مطبع و کتب خانہ منشی کنول کشور کا اٹھوا منگایا۔ (ص 170)

ابن صفی کے خواب و خیال کی یہ دنیا میرے مقالے کے موضوع سے خاص تعلق رکھتی ہے کہ اسی سے جاسوسی دنیا کے قابل مصنف کے شعور اور لاشعور کا ہم مطالعہ کر سکتے ہیں۔ ابن صفی نے لکھا ہے کہ وہ آٹھ برس کے تھے کہ انہوں نے طلسم ہوش ربا کا مطالعہ کیا تھا اور ساتویں جماعت میں انہوں نے اپنی پہلی تخلیق افسانہ کی شکل میں لکھی تھی۔ ساتویں جماعت میں ان کی عمر تقریباً گیارہ یا بارہ برس رہی ہوگی۔ چودہ برس کی عمر میں جگر مراد آبادی ان کے ''حواس پر چھائے ہوئے'' (ص 94) نظر آتے ہیں اور پھر وہ باقاعدہ شاعری کرتے ہیں اور مشاعرے بھی پڑھتے ہیں۔ 1947ء میں وہ بی اے کے طالب علم تھے اور ڈاکٹر سید اعجاز حسین کے ''لکچرز نے ذہنی نشو و نما کے نئے باب'' وا کیے تھے۔ ابن صفی کی تعلیم اور تخلیق کا سفر اپنی ارتقائی منازل کی جانب رواں دواں تھا لیکن آٹھ سال کا وہ بچہ جس نے پہلی مرتبہ طلسم ہوش ربا کا مطالعہ کیا تھا ان کے تحت الشعور سے باہر آ کر اپنے سحر سے ان کے حواس اور قلم کو اپنے قابو میں کر لیتا تھا۔ اپنے مضمون بہ قلم خود میں لکھتے ہیں۔

''میں یہہ سب کچھ کرتا رہا۔ لیکن آٹھ سال کا وہ بچہ جس نے طلسم ہوشربا کی ساتوں جلدیں چاٹ ڈالیں تھیں' کسی طرح بھی میرا پیچھا چھوڑنے پر تیار نہیں تھا۔ شعر کہنے بیٹھا تو

سامنے آ کھڑا ہوتا۔ نثر لکھتے وقت تو قلم ہی پر ہاتھ ڈال دیتا۔ اور پھر میں جھلا کر اس کے پیچھے دوڑ پڑتا۔ اس کا تعاقب کرتا ہوا طلسم ہوش ربا کی فضاؤں سے گزرتا''۔ (ص95)

عرض کرنا یہ ہے کہ آٹھ برس کی عمر سے بیس برس تک 1948ء طلسم ہوش ربا اس کے واقعات و کردار، ابن صفی کے خواب و خیال کا اہم حصہ بن گئے تھے اور خواجہ عمرو اور ان کے شاگردان کا روزمرہ قرار پائے تھے۔ اور مارچ 1952ء میں انہوں نے جب اپنا پہلا جاسوسی ناول ''دلیر مجرم'' لکھا تو امیر حمزہ اور عمرو عیار نے اس ناول کے بین السطور خود کو ظاہر کیا۔

گراہ کشایان سلسلہ سخن و تازہ کنندگان افسانہ کہن فسانہ طلسم کے گوہر ابدار سخن کو زیب گوش سامعین ذی ہوش کرتے ہوئے یہ حقیر عرض کرتا ہے کہ ''جن صاحبین نے استادانِ قدیم و جدید کو سماعت فرمایا ہے لیکن حقیر کی آبرو پڑھاتے ہیں۔''

طلسم ہوشربا کی سات جلدیں محمد حسین جاہ اور احمد حسین قمر نے 1883ء سے 1893ء تک لکھ دی تھیں۔ اس داستان کے بارے میں یہاں یہ عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ یہ خالص اردو کی ''چیز'' ہے کسی اور زبان سے ترجمہ نہیں۔ عیاری اور ساحری اس داستان میں اہم عنصر کی حیثیت رکھتی ہے۔ (آج اسی کو جاسوسی کہا جاتا ہے) یہ داستان جو داستان امیر حمزہ کا حصہ ہے یہ حق اور باطل کی لڑائی ہے یہاں اسلام و کفر میں جنگ ہے یہ مسلمان اور ہندو کی جنگ نہیں یہاں اسلام پسند امیر حمزہ اور جادوگر افراسیاب کے درمیان میں جنگ ہوتی ہے اور طلسم ہوشربا کی ساتویں جلد میں جب اسد غازی طلسم کشائی کرتے ہیں تو حق کی فتح ہوتی ہے۔

میں نے ابن صفی کے ناولوں کے بین المتون مطالعہ کے لیے چار عناصر کا انتخاب کیا ہے۔

1) جاسوسی دنیا میں تجسس، تحیر۔ داستان روکنا۔
2) تکنیک۔ قصہ در قصہ۔ انجام۔ (خصوصاً فریدی سیریز)
3) عشق اور انحراف۔ اور
4) کردار و قصہ کا جغرافیہ

جاسوسی دنیا کی مقبولیت کا اہم راز اس میں واقعات کے ذریعہ ابھارا جانے والا تجسس ہے اور سراغ رسانی کے دوران واقعات کے اچانک وقوع پذیری ہونا ہے۔ جاسوسی دنیا میں تجسس ابن صفی نے اس طرح تخلیق کیا ہے کہ کسی ایک واقعہ کا جب وہ خاتمہ کرتے ہیں (ایک باب کا) تو یہ نامکمل ہوتا ہے۔ اور پھر کیا ہوا۔ یہ جاننے کے لیے کم از ایک باب تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ ابن صفی نے اپنے ناول ''ٹھنڈی آگ'' میں حمید کی زندگی اسی کی زبانی بیان کی ہے اس ناول کا پہلا باب اور اس کے خاتمہ کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

''بہر حال وہ وہی شام تھی جب اس کہانی کا آغاز ہوا۔ مجھے یہی اطلاع تھی کہ کرنل اس وقت لائبریری میں موجود ہیں لیکن انھوں نے مجھے تجربہ گاہ میں بلوا بھیجا۔ ان کی تجربہ گاہ اوپری منزل ہے۔ میں اوپر پہنچا لیکن تجربہ گاہ میں قدم رکھتے ہی چکر سا آ گیا۔ سامنے ہی میز پر ایک آدمی کی لاش پڑی ہوئی تھی جس کا پیٹ پھٹ گیا تھا۔ آنتیں باہر آ گئی تھیں اور تازہ تازہ خون میز پر چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔

(ناول ''ٹھنڈی آگ''، ص14)

ابن صفی کے اس ناول کا پہلا باب یہاں ختم ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے باب میں حمید کی کہانی نہیں بلکہ کوئی اور ہی قصہ بیان اور ہے۔ اس تکنیک کو داستان کی اصطلاح میں ''داستان روکنا'' کہتے ہیں۔ جس سے قارئین/سامعین کو آگے آگے والے واقعات سے دلچسپی ہوتی ہے اور انھیں جاننے کا تجسس پیدا ہوتا ہے۔ ابن صفی نے اپنے ناولوں کے لیے داستانوں کی اسی تکنیک کو اپنایا ہے۔

داستان کی خصوصیت اور شناخت اس کی قصہ در قصہ تکنیک ہے۔ ابن صفی نے جاسوسی دنیا میں اسی طریقہ کار کو اپنایا ہے۔ فریدی سیریز کے ناول تو اس راز کو اس طرح واشگاف کرتے ہیں کہ کوئی پردہ نہیں رہتا۔ داستانوں میں ہر قصہ ادھورا رہتا ہے اور اختتام پر ہر قصہ کا انجام سامنے آتا ہے۔ ابن صفی کے جاسوسی دنیا فریدی سیریز کی بھی یہی صورت حال ہے۔ فریدی انجام ناول کے آخر میں بیان کرتا ہے اور ہر واقعہ کے تمام حصوں کو مکمل کرتا ہے۔

طلسم ہوشربا کی عمدہ زبان کا اعتراف کلیم الدین احمد، راز یزدانی، عشرت لکھنوی، گیان چند جین اور شمس الرحمٰن فاروقی نے کیا ہے۔ اور جاسوسی دنیا کی زبان کی قسم مجنوں گورکھپوری، مشتاق احمد قریشی، پروفیسر انوار الحق، مرزا حامد بیگ، علامہ اعجاز فرخ اور پروفیسر سید مجاور حسین رضوی وغیرہ کھاتے ہیں۔ یہاں فریدی کے ناول سے ایک اور عمران سیریز کے ناول سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

''سرداؤد نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپالیا۔''

''فریدی اسے ترحم آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔''

''میں سمجھتا ہوں سرداؤد'' اس نے کہا '' آپ مطمئن رہیں۔ میری تفتیش کی کہانی منظر عام پر نہیں آنے پائے گی۔

''میں نے اسے ہمیشہ خوش رکھنے کی کوشش کی تھی۔'' سرداؤد رو پڑا۔

''آدمی بے بس ہے سرداؤد۔ مقدرات اٹل ہوتے ہیں۔''۔۔۔۔''

سرداؤد کچھ نہ بولا۔ اس کی سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔

فریدی چپ چاپ باہر نکل آیا۔ حمید راہداری کے سرے پر اس کا منتظر تھا۔

''کیا آپ کو بوڑھے کی کہانی پر یقین آ گیا ہے۔''

''یقین!'' فریدی مسکرایا ''یقین کی منزل بہت دور ہے۔ یقین مجھے اسی وقت آئے گا جب میری تفتیش اس کے بجائے کوئی دوسری کہانی سنائے۔''

''میرا دعویٰ ہے کہ سرداؤد ہی اس کی موت کا ذمہ دار ہے۔ اس نے اُسے بالکنی کے نیچے پھینکا ہوگا۔ خودکشی کی کہانی میں مزید زور پیدا کرنے کے لیے زہر والا ٹکڑا لگایا گیا ہے۔''

''اور پھر اس کے کسی آدمی نے میری فلٹ برباد کر دی کیوں؟''۔۔۔۔''

''آ........ہاں........یقیناً اس طرح تھوڑا سا الجھاوا اور پیدا ہو گیا۔

اب پولیس جھک مارتی پھرے اگر اسے یہی پسند ہو۔''

''تم کافی دور رس نگاہ رکھتے ہو۔'' فریدی مسکرایا۔

''اسی طرح مصرعوں کا اضافہ کرتے جاؤ پھر گرہیں لگا لگا کر غزل مکمل کر لیں گے۔''

''اچھی بات ہے آپ سمجھئے اسے بکواس لیکن آخر کار آپ کو پچھتانا پڑے گا۔''

''میں۔ ویسے بھی دن میں دو چار بار پچھتانا اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہوں۔''

فریدی نے کہا......

''اب کہاں چل رہے ہیں۔'' حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''اُفق کے اس پار۔'' فریدی نے ٹھنڈی سانس لی۔

''مجھے مویشی خانے کے پاس اُتار دیجئے گا۔'' فریدی ہنس پڑا۔

یہ اقتباس جاسوسی ناول' فریدی سیریز سے اخذ کیا گیا ہے۔ اب ایک اقتباس مزید دیکھئے جو عمران سیریز کے ناول ''مونالیزا کی نواسی'' سے لیا گیا ہے۔

''مم....... مم....... میں....... کہاں....... ہوں....... آپ ککون ہیں'' بد وقت بولا چہرے پر ایسا ہی تاثر تھا جیسے اب اُٹھ کر بھاگے گا۔

''گھبراؤ نہیں، سب ٹھیک ہے..... لیٹ جاؤ۔'' لڑکی بولی۔

میرا نام شلّی ہے اور یہ فوزیہ ہے۔''

''بب.....بڑی خوشی ہوئی۔ اس نے کہا اور کراہتا ہوا لیٹ گیا..... خوفزدگی نے چہرے پر چھائی ہوئی حماقت میں کچھ اور اضافہ کر دیا تھا۔

''کچھ کھائیں پئیں گے آپ'' شلّی نے پوچھا۔

''جی نہیں، شکریہ۔

''آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔''

''علی عمران، ایم۔ ایس۔ سی، ڈی ایس سی۔ آکسن۔''

''بہت خوب'' شلّی ہنس پڑی اور اس نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

''آپ کیوں ہنسے۔ فوزیہ نے پوچھا۔''

''نہ ڈگری کام آ رہی ہے اور نہ ڈاکٹریٹ۔''

''کیا مطلب!!''

''پیاز کی آڑھت کرتا ہوں۔ وہ اٹھ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

''کمال ہے! ڈگری اور ڈاکٹریٹ نقلی تو نہیں ہے۔''

''جی نہیں۔ آکسفورڈ کی ہے۔'' وہ بڑی سادگی سے بولا۔

''یہاں کیوں آئے تھے۔''

''پیاز کی تلاش میں۔ دو ہزار ٹن مڈل ایسٹ بھجوانی ہے۔''

''بڑا کاروبار معلوم ہوتا ہے۔''

''بھینسوں کی فارمنگ بھی کرتا ہوں۔''

''وہ کیسے ہوتی ہے''

''بس ہو جاتی ہے۔ بہت سیدھی ہوتی ہیں بھینسیں...... فارمنگ کرالیتی ہیں۔ والد صاحب پولٹری فارمنگ کرتے ہیں۔ دن بھر مرغیاں انھیں دوڑاتی رہتی ہیں۔ بھینس بیچاری تو جہاں بیٹھ گئی بیٹھ گئی۔'' (مونالیزا کی نواسی''ص14اور15)

(عمدہ زبان کی مثال کے سلسلے میں شعوری طور پر اقتباس کی تلاش نہیں کی گئی ہے جو اقتباس سامنے آ گیا یہاں درج کر دیا گیا ہے یقیناً ڈھونڈنے پر اس سے بہتر مثالیں بھی مل سکتی ہیں۔ ح۔ن)

ابن صفی کے جاسوسی ناولوں میں جو زبان ملتی ہے اس کی داد دیتے ہوئے مجنوں گورکھپوری فرماتے ہیں۔

''ابن صفی کی زبان ایسے معیار کی ہوتی ہے جو تعلیم یافتہ طبقے میں بھی قبول اور پسند کی جائے ان کی زبان میں ادبی چاشنی بھی ہوتی ہے اور محاوروں کا لطف بھی ہوتا ہے او افسانے کی گہرائی اور دلکشی کو برقرار رکھنے میں مدد دیتا ہے۔''

(''اردو میں جاسوسی افسانہ'' مشمولہ رسالہ آمد)

'ظرافت' طلسم ہوشربا میں عیاری اور ساحری کے بعد اہم عنصر ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی لکھتے ہیں۔

''وہ اپنے ماحول میں آسودہ تھے۔ ان کی روح مطمئن تھی۔ دنیا و ماورا سے انہیں کوئی شکایت نہ تھی۔ اس لیے وہ ہنستے تھے تو سچی خوشی سے' ان کی ہنسی میں گویا ان کی روح

انگڑائیاں لیتی تھی۔ ان کی ظرافت ان کے اطمینان قلب کی آئینہ دار ہے۔ اور پڑھنے والوں کے اطمینان قلب کا سبب۔'' (ص47 مقدمہ طلسم ہوشربا)

جاسوسی دنیا کے عمران سیریز میں بھی ظرافت کہانی کا اہم جزو بن کر سامنے آتی ہے۔ عمدہ زبان کے سلسلے میں عمران کا جو اقتباس پیش کیا گیا ہے وہ ظرافت' سنجیدہ ظرافت کی بھی سند پیش کرتا ہے۔

اب ہم آتے ہیں عشق کی جانب۔ راہی معصوم رضا کا کہنا ہے کہ اس داستان میں عشق ہی عشق ہے۔'' (طلسم ہوش ربا92) صرصر شمشیر زن' افسراسباب کی جاسوس ساحرہ ہے وہ عمرو عیار کو چاہتی ہے۔ دونوں اکثر ایک وسرے کے مقابل ہوتے ہیں لیکن یوں بھی ہوتا ہے کہ بعض مراحل میں اپنی مقصد براری کی خاطر مشترکہ دشمن سے نجات کی غرض سے دونوں ایک دوسرے کا تعاون کرتے ہیں اور اور پھر سے جانی دشمن ہو جاتے ہیں ایک دوسرے کو دور ہو جانے کی صلاح دیتے ہیں۔

جاسوسی دنیا میں عمران اور سنگ ہی کی ہی کیفیت ہے۔ عشق ہی کے ہاتھوں مجبور ہو کر افسراسیاب کے طلسم سے ملکہ بہار اور مخمور' امیر حمزہ سے مل جاتی ہیں۔ یہی کیفیت ہمیں ابن صفی کے ناولوں میں عمران سیریز میں نظر آتی ہے کہ روشی اور جولی دونوں کا تعلق عمران کے مخالف سے ہے لیکن عمران سے متاثر ہو کر وہ اس کے لئے خدمات انجام دیتے ہیں۔

طلسم ہوش ربا میں سب سے اہم حیثیت امیر حمزہ کی ہے لیکن بادشاہت انہوں نے اپنے بیٹے کو دی ہے اور امیر حمزہ سپاسالار بنے ہوئے ہیں۔ فریدی' جاگیردار طبقہ سے تعلق رکھتا ہے دولت مند ہے' لیکن کرنل کے عہدہ سے آگے ترقی نہیں چاہتا کہ سراغرسانی اس کی فطرت ہے۔ علی عمران۔ x2 ہے' لیکن ایک معمولی جاسوس کی حیثیت سے خدمات انجام دیتا ہے۔

امیر حمزہ کی سیرت و کردار کے بارے میں گیان چند لکھتے ہیں۔

''امیر حمزہ نہایت بہادر پاکباز۔ صاحب ایمان اور اصول پرست بزرگ ہیں۔ جنگ میں اپنے اصول سے سرِ مو لغزش نہیں کرتے مثلاً اول حریف پر پیش دستی نہیں کرتے۔ طبل بازگشت بجنے پر فوراً دشمن سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ دشمن کو زیر کرنے پر اول اسلام

لانے کا سوال کرتے ہیں۔اگر اس نے ظاہر داری سے بھی منظور کر لیا تو چھوڑ دیتے ہیں۔ان کا کوئی ساتھی یا عزیز اگر دشمن کے یہاں بے قاعدگی سے مکاری کر کے آتا ہے تو اسے فوراً دشمن کے حوالے کر دیتے ہیں خواہ وہ عمرو ہی کیوں نہ ہو۔ساحروں کے مقابلے میں دیووں کو نہیں لاتے ورنہ سب ساحروں کو دیووں سے کھلوا سکتے تھے۔عمرو کو اجازت نہیں کہ گلیم اوڑھ کر کسی کو قتل کرے۔غرض یہ ایک مثالی قسم کے پُر جلال پارسا مجاہد ہیں۔" (اردو کی نثری داستانیں' یو پی اکیڈیمی ایڈیشن ص779)

اور فریدی کے کردار و شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ابن صفی کے صاحبزادے احمد صفی لکھتے ہیں۔

"فریدی ایک سنجیدہ طبیعت انسان ہے اور ایک بہت واضح شخصیت کا مالک ہے اور اپنے کردار سے ایک لمحہ ادھر اُدھر نہیں ہونے پاتا۔کیپٹن حمید' شخصیت کی اس سخت گیر طبیعت کے تحت اسے "فادر ہارڈ اسٹون" کا نام دیتا ہے۔ (ص185 آمد)

جس طرح عمرو عیار طلسم ہوشربا کا مرکزی کردار ہے اسی طرح سنگ ہی ابن صفی کے جاسوسی ناولوں کا اہم کردار ہے۔دونوں کرداروں کا تقابلی مطالعہ بتاتا ہے کہ ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلایا گیا ہے۔

طلسم ہوشربا۔عمرو عیار	**جاسوسی دنیا۔سنگ ہی**
"ایک عیار' دبلا پتلا جس کی زیرہ سی آنکھیں' طباق سا پیٹ' ناریل سا سر' کلیجے سے گال . . . .ایک کرسی پر بیٹھا ہے......"	یہ ایک دراز قد اور دبلا پتلا چینی! اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں حیرت انگیز طور پر چمکیلی تھیں۔عمران نے اتنے لمبے قد کا کوئی چینی آج تک نہیں دیکھا تھا۔ اس کی ناک چینی ضرور تھی.....عمران کو حیرت تھی کہ یہی مچھر سا آدمی سنگ ہی ہے۔
(ہرمز نامہ ص170)	(لاشوں کا بازار' ص136و138)

یہی نہیں۔طلسم ہوشربا میں پانچ عیار ہیں اور یہی تعداد افسراسیاب' فریدی اور عمران کے ساتھیوں کی ہے۔ملاحظہ ہو۔

طلسم ہوش ربا:

امیر حمزہ کے عیار۔عمرو عیار۔مہتر قرآن' برق فرنگی' جاں سوز اور ضرغام افراسیاب کے ساحر۔صرصر شمشیر زن' صبار فتار' شمیمہ نقب زن' صنوبر کمند انداز اور تیز نگاہ خنجر زن۔

جاسوسی دنیا:

فریدی سیریز: کرنل فریدی' کیپٹن حمید' انسپکٹر آصف' انسپکٹر جگدیش اور انور۔

عمران سیریز: علی عمران' صفدر' ظفر الحسن' جمن اور جوزف۔

استاد محترم پروفیسر سید مجاور حسین رضوی ابن صفی کے تعزیتی جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے ابن صفی کے کرداروں کے ماخذات کے سلسلے میں فرمایا۔

"دراصل فریدی اور حمید کے کردار داستان امیر حمزہ کے مرکزی کرداروں سے مشابہت رکھتے ہیں۔" ("سیاست" حیدرآباد' 10 ستمبر 1980ء)

اقتباس میں پیش کیے گئے کرداروں کی مماثلت کیا صرف مشابہت رکھتی ہے۔ہرگز نہیں۔حقیقت کچھ اور بھی بیان کرتی ہے۔شمس الرحمٰن فاروقی' عمرو عیار اور دوسرے عیاروں کی ظریفانہ صفات کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"عیار تو گویا پیشہ ور ظریف ہے۔ہنسنا ہنسانا اس کی زندگی کا مقصد ہے۔وہ لوگوں کو ہنساتا ہے لوگ اس پر ہنستے ہیں اور وہ دوسروں کو بیوقوف بنا کر ان پر خندہ زن ہوتا ہے۔یعنی عیار بیوقوف نہیں ہوتا اور اپنی حماقت' اپنی ابلہانہ حرکتوں یا بول چال سے قارئین کی ہنسی کا سبب نہیں ہوتا۔ہوش مندی' ذہانت' ظرافت اور نکتہ سنجی اس میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔شعوری طور پر اپنی دماغی تیزی اور تیز ظرافت سے مصرف لے کر ایک دیوار قہقہہ کھڑی کر دیتا ہے۔اس میں غور و فکر کا مادہ موجود ہے۔سنجیدگی میں کوئی اس سے سبقت نہیں لے جا سکتا ظاہری نادانی اور سبک سری کے بھیس میں کام کی باتیں کہہ جاتا ہے۔ (مقدمہ طلسم ہوش ربا" ص144 ناشر خدابخش لائبریری' پٹنہ)

شمس الرحمٰن فاروقی نے طلسم ہوش ربا کے عیاروں کی ظرافت اور سنجیدگی کے بابت جو

کچھ لکھا ہے یہی تمام صفات ابن صفی کے کرداروں علی عمران اور کیپٹن حمید میں موجود ہیں اسی طرح کی ظرافت جو عیاروں کے یہاں ملتی ہے جاسوسی دنیا کے ان دونوں کرداروں کا بھی طرّہ امتیاز ہے اور جب یہ دونوں کردار سنجیدہ ہوتے ہیں تو اس وصفِ خاص میں بھی منفرد ثابت ہوتے ہیں۔

داستان طلسم ہوش ربا اور جاسوسی دنیا کے ناولوں میں ایک اور بھی عنصر قابل توجہ ہے۔ ان قصوں میں زماں کا اندازہ تو متن میں پیش کیے جانے والے واقعات اور کہانی سے ہو جاتا ہے لیکن ''مکان'' کا کسی طور کہیں بھی پتہ نہیں چلتا۔ بعض واقعات کے ضمن میں چند مقامات اور ممالک کے نام آجاتے ہیں لیکن افراسیاب کی طلسمی دنیا کہاں ہے اور فریدی و عمران کس ملک کے لئے خدمات انجام دے رہے ہیں اس کی واضح نشانیاں نہیں ملتیں۔ دراصل یہ ایک وصف ہے جو داستان سے تعلق رکھتا ہے اور زبانی بیانیہ کی تعریف میں آتا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی زبانی بیانیہ کی صفت بیان کرتے ہوئے داستانوں میں مختلف ملکوں اور مملکتوں کے جغرافیہ کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

> ''یہی حال داستان کے جغرافیہ کا ہے۔ تمام زبانی بیانیوں کی صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی ایک مقام یا کسی ایک ملک سے شروع ہوتے ہیں اور داستان جیسے جیسے آگے بڑھتی ہے' اس میں نئی نئی جگہوں نئے نئے ملکوں اور مملکتوں کا اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ہماری داستان امیر حمزہ (طلسم ہوش ربا) اس معاملے میں بھی دنیا کی داستانوں میں عدیم النظر ہے۔'' (داستان امیر حمزہ' زبانی بیانیہ' بیان کنندہ اور سامعین ص 100)

ابن صفی کے طلسم ہوش ربا سے عشق کے پس منظر میں جب ہم کو یہ اطلاع ملتی ہے کہ ادارہ نکہت جنوری 1961ء سے طلسمی دنیا کی اشاعت کرنا چاہتا ہے تو یہ بات یقینی ہو جاتی ہے کہ جاسوسی دنیا حقیقتاً طلسم ہوش ربا ہی سے مستعار ہے۔

جاسوسی دنیا کی شعریات کے تعین کے سلسلے میں خواجہ امان نے داستان کے لیے جو خصوصیات ''حدایق النظار'' میں بیان کیے ہیں وہی اصول ہماری رہنمائی کر سکتے ہیں۔

> ''اول مطلب مطول و خوش نما جس کی تمہید و بندش میں تو رادِ مضمون اور تکرار بیان نہ ہو۔
> مدت دراز تک اختتام کے سامعین مشتاق رہیں۔
> دوم بجز مدعائے خوش ترکیب و مطلبِ دل چسپ کوئی مضمون سامعہ خراش و ہزل

> ..... درج نہ کیا جائے۔
> سوم۔ لطافتِ زبان و فصاحت بیان۔
> چہارم۔ عبارت سریع الفہم کہ واسطے فن قصہ کے لازم ہے۔
> پنجم۔ تمہید قصہ میں بجنسہ تواریخ گذشتہ کا لطف حاصل ہو نقل و اصل میں ہرگز فرق نہ ہو سکے۔'' (بحوالہ ''اردو کی نثری داستانیں'' از گیان چند ص ۵۱)

ابن صفی کے ناولوں کے متن کا مطالعہ ہمیں طلسم ہوش ربا کے کرداروں کے مطالعہ کی جانب متوجہ کرتا ہے جو عیاری و ساحری سے ہوتا ہوا داستان کے اسلوب (ظرافت) اور زبان کے نفس استعمال کے ذریعہ تخلیق کے فلسفیانہ نقطہ نظر کی یکسانیت تک رہنمائی کرتا ہے۔

''طلسم ہوش ربا'' پر تحقیقی و تنقیدی انداز میں سوچنے اور لکھنے کا کام 1960ء کے بعد یعنی کلیم الدین احمد' گیان چند جین' سہیل بخاری' راز یزدانی اور عشرت لکھنوی کے بعد ایک طرح سے منقطع ہو گیا تھا اور پھر 1988ء میں خدا بخش لائبریری کے زیر اہتمام منعقدہ یادگاری خطبہ کے ذریعہ شمس الرحمٰن فاروقی نے طلسم ہوش ربا کی شعریات پر پہلی مرتبہ اظہار خیال کیا اور 1988ء میں ''داستان امیر حمزہ' زبانی بیانیہ' بیان کنندہ اور سامعین'' شایع ہوئی اور ''ساحری شاہی' صاحب قرانی داستان امیر حمزہ کا مطالعہ'' (دو جلد) 1999ء میں اردو کی اس طویل اور اہم ترین داستان کی شعریات کا تعین کیا اور اس کی اہمیت کو واضح کیا۔

داستان ہی کی طرح 1980-81ء کے بعد ابن صفی کے جاسوسی ناول' پر اب اس اکیسویں صدی میں پھر سے توجہ دی گئی ہے۔ جاسوسی دنیا (اور ایک حد تک طلسم ہوش ربا کو بھی) پاپولر ادب کا نام دیا جاتا ہے۔ پروفیسر خالد قادری کلچرل تھیوری کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

> ''کلچرل تھیوری کا ایک اور اہم کارنامہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ لوکل عوامی یا پاپولر کلچر کو علمی و تحقیقی عمل کے دائرے میں لے آتی ہے۔''

(تھیوری کے بعد ''مضمون مطبوعہ شعر و حکمت جلد اول ص 72 مرتبین شہریار و مغنی تبسم)

ڈاکٹر حبیب نثار' اسوسی ایٹ پروفیسر' شعبہ اردو' حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی' حیدرآباد۔

ابن صفی کے ناولوں کی شعریات

(وجودی حوالے سے)

ڈاکٹر خالد جاوید

ابن صفی پر تحریر کردہ اپنے پہلے مضمون 'ابن صفی چند معروضات' میں، میں نے اس امر سے جزوی اختلاف کیا تھا کہ وہ محض ایک جاسوسی ناول نگار تھے۔

ادب کا کوئی بھی باشعور قاری اُن کے ناولوں کا بغور مطالعہ کرکے کم ازکم اس نتیجے پر تو یقیناً پہنچ سکتا ہے کہ ان کے یہاں واقعہ کی ہیئت نا کی پر بہت کم زور ہے۔ سس پنس اور تجسس کا عنصر بھی ابن صفی کے یہاں بہت کم ہے۔ ان سب کے بجائے، ان کے یہاں انسانی صورت حال کی عکاسی زیادہ پائی جاتی ہے۔ جرم، قتل وخون، تباہ کاریاں اور سازش، ان کے یہاں انسانی زندگی سے الگ کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ ابن صفی ان سب کو حیات وکائنات کی جاری اور ساری کلیات میں ہی دیکھتے ہیں۔

اردو کے دوسرے جاسوسی ناول نگاروں کے یہاں اس کے برخلاف، سس پنس اور واقعہ کے بھیانک پن یا پھر محیرالقول ہونے پر زیادہ زور دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً اکرم الہ آبادی اور مسعود جاوید۔ ابن صفی نے اس قسم کا کوئی سائنس فکشن بھی نہیں لکھا جو فینٹیسی کے زمرے میں آتا ہو اور زندگی کے عام معمولات سے الگ کسی Utopia کی تشکیل کرتا ہو۔

عام انسان اور انسانی زندگی سے دلچسپی نے ہی ان کے ناولوں کو ایک انفرادی حیثیت عطا کی ہے۔ ابن صفی کے بنیادی سروکار خالصتاً انسانی تھے اور جن کا رشتہ واضح طور پر وجودیت سے

منسلک کیا جاسکتا ہے۔ انسانوں کی عام زندگی میں جو نظر نہ آنے والا ایڈونچر پایا جاتا ہے، ابن صفی اسی کو اپنا موضوع بناتے ہیں اور وجودیت کے نقطۂ نظر سے زندگی کی جو ناہمواریاں ہیں یا اس میں پوشیدہ لغویت (Absured) ہے، وہ بڑے فنکارانہ مگر بظاہر سادگی کے ساتھ، ابن صفی کی تحریر میں اجاگر ہو جاتی ہیں۔

ابن صفی کی مقبولیت کا رمز اسی نقطے میں پوشیدہ ہے۔ وجودیت کا فلسفہ کوئی منظّم فلسفہ نہیں ہے، وجودیت، روایتی فلسفے کے مفروضات کو قبول نہیں کرتی ہے۔ روایتی فلسفے سے مفروضات کا سروکار زیادہ تر تصورات کی تشریح وتفہیم ہی رہا ہے۔ وجودی مفکرین کی نظر میں روایتی فلسفہ حقیقت اور صداقت سے ہٹا ہوا فلسفہ ہے جو صرف تجریدی فکر سے ہی عبارت ہے اس لیے وجودی مفکرین روایتی فلسفے کو Essentialism (تجریدی فلسفہ) کا نام بھی دیتے ہیں۔ روایتی فلسفے میں بال کی کھال نکالنے کا جو رجحان پایا جاتا ہے اس کے ذریعے صداقت تک رسائی ممکن نہیں ہے کیوں کہ روایتی فلسفے میں کبھی بھی انسان کی تشریح یا تفہیم پر توجہ صرف نہیں کی گئی ہے اس کے برخلاف وجودی فلسفی ساری فکر توجہ اور مطالعے کو انسان سرمرکوز کرنا چاہتے ہیں۔ ابن صفی نے اپنے ناولوں میں روایتی فلسفے کو ہمبگ Humbug قرار دیا ہے یعنی روایتی فلسفے پر جو تنقید کی ہے وہ وجودی نقطۂ نظر کی ہی عکاس نظر آتی ہے۔

وجودیت اس عقلیت کے بھی خلاف ہے جو جوہر Essence یا تصور کو بنیاد مانتی ہے اور پوری کائنات کی توجیہ تصور یعنی Idea کی بنیاد پر کرتی ہے۔ یہاں انسان نہیں بلکہ اس کا تصور ہی اہم ہے۔

ابن صفی نے اپنے لازوال کردار 'عمران' کے دریعے اس نام نہاد عقلیت کا جو مضحکہ اڑایا ہے وہ بالکل سامنے کی بات ہے۔ اس سلسلے میں آگے چل کر تفصیل کے ساتھ گفتگو کی جائے گی۔ وجودی مفکرین سائنس کی میکانیکیت کے بھی اس لیے خلاف ہیں کہ سائنس بھی انسان کو نظر انداز کر دیتی ہے کیوں کہ سائنس انسان کا تجزیہ اس طرح کرتی ہے جس طرح دھات اور مادے کا کرتی ہے اور انسان کو بھی ایک شئے سمجھ لیا جاتا ہے۔ اپنے ناول 'پیاسا سمندر' میں ابن صفی ایک جگہ لکھتے ہیں:

آدمی کتنا پیاسا ہے۔تم اسے پیاسا سمندر کہہ سکتی ہو جو پانی ہی پانی رکھنے کے باوجود بھی ازل سے پیاسا ہے اور اس وقت تک پیاسا ہی رہے گا جب تک کہ اسے اپنا عرفان نہ ہو جائے۔ابھی تو وہ چاند میں جانے کی باتیں کرتا ہے۔اس کی ذہنیت اور سوجھ بوجھ اس بچے سے زیادہ نہیں ہے جو ماں کی گود میں چاند کے لیے مچلتا ہے۔وہ مصنوعی سیارے اڑا کر اس طرح خوش ہوتا ہے جیسے بچے صابن کے بلبلے اڑا کر مسرور ہوتے ہیں۔چاند کا سفر آدمیت کا معراج نہیں ہے۔

ایک ناول سینکڑوں ہمشکل میں بھی اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ابن متقنع کے نقلی چاند کی تلمیح بھی بیان کی گئی ہے۔اس ناول میں ایک جگہ لکھا گیا ہے:

آدمی نے خود ہی اپنی زندگی میں زہر بھرا ہے اور اب خود ہی تریاق کی تلاش میں سرگرداں ہے۔وہ خدا تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اپنے پڑوسی تک بھی اس کی پہنچ نہیں ہے۔

اس طرح علم النفسیات میں بھی انسان کو اس کے رویوں کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے اسے صرف عمل، ردّعمل کا ایک مجموعہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ابن صفی کے ناولوں میں نفسیاتی بصیرت کے ساتھ جگہ جگہ اس سلسلے میں شدت پسندی کے رویے کا مذاق اڑایا گیا ہے۔خاص طور پر 'فرائیڈ' کے نظریات کا جس سہل پسندی کے ساتھ انسانی رویوں پر اطلاق کرنے کی جو روش ایک زمانے میں عام تھی، اس پر ابن صفی نے اپنے ناولوں میں، بڑے لطیف اور بلیغ طنز کیے ہیں۔یہاں مثالیں دینے سے گریز کیا جا رہا ہے کیوں کہ ابن صفی کا ہر قاری ان کے جملوں سے بخوبی واقف ہے اور جو ان کا قاری نہیں ہے، اس کا فرض ہے کہ اس روشنی میں ان کے ناول پڑھنے اور انگیز کرنے کا حوصلہ پیدا کرے۔

ابن صفی کی تحریروں کے حوالے سے، ان کی زبان اور اس کی زیریں سطح پر ایک خاص قسم کی تخلیقیت کی جو جھلک ہمارے سامنے آتی ہے وہ ایک بنیادی سوال یہ بھی قائم کرتی ہے کہ کیا یہ واضح طور پر جاسوسی اور مقبول عام ادب کے سروکار ہو سکتے ہیں؟

ابن صفی کی تحریریں عوام و خواص دونوں میں یکساں طور پر مقبول ہیں مگر دراصل انھیں پسند کرنے کی وجوہات دونوں طبقوں میں ایک دوسرے سے مختلف رہی ہیں۔ادب کا سنجیدہ قاری انھیں، اُن کی ادبی چاشنی، زبان کا تخلیقی استعمال، کردار نگاری اور ایک منفرد اسلوب اور بیانیہ ہونے کی وجہ سے پسند کرتا ہے اور جمالیاتی حظ اٹھاتا ہے جبکہ عوام محض کہانی سے لطف اٹھانا چاہتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ابن صفی کے درجنوں نقال پیدا ہو گئے۔سوال یہ ہے کہ ان نقالوں کی روٹی روزی کن لوگوں کے بوتے چلتی تھی یا دوسرے جاسوسی ناول نگار بھی کثیر تعداد میں کیوں شائع ہوتے رہے؟ عرض یہ ہے کہ ادب کے کسی بھی سنجیدہ اور جینوئن قاری نے ابن صفی کے کسی نقال کو نہیں پڑھا جبکہ عوام کو نہ تو ابن صفی کی تخلیقی زبان کی کوئی فہم تھی اور نہ اُن کے بیانیہ اور اسلوب کی۔مقبول عام ادب کا پڑھنے والا اعلیٰ طنز یا حس مزاح اور پھکڑ پن میں کوئی فرق محسوس کرنے کا اہل نہیں ہوتا، عوام میں فریدی، حمید اور عمران فلمی ہیروز کی طرح مقبول تھے۔اس لیے اگر ان کی کوئی پھوہڑ نقل بھی پیش کر رہا تھا تو انھیں قبول کرنے میں کوئی عار نہیں تھا۔عوام کو ایک کہانی چاہئے تھی، فریدی، حمید اور عمران کی مجرموں سے لڑائی چاہیے تھی اور آخر میں مجرموں کی شکست چاہئے تھی، بالکل جیسا کہ بمبیا فلموں میں ہوتا تھا۔یعنی عوام ابن صفی سے نہیں بلکہ ان کے کرداروں سے تفریح حاصل کرنا چاہتے تھے اور یہ کوئی ایسی بری بات بھی نہیں تھی۔ظاہر ہے کہ ادب کے تربیت یافتہ قاری اور غیر تربیت یافتہ قاری کا جمالیاتی ذوق قطعاً مختلف ہوتا ہے۔مگر اس امر نے ابن صفی کو اگر معاشی طور پر مضبوط اور مستحکم بنایا اور شہرت کے اعتبار سے انھیں Celeberities کے درمیان لا کھڑا کیا تو اس حوالے سے ہے جو نقصان بھی پہنچایا کہ ادبی نقاد ان سے بدکنے لگے اور ایک قسم کے تعصب کا شکار ہو گئے۔یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ابن صفی کی عوامی شہرت سے بڑے بڑے ادب عالیہ تخلیق کرنے والے حضرات حسد کا شکار ہو کر رہ گئے۔

اپنی تمام زندگی ابن صفی اسی المیے کا شکار رہے۔ان کی زندگی میں ان کے فن پر کوئی بھی ایسا سنجیدہ مضمون نہیں شائع ہو سکا جو ابن صفی کے فنی امتیازات کو اجاگر کر پاتا یا ان کا حق ادا کر پاتا۔

اگر اسے بڑبولا پن یا خود پسندی پر متحمل نہ سمجھا جائے تو راقم الروف کی عرض یہ ہے کہ اس خاموشی سے بہتے ہوئے دریا میں پہلی کنکری اس نے پھینکی۔

2006 میں راقم الروف کا ایک طویل مضمون 'ابن صفی چند معروضات' رسالہ اردو ادب دہلی میں شائع ہوا اور اس کے بعد ہی ابن صفی پر با قاعدہ سنجیدہ گفتگو کا آغاز ہوا۔ برصغیر میں کئی جگہوں پر ان کی فن اور شخصیت پر سمینار منعقد کیے گئے۔ ادبی جرائد نے ابن صفی پر خصوصی نمبر شائع کیے۔ کراچی لٹریچر فیسٹیول 2012 میں ابن صفی پر گفتگو کے لیے ایک اجلاس کا اہتمام کیا گیا جس میں راقم الروف نے بھی شرکت کی۔ یہاں جملہ معترضہ کے طور پر یہ کہا جا رہا ہے کہ سوائے مولانا آزاد اردو یونیورسٹی کے استاد ڈاکٹر ارشاد احمد صاحب کے کسی نے اس امر کا اعتراف کرنا ضروری نہیں سمجھا کہ ابن صفی پر پہلا سنجیدہ اور ادبی مضمون خاکسار نے تحریر کیا تھا۔ میں ڈاکٹر ارشاد صاحب کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔

مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ ابھی بھی، ابن صفی پر اتنی گفتگو ہو جانے کے بعد بھی ان کے ناولوں کا فنی اور ادبی مطالعہ سامنے نہیں آیا۔ بس عقیدت مندوں کی ایک بھیڑ نظر آتی ہے۔ ان کی مقبولیت کی داستانیں سنائی جاتی ہیں۔ ان کے سوانح اور ان کے اقوال وغیرہ رقم کر دیے جاتے ہیں۔ یا پھر یہ کہ ابن صفی کے ناول قانون کا احترام کرنا سکھاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ سوال یہ ہے کہ ہر جاسوسی ناول قانون کا احترام کرنا سکھاتا ہے۔ اکرم الہ آبادی بھی یہی کام کرتے ہیں اور عارف مارہردی بھی۔ پھر ان میں اور ابن صفی میں کس بنا پر فرق کیا جائے اور ابن صفی کس معنی میں دوسرے ناول نگاروں سے برتر ہیں۔

ادھر پاکستان میں، خرم شفیق صاحب (جو بہت ذہین اسکالر ہیں اور ماہر اقبالیات بھی) نے ابن صفی کو بالکل پاکستانی ہی بنا کر رکھ دیا۔ انھوں نے ابن صفی کے لیے 'جمہوری ادیب' نام کی ایک اصطلاح بھی ایجاد کی۔ میں اس اصطلاح سے متفق نہیں ہوں کیوں کہ 'آفاقی ادب' تو میری سمجھ میں آتا ہے اور یہ بھی کہ ہر سچا فن پارہ اپنی ماہیت میں آفاقی تو ہوتا ہی ہے۔ جمہوریت ایک

سیاسی اصطلاح ہے اور کسی ملک کے اپنے سیاسی و سماجی ڈھانچے پر مبنی ہے۔ بہر حال خرم شفیق کے اس 'جمہوری ادیب' سے مجھے کوئی خطرہ نہیں محسوس ہوتا کیوں کہ ایک زمانے میں ترقی پسند ادیب بھی عوام کے تعلق سے کچھ اسی قسم کی باتیں کرتے تھے۔ خطرہ دراصل مجھے ابن صفی کے 'پاکستانی' ہو جانے سے ہے۔ مجھے اتنا معلوم ہے کہ ابن صفی نے پاکستان کی شہریت اختیار کر لی تھی۔ ان سینکڑوں لوگوں کی طرح جو یہاں سے سرحد پار ہجرت کر کے گئے تھے مگر وہ ابن صفی جو ایک ادیب تھا، ایک فنکار تھا، اس ابن صفی کی روح بھی پاکستانی ہو گئی تھی یا یہ کہ وہ ایک اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لیے سرگرداں تھے، یہ سب باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ ادب جیسی آفاقی شئے کو بھلا کیسے محدود کیا جا سکتا ہے۔ اقبال کے نظریۂ پاکستان کے باوجود اقبال جتنے پاکستان کے ہیں، اتنے ہندوستان کے بلکہ ساری دنیا کے۔

اصل بات تو یہ ہے کہ ابن صفی کے متن کا مطالعہ خالص ادبی بنیادوں پر کرنا چاہئے۔ کسی سیاسی، سماجی نظریے کی روشن میں نہیں۔ یہ کام ترقی پسند نقاد بہت کر چکے اور ہاتھ کچھ نہ آیا۔

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ خود ابن صفی بھی آخر میں اسی متھ کے شکار ہو گئے تھے کہ گویا وہ صرف اور صرف عوامی ادیب ہیں۔ وہ اس امکان سے تقریباً مایوس ہو چکے تھے کہ ان کی تحریروں کا مطالعہ کبھی با قاعدہ کسی سنجیدہ تنقیدی روشنی میں بھی ممکن ہو سکے گا اسی لیے تو انھوں نے کہا تھا کہ مجھے شفیق الرحمٰن اور بھولو پہلوان کے درمیان کھڑا رہنے دیجیے۔

آج بھی، جب ابن صفی کی تعریفوں اور ستائش اور عقیدت مندی کا ایک میلہ سا لگ گیا ہے، ان کی تحریروں کا، خالص ادبی اور فنی اعتبار سے جائزہ لینے کی کوئی کوشش (کم از کم میری نظر میں تو) نہیں کی گئی ہے اور جب تک یہ نہیں ہوگا، تب تک مجھے یہ اندیشہ ضرور ستاتا رہے گا کہ یہ سارا شور شرابہ، کہیں ایک دن صابن کے جھاگ کی طرح نہ بیٹھ جائے۔ کیوں کہ یونیورسٹیوں میں جو ابن صفی پر مقالے لکھے جا رہے ہیں، ان کی نوعیت بھی معیاری نہیں ہے۔ خود میں اپنی زیر نگرانی کام کرنے والے طلباء سے مطمئن نہیں ہوں۔

دراصل ابن صفی کے ناولوں کی شعریات کا سلسلہ اردو کی مشرقی کلاسیکی روایت سے جا کر ملتا ہے۔ یوں تو ان کے یہاں مشرق کے ساتھ ساتھ مغرب کی جاسوسی کہانیوں کی روایت کے سراغ بھی پائے جاتے ہیں مگر مشرقی روایت ابن صفی کی تحریروں کی سطر سطر میں اور پورے ماحول نیز اس کی جزئیات نگاری میں پیوست ہے۔ مقامیت کا عنصر اور ماحول سازی اور کردار نگاری کی سطح پر ہم اس رجحان کو واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں۔ لہٰذا قدیم داستانوں اور مثنویوں کی شعریات ایک جدید اور بدلے ہوئے تناظر میں، حیرت انگیز طور پر ان ناولوں کی بنیاد بن گئی ہے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں۔ میری دانست میں یہ ایک ناقابل فراموش کارنامہ ہے۔ شہرۂ آفاق اور نوبل انعام یافتہ ناول نگار حوزے سارا ماگو کا بھی یہی کارنامہ ہے کہ اس نے ’سروینٹس‘ کی مشہور داستان ڈان کیہوتے کی روایت سے استفادہ کرتے ہوئے جدید ترین مغربی ناول کا ایک ماڈل اپنے لیے تلاش کرلیا۔ وسطی امریکہ بیشتر ادیبوں مثلاً مارکیز، کارلوس فیونیٹس، حوان رنفو اور کورتازار نے بھی تقریباً یہی کام کیا اور جادوئی حقیقت نگاری کے نام پر اپنے خطے کی قدیم تہذیب اور قدیم ادبی روایت کو از سر نو زندہ کر دیا۔ اردو میں یہی کام نیر مسعود کے گنجان اور گھنے بیانیہ نے کر کے دکھا دیا۔ نیر مسعود کے بیانیے کے ڈانڈے بھی اور بعض اوقات تھیم بھی، مشرقی کلاسیکی روایت میں تلاش کیے جا سکتے ہیں۔

داستانوں اور مثنویوں میں رومانیت کا بھی ایک عنصر ناگزیر طور پر شامل رہا ہے۔ مغرب میں، اس لیے قدیم داستانوں کو Romances کہا جاتا رہا اور ایڈونچر کے حوالے سے ’پکارسک‘ بھی۔ ایڈونچر خود اپنے آپ میں ایک رومانوی شئے ہے۔ ابن صفی کے ناولوں کی شعریات اس رومانویت سے بھی تشکیل پاتی ہے۔ (رائیڈر ہیگرڈ سے تو وہ بچپن میں ہی متعارف ہوگئے تھے)

مگر یہ بھی ایک قابل غور امر ہے کہ رومانویت کی تحریک نے اپنی قلب ماہیت آگے چل کر وجودیت کے رجحان میں کر لی تھی۔ رومانویت اور وجودی تجربہ بادی النظر میں ایک ہی نظر آتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی مثال ’روسو‘ کی ہے جس کو رومانوی تحریک کا سب سے بڑا

علمبردار مانا جاتا ہے اور ایک رخ سے عقلیت کے رجحان کی نمائندگی کرنے والا بھی۔ کیوں کہ روسو اپنے زمانے کے تصوراتی اور تجرباتی فلسفوں کے خلاف تھا۔ مگر روسو کے اعترافات ہوں یا اس کی دوسری تحریریں، انسان اور اس کے وجود، انسان کی بیکراں آزادی اور بیکراں تنہائی، احساس جرم اور بے چینی، سے ہی بحث و مکالمہ کرتی ہوتی نظر آتی ہیں۔

ابن صفی کی شعریات اس مشرقی کلاسیکی روایت اور رومانویت سے تشکیل پاتی ہے مگر جو چیز اس روایت کو ہمارے لیے بے حد کشش انگیز بنا دیتی ہے۔ جدید ذہن سے بآسانی ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ وہ وجودیت کی وہ زیریں سطح ہے جو ابن صفی کے ناولوں میں بڑی خاموشی کے ساتھ بغیر کسی شور شرابے اور پروپیگنڈے کے موجود ہے۔ بڑی بات یہ بھی ہے کہ یہ سب کسی تجریدی یا علامتی بیانیہ کے ذریعہ عمل میں نہیں آیا جو نام نہاد وجودیت کا ایک برانڈ بن گیا تھا بلکہ سچے، حقیقی بیانیہ پر مبنی ہے اور حقیقت نگاری کی اس روایت کی پاسداری بھی نظر آتی ہے جو ترقی پسند ادب کی دین تھی۔ وجودیت چاہے، سیاسی ہو یا مذہبی یا غیر مذہبی اور فنا پرست مگر وہ انسان کو تجرید کی حیثیت سے قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتی کیوں کہ وجودیت، جوہر پر وجود کی اصلیت کو تسلیم کرتی ہے۔ اسی لیے ابن صفی کسی ازم کے قائل نہیں ہیں مگر کسی بھی ادبی متن کا معروضی تجزیہ کرنے کے لیے اس کے مصنف کے بیان اور خیال پر زیادہ بھروسہ اور اکتفا نہیں کرنا چاہئے۔ ورنہ غالب کی تو آج کوئی اہمیت ہی نہ ہوتی۔ انھوں نے اپنے بعض اشعار کی جو تشریح خود پیش کی ہے، وہ غالب فہمی یا غالب تنقید کی کوئی بنیاد نہیں بن سکتی۔ دراصل متن تو خود بولتا ہے اور معنی خیزی کا عمل متن کے رگ و ریشے سے الگ، کہیں اور نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ مصنف میں بھی نہیں کیوں کہ تخلیق شعور سے زیادہ لاشعور سے جنم لیتی ہے بلکہ کبھی کبھی تو اجتماعی لاشعور سے۔ غالباً اس لیے ایلیٹ نے کہا تھا کہ:

تنقید کے لیے باخبری ضروری ہے اور تخلیق کے لیے بے خبری......

آگے چل کر رولاں بارت کے اس جملے کو بھی اس سیاق میں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ ’’لکھت لکھتی ہے۔ لکھاری نہیں۔‘‘

ابن صفی 'وجودیت' کے قائل تھے یا نہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر ان کی تحریروں پر اور کردار نگاری پر وجودیت کے رجحان کی واضح چھوٹ پڑتی نظر آتی ہے۔ ابن صفی کے نام نہاد جاسوسی ناولوں میں انسانی روح میں خیر وشر کی کشمکش اتنے واضح انداز میں نمایاں ہوتی ہے کہ وجودیت کی تمام جمالیات ایک ساتھ روشن ہو جاتی ہے۔

ابن صفی کے ناولوں میں مجرم کردار بھی ایک قسم کی منفی وجودیت کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔ خاص طور پر 'نطشے' کی مسخ شدہ وجودیت کے۔ واضح رہے کہ نطشے کا شمار بھی وجودی فلسفیوں میں ہوتا ہے۔

جہاں تک ابن صفی کے کرداروں کا سوال ہے تو 'عمران' کے کردار کو باقاعدہ وجودی کردار مانا جاسکتا ہے۔ اسے بجا طور پر اردو کے نمائندہ کرداروں کی فہرست میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ عمران کے کردار میں پرتیں ہی پرتیں ہیں۔ ایسی ہی کسی پرت میں ایک بامعنی افسردگی بھی موجود ہے، وہ ایک وجودی کردار ہے۔ عمران حماقت کے فلسفے کا قائل ہے یعنی وہ تعقل پسند فلسفوں کی نفی کرتا ہے۔ ہالینڈ کے ایک عیسائی مفکر اراسمز Erasmus نے پندرہویں صدی میں ایک طویل مقالہ تحریر کیا تھا جس کا عنوان In praise of folly یعنی 'حماقت کی تعریف' تھا۔ اس مقالے کا انگریزی ترجمہ پہلی بار 1985 میں شائع ہوا یعنی ابن صفی کے انتقال کے پانچ برس بعد ظاہر ہے کہ ابن صفی نے اس کتاب کا نام بھی نہ سنا ہوگا مگر اراسمز کے خیالات اور عمران کے کردار میں خاص مشابہت ہے۔ اراسمز بھی 'حماقت' کی تہہ میں پوشیدہ اصل عقل جو وجودیاتی تانے بانے سے تیار ہوئی ہے کا حامی ہے۔

مگر عمران کا کردار فلسفۂ وجودیت کی منفیت کو ایک نئے اور کسی حد تک مثبت معنی فراہم کرتا ہے۔ عمران کا کردار کچھ اس تناظر کو پیش کرتا ہے کہ جیسے اسے اپنے وجود اور کائنات کی اشیاء اور اشخاص کے درمیان اپنے رشتے کی ناہمواری اور دراڑ کا عرفان ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنی دانست میں بامعنی انداز میں جینے کا ایک نیا اور انوکھا ڈھنگ اختیار کر لیا ہے جس میں

غیر سنجیدگی ہی ایک اخلاقی قدر بن جاتی ہے۔ 'موت' جو فلسفۂ وجودیت میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ اس موت کا مقابلہ انسان غیر سنجیدہ ہو کر ہی کر سکتا ہے۔ اس لیے ابن صفی نے عمران کے ذریعہ ایک جگہ اپنے ناول کالی تصویر میں کہلوایا ہے۔

''آدمی سنجیدہ ہو کر کیا کرے جبکہ وہ جانتا ہے کہ ایک دن اسے اپنی تمام تر سنجیدگی سمیت دفن ہو جانا ہے''۔

عمران ہیرو نہیں۔ اینٹی ہیرو ہے۔ یہ امر باعث حیرت ہے کہ جس اینٹی ہیرو کا وجود فلموں میں باقاعدگی کے ساتھ 1977 کے بعد ہی سامنے آیا، اس کا ایک ماڈل عمران کے روپ میں ابن صفی 1955 میں ہی پیش کر چکے تھے۔ راقم الحروف اپنے ایک مضمون 'عمران: ایک اینٹی ہیرو' میں اس سلسلے میں تفصیل کے ساتھ لکھ چکا ہے۔ اس سے سر دست یہاں زیادہ گفتگو کی گنجائش نہیں۔ کہنے کا مطلب صرف اتنا تھا کہ عمران کے کردار کی وجودی جہات کا ایک تفصیلی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

حمید کے کردار میں بھی وجودی جہات کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ جگہ جگہ حمید کا بے سبب اداس ہو جانا۔ اکتاہٹ اور بیزاری کے دورے پڑنا۔ مزاح میں اپنے دکھ کو چھپائے جانا یہ سب وجودیاتی خصوصیات ہیں۔ انور کا کردار بھی ایک بدلے ہوئے انداز کا وجودی کردار ہے جسے Rebel کہا جاسکتا ہے۔ سماج سے برہم اور نالاں اور اپنی اخلاقیات اپنی شرطوں پر واضح کرنے والا۔

یہاں برسبیل تذکرہ یہ عرض کیا جا رہا ہے کہ فریدی کا کردار ہی شاید ابن صفی کا ایک کمزور کردار ہے۔ یہ ایک سپاٹ اور غیر انسانی کردار ہے۔ ایک قسم کی Machine Reasoning۔ یہ بہت Fendal کردار ہے اور ایک طرح سے یونانی کلاسیکی ڈراموں کا ہیرو نظر آتا ہے مگر صرف کامیڈی ڈراموں کا۔ فریدی کے کردار کو ساری بیرونی امداد حمید کے ذریعے ہی ملتی ہے۔ حمید ہی کہانی کا مرکزی کردار ہوتا ہے۔ فریدی تو زیادہ تر آخر میں میک اَپ کے ذریعے سامنے آ کر ہی صورت حال میں تبدیلی کا سبب بنتا ہے۔

اگر ابن صفی نے عمران اور حمید کے کردار خلق نہ کیے ہوتے تو آج جتنی گفتگو ابن صفی پر ہو رہی ہے، شاید نہ ہو پاتی۔ راقم الروف ایک بار پھر یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ وہ عام سطح کے مقبول عام ادیب کبھی نہیں رہے۔ سنسنی خیزی اور چونکا دینے کا عمل ان کے یہاں بہت کم ہے۔ مقبول عام ادب میں کردار اتنے پیچیدہ اور بلیغ نہیں ہوتے۔ ایسے ناولوں کی فضا میں کسی بھی قسم کی بصیرت کا ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ بصیرت کے نام پر صرف نعرے بازی ہوتی ہے۔

بے مثال زبان جو جگہ جگہ شاعری کی سرحدوں کو چھونے لگتی ہے، ان کا بے حد توانا اور قوی بیانیہ، اعلیٰ کردار نگاری، اردو کا محاورہ اور چٹخارہ اور مشرقی کلاسیکی روایت کی پاسداری، رومانویت کی ہلکی سی چھاپ لیے ہوئی ایک خاموش وجودیت، یہ وہ عناصر ہیں جن سے مل کر ابن صفی کے ناولوں کی شعریات تشکیل پاتی ہے۔ کوئی بھی مقبول عام ادیب چاہے وہ جاسوسی کہانیاں لکھتا ہو یا رومانی اور سماجی، ان عناصر اور شعریات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ بعض نام نہاد ادب عالیہ تخلیق کرنے والوں کو بھی ابن صفی کی تحریروں سے تربیت حاصل کرنی چاہئے اور اس بات پر ناک بھوں سکوڑنا بند کر دینا چاہئے کہ ابن صفی عوام میں کیوں مقبول ہیں۔

ابن صفی کے متن کا مطالعہ سنجیدگی کے ساتھ، فنی، ادبی اور تنقیدی نقطۂ نظر سے کرنا چاہئے تا کہ ان کی تحریروں کی خوبیاں اور خامیاں دونوں، ایماندارانہ اور معروضی انداز میں سامنے آ سکیں اور میرا خیال ہے کہ ابھی یہ قرض ادا نہیں ہو سکا ہے۔

اتنے شور شرابے اور جلسہ جلوس کے باوجود آج بھی، ابن صفی شفیق الرحمٰن اور بھولو پہلوان کے درمیان کھڑے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر خالد جاوید' اسوسی ایٹ پروفیسر' شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی۔

ابن صفی کا ادبی مقام و مرتبہ

معصوم مرادآبادی

جاسوسی ادب کو ادبِ عالیہ سے خارج کرنے یا عام ادب کے دھارے سے کاٹ کر دوئم درجے کی شئے بنا دینے کی غلطی کا ازالہ ایک عرصہ بعد سہی مگر ہوا تو ہے۔ ادب خواہ کتنا ہی معیاری اور اعلیٰ پائے کا کیوں نہ ہو، اگر عوام سے اس کا رابطہ اور راہ و رسم نہیں ہے تو اس کی افادیت ہمیشہ سوالوں کے گھیرے میں رہے گی۔ ظاہر ہے کہ ابن صفی نے اپنے جاسوسی ناولوں کے ذریعے عوامی مقبولیت اور ہر دل عزیزی کا جو ریکارڈ قائم کیا، وہ ہمارے عہد کا کوئی دوسرا ادیب قائم نہیں کر سکا۔ ابن صفی نے عوام سے اپنا رشتہ جوڑنے کے لیے نہ صرف زبان و بیان کی چاشنی اور سہل پسندی کو اپنایا بلکہ اپنی تحریروں میں ایسی دلکشی اور دل آویزی پیدا کی کہ وہ ہر اُس دل میں اُترتے چلے گئے جسے دھڑکنے کا ہنر معلوم تھا۔ آج آپ عصری اردو ادب میں کوئی بھی ایسا نام نہیں لے سکتے جسے ابن صفی کا ہم پلہ قرار دیا جا سکے۔ ہمارے عہد کا المیہ یہ ہے کہ ادبِ عالیہ کے علمبرداروں نے عوام سے اپنا رشتہ توڑ لیا ہے اور وہ ایسے موضوعات پر سر دُھن رہے ہیں جن کا زندگی سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔ ادب بہر حال زندگی اور معاشرے کی سرگرمیوں کا ہی ترجمان ہوتا ہے۔ پاکستان کے معروف شاعر اور ادیب امجد اسلام امجد کے بقول

> ''بدقسمتی سے ہمارے ادبی محققین اور ناقدین نے بغیر کسی معقول وجہ کے ادب پاروں کو ادب پارہ ماننے سے انکار کر رکھا ہے اور ماضی کی بعض مردہ روایات کو زندہ اور زندگی آمیز ادب پر ترجیح دیتے ہیں۔ سرّی یعنی جاسوسی ادب اور ٹی وی ڈرامہ اس طرزِ عمل کی دو واضح مثالیں ہیں۔ کسی مفکر کا قول ہے کہ علم اور دانش کی بنیاد 'حیرت' ہے

مگر یہ حیرت صرف کائنات کے علم، سائنسی انکشافات اور روحانی تجربات تک ہی محدود نہیں۔ ہماری روزمرہ زندگی میں اس کے بے شمار مظاہر موجود ہیں اور 'جرم و سزا' سے متعلق کہانیوں اور وارداتوں میں یہ حیرت قدم بہ قدم ہمارے ساتھ چلتی ہیں۔''

(راشد اشرف کی کتاب پر ایک تاثراتی تحریر سے)

70 کی دہائی میں ضیاء محی الدین شو میں ضیاء صاحب نے ابن صفی سے پوچھا:

''کیا بات ہے کہ آپ کی کتابیں لائبریریوں کی الماریوں میں نظر نہیں آتیں؟'' ابن صفی کا دوٹوک جواب تھا کہ ''یہ اس لئے لائبریری میں نظر نہیں آتیں کہ یہ لوگوں کے سرہانے کے نیچے ہوتی ہیں۔''

اردو بک ریویو کے مدیر محمد عارف اقبال جنہوں نے حال ہی میں ''ابن صفی: مشن اور کارنامہ'' کے موضوع پر ایک ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل کتاب ترتیب دے کر بڑا کارنامہ انجام دیا ہے انہوں نے ابن صفی کے ناولوں کے انتخاب کے ذیل میں جاسوسی ادب کے ایک اداریہ میں لکھا تھا:

''ہندوستان کی آزادی کے 60 برس بعد بھی یہ موضوع ابھی تک زیر بحث کہ اردو میں پاپولر لٹریچر کو ادب کا درجہ دیا جائے یا نہیں۔ بالخصوص ابن صفی کے بارے میں اردو ادیبوں اور نقادوں میں جو سرد مہری پائی جاتی ہے وہ افسوسناک ہے تاہم ہمارے بعض اہل علم اور اساتذہ ابن صفی کو استثنا قرار دیتے ہوئے ادب میں ان کے مقام کو متعین کئے جانے کی اب ضرور وکالت کرنے لگے ہیں۔ چلئے دیر آید درست آید کہ مصداق برف تو پگھلنے لگی ہے۔''

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے ذمہ داران مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ''سری ادب اور ابن صفی'' کے موضوع پر دو روزہ قومی سیمینار منعقد کرنے کا بیڑہ اُٹھایا۔ جو لوگ ابن صفی کے ناولوں کو محض تفریح طبع کے خانے میں ڈال کر ان کی ادبی حیثیت کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھتے ہیں کہ ابن صفی نے ادب کو ادبِ عالیہ کے بوسیدہ

محلوں سے نکال کر عوام سے روشناس کرانے اور عوام کو اس سے وسیع پیمانے پر استفادہ کرنے کا ہنر ایجاد کیا۔ خود ابن صفی کے بقول ''تفریح بھی انسانی زندگی کا ایک اہم مقصد ہے۔'' ابن صفی کسی سکہ بند ادبی گروہ کے اسیر نہیں ہیں بلکہ انسان کو اس کی معراج پر دیکھنے کے خواہاں ہیں۔ وہ انسانیت اور حقوق انسانی کے نام پر وحشت و درندگی کے مخالف ہیں۔ ان کے ناولوں کے پس منظر میں جو فکر انگیز پیغام پوشیدہ ہے، وہ ہر انسان کے دل کو اپیل کرتا ہے اور یہی ان کی کامیابی و کامرانی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اسی لیے ان کے قارئین میں ہر طبقے اور مکتبہ فکر کے لوگ شامل ہیں۔ اسے ابن صفی کی کامیابی ہی کہا جائے گا کہ ان کے قارئین کی بڑی تعداد اس حقیقت کی معترف ہے کہ ان کی کامیابی اور عملی زندگی کے عروج میں ابن صفی کی تحریروں نے کسی نہ کسی طور مؤثر کردار ادا کیا ہے۔ ابن صفی کی شاہکار تحریریں تھکے ہوئے ذہنوں کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتی ہیں اور وہ اپنے پڑھنے والوں کو بھرپور ذہنی اور جذباتی غذا فراہم کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ ابن صفی سے بعض احباب نے کہا کہ:

''ابن صفی صاحب! کچھ ادب کی بھی خدمت کیجئے۔''

ابن صفی کا دوٹوک جواب تھا:

''مجھے اس وقت بڑی ہنسی آتی ہے جب آرٹ اور ثقافت کے علمبردار مجھ سے کہتے ہیں کہ میں ادب کی کچھ خدمت کروں۔ ان کی دانست میں شاید میں جھک مار رہا ہوں۔ حیات و کائنات کا کون سا ایسا مسئلہ ہے جسے میں نے اپنی کسی نہ کسی کتاب میں نہ چھیڑا ہو۔ لیکن میرا طریق کار ہمیشہ عام روِش سے الگ تھلگ رہا ہے۔ میں بہت زیادہ اونچی باتوں اور ایک ہزار کے ایڈیشن تک محدود رہ جانے کا قائل نہیں ہوں۔ میرے احباب کا اعلیٰ و ارفع ادب کتنے ہاتھوں تک پہنچتا ہے اور انفرادی یا اجتماعی زندگی میں کس قسم کا انقلاب لاتا ہے۔''

ابن صفی کا یہ مدلل اور مؤثر جواب ہمارے عہد کے اُن ادیبوں اور نقادوں کو آئینہ دکھاتا ہے جو مشکل ترین موضوعات اور بے سر پیر کی تحریروں پر اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے

کہ طویل عرصے سے اردو ادب پر جمود کی کیفیت طاری ہے اور کوئی ایسی کتاب منظر عام پر نہیں آسکی جس نے لوگوں کے ذہنوں میں انقلاب برپا کیا ہو یا جسے مقبول عام کتاب کا نام دیا جا سکے۔ اس فہرست سے مشہور نقاد اور ادیب شمس الرحمٰن فاروقی کا ناول ''کئی چاند تھے سر آسماں'' ضرور مستثنٰی ہے۔ جو گہرے تاریخی اور سماجی شعور کا پتہ دیتا ہے اور نہایت جفاکشی اور چابک دستی سے لکھا گیا ہے۔ اسے انگریزی کتابوں کے ایک بڑے پبلشر پینگوئن انڈیا نے اسے شائع کیا ہے۔

آج ہمارے ادبی منظر نامے کا حال یہ ہے کہ ادب تخلیق کرنے والے ادارے اور جامعات کے شعبہ ہائے اردو میں جو تحقیقی اور تنقیدی کام ہو رہا ہے اس کا معیار اس قدر پست ہو چکا ہے کہ ان کی اشاعت کے لیے کوئی ناشر تیار نہیں ہوتا۔ ہمارے بیشتر اسکالر اپنی کتابیں اردو اکیڈمیوں اور قومی اردو کونسل کے جزوی مالی تعاون سے شائع کروا رہے ہیں۔ اگر اردو اکیڈمیاں اور قومی اردو کونسل ان کتابوں کی اشاعت کے لیے امداد دینا بند کر دیں تو شاید ان اسکالروں کو اپنے شعبوں کے باہر کوئی جان بھی نہ پائے۔ اکثر مسودے اتنے ناقص اور غیر معیاری ہوتے ہیں کہ انہیں دیکھ کر سر پیٹنے کو جی چاہتا ہے۔ تعلیمی اداروں نے تخلیق سے اپنا رشتہ قطعی کاٹ لیا ہے۔ اردو ادب میں تخلیقی سطح پر کام کی روایت اب دم توڑ رہی ہے کیونکہ نہ تو اب ویسے بالیدہ ذہن ادیب موجود ہیں اور نہ ہی ادب کی دنیا سے وابستہ ہونے والوں میں اخلاص اور جستجو ہے۔

جس وقت ابن صفی نے قلم سنبھالا تو اُردو ادب میں فکشن کے نام پر فحاشی کا سیلاب سا آیا ہوا تھا۔ ابن صفی نہ تو جنسی بے راہ روی کے علمبردار تھے اور نہ ہی وہ افلاطونی عشق کے طرف دار۔ وہ اپنے ہر ناول کے پیش رس میں اپنے قارئین کے خطوط کا جواب دیتے تھے، جو اُن کی افتاد طبع اور جدت پسندی کا بہترین شاہکار ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنے ادبی مشن کی وضاحت ایک پیش رس میں اس طرح کی تھی:

> ''غالباً 1952ء کی بات ہے۔ اچھے خاصے پڑھے لکھے آدمیوں کی ایک نشست میں کتابوں اور مصنفوں کی مقبولیت کے بارے میں بحث چھڑ گئی۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ جنسی لٹریچر کے علاوہ کسی کی مارکیٹ نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ بس اُسی دن

> سے مجھے یہ دُھن ہو گئی کہ کسی طرح جنسی لٹریچر کا سیلاب رکنا چاہئے۔ کافی سوچ بچار کے بعد یہ طے پایا کہ جدید طرز پر جاسوسی ناولوں کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ لہٰذا 'جاسوسی دنیا' کی داغ بیل ڈال دی گئی۔ اس وقت اردو کے جاسوسی لٹریچر میں آنجہانی تیرتھ رام فیروز پوری کے تراجم اور محترم ظفر حیات کے کچھ ناولوں کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا لیکن 'جاسوسی دنیا' کے اجرا کے تقریباً چھ ماہ بعد ہی ہند و پاکستان میں جاسوسی لٹریچر کا سیلاب آ گیا اور آج میں اُن صاحب سے پوچھتا ہوں کہ جنسی لٹریچر کا وہ سیلاب کہاں ہے۔ مگر اُن کی آواز میرے کانوں تک نہیں پہنچتی۔''

(بحوالہ پیش رس، ''لاشوں کا بازار'' عمران سیریز، ستمبر 1956)

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابن صفی نے محض ایک ادیب کے طور پر اپنی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کیا بلکہ وہ ایک سماجی مصلح کے طور پر بھی سامنے آئے۔ انہوں نے اردو میں جنسی لٹریچر کے سیلاب کو روکنے کا کام جس طرح اپنے جاسوسی ناولوں سے لیا وہ ایک مصلح ہی انجام دے سکتا تھا۔ بڑا ادیب اور دانشور وہی ہوتا ہے جس کے سماجی سروکار ہوتے ہیں اور جو معاشرے کو تباہی اور بے راہ روی سے بچاتا ہے۔ اس پہلو سے اگر دیکھا جائے تو ابن صفی کا مقام اپنے تمام ہم عصر ادیبوں میں بہت بلند اور ارفع ہے۔

''جاسوسی ادب اور ادب میں مقام'' کے حوالے سے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ابن صفی نے بڑے کام کی باتیں کہی تھیں۔ انہوں نے لکھا:

> ''ویسے اگر آپ ادب میں مقام کے سلسلے میں مجھ سے کچھ سننا چاہتے ہیں تو سنئے۔ اساطیری کہانیوں سے لے کر مجھ حقیر کی کہانیوں تک آپ کو ایک بھی ایسی کہانی نہ ملے گی جس میں جرائم نہ ہوں.....اور آج بھی آپ جسے اونچے قسم کے ادب کا درجہ دیتے ہیں اور جس کا ترجمہ دنیا کی دوسری زبانوں میں آئے دن ہوتا رہتا ہے، کیا جرائم کے تذکروں سے پاک رہتا ہے؟ کیا مضرت رساں پہلوؤں پر ہمارے نقاد کی نظر نہیں پڑتی؟ اگر نہیں.....تو کیوں؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے لوگ کہانیوں میں بھی (جو دراصل ذہنی فرار کا ذریعہ ہوتی ہیں) پولیس یا جاسوس کا

وجود برداشت نہیں کر سکتے۔ چلئے پولیس کو اس لیے برداشت کرلیں گے کہ وہ للکار کر سامنے آتی ہے لیکن جاسوس تو بے خبری میں پتہ نہیں کب گردن دبوچ لے۔ لہٰذا اگر مجھے ادب میں کوئی مقام پانے کی خواہش ہے تو جاسوس کو چھٹی دینی پڑے گی۔ لیکن میں اس پر تیار نہیں ہوں کیونکہ مجھے ہر حال میں شر پر خیر کا پرچم لہرانا ہے۔ میں باطل کو حق کے سامنے سر بلند نہیں دیکھنا چاہتا۔ میں معاشرے میں مایوسی نہیں پھیلانا چاہتا.....ایسی مایوسی جو غلط راستوں پر لے جائے۔''

(بحوالہ پیش رس، ''تیسری ناگن'' کرنل فریدی سیریز، نومبر 1969)

بلاشبہ ابن صفی نے اپنی تحریروں کے ذریعے سماج کو برائیوں سے پاک کرنے کا جو بیڑہ اُٹھایا تھا اُس میں وہ کامیاب اور سرخرو ہو کر گزرے۔ ان کے پایہ استقامت میں کوئی لغزش پیدا نہیں ہوئی اور وہ اپنے راستے پر چلتے ہی چلے گئے۔ ابن صفی کا ادبی نصب العین بہت وسیع تھا اور وہ اگر دنیا کی کسی ترقی یافتہ زبان کے ادیب ہوتے تو یقیناً ادب کا سب سے بڑا عالمی اعزاز پانے سے انہیں کوئی روک نہیں سکتا تھا۔ ابن صفی کی تحریریں آج انگریزی زبان میں ترجمہ ہو کر مقبول عام ہو رہی ہیں لیکن اگر یہ کام ان کی زندگی میں ہوتا تو اس کا مزہ ہی کچھ اور تھا۔

250 سے زیادہ ناولوں کے مصنف ابن صفی کا ادبی مرتبہ اتنا بلند و بالا ہے کہ اس تک ماضی قریب کا کوئی دوسرا ادیب پہنچ ہی نہیں سکتا۔ ابن صفی کے تمام ناولوں کا گہرائی سے جائزہ لینے والے خرم علی شفیق نے نثری ادب میں ان کی اہم خصوصیات کا احاطہ درجہ بندی کے ساتھ ان لفظوں میں کیا ہے:

1. ابن صفی کی پہلی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ محض چٹخارے دار کہانیاں نہیں لکھ رہے تھے (جیسا کہ ادب عالیہ والے کر رہے تھے) ابن صفی کے پاس ایک واضح مشن تھا اور اصلاحی ادب کے سب سے بڑے مبلغ کے طور پر سر سیّد احمد خاں، محمد علی جوہر اور علامہ اقبال کی فکری جانشینی کے مستحق صرف وہی تھے نہ کہ ادب عالیہ کے وہ علمبردار جو اِن بزرگوں کے تصورات اور نظریات سے اعلانیہ طور پر باغی تھے۔

2. ابن صفی کی دوسری نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ علمی حوالوں کی جس قدر بہتات ان کے یہاں پائی جاتی ہے اور ان حوالوں کے درمیان جیسا تنوع ہے وہ نہ صرف کسی دوسرے جاسوسی ناول نگار کو نصیب نہیں ہوا بلکہ اردو میں 1936 کے بعد ابھرنے والے کسی بھی ادیب کے حصے میں نہیں آیا۔

3. ابن صفی کی تیسری نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے معاشرے کی جیسی نمائندگی کی، ویسی کوئی اور نہیں کر سکا.....انہوں نے اپنے پڑھنے والوں کی رائے کو اہمیت دی۔

4. ابن صفی کی چوتھی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ان سے بہتر نثر شاید (مرزا غالب اور محمد حسین آزاد کو چھوڑ کر) اردو میں کسی اور نے نہیں لکھی۔ اگر اقبال کی شاعری کو الہامی شاعری کہا جاتا ہے تو ابن صفی کی نثر کو الہامی نثر کہا جا سکتا ہے۔

5. ابن صفی کی پانچویں امتیازی خصوصیت مستقبل بینی ہے جس کے بغیر کوئی ادیب بڑا ادیب نہیں بن سکتا مگر جس سے بیسویں صدی کے ادیب محروم ہیں۔''

(سائیکو مینشن، ابن صفی، خرم علی شفیق، صفحہ 8 تا 10، مطبوعہ کراچی، 2011)

معصوم مراد آبادی؛ معروف اُردو صحافی۔

اسلوب ابن صفی ایک جائزہ

ڈاکٹر نکہت جہاں

ابن صفی کا شمار ان ادیبوں میں ہوتا ہے جو اپنی تحریروں کے حوالہ سے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ان کا انداز تحریر بالکل نیا' منفرد اور دلکش تھا۔ برصغیر میں جو مقبولیت انہیں حاصل ہوئی وہ اپنی مثال آپ ہے۔بقول عباس حسینی:

> ''دنیا میں کچھ شخصیتیں ایسی گزری ہیں جنہوں نے ادب کی تاریخ میں اپنے لیے جگہ حاصل کر لی ہے مگر کچھ لوگ ایسے بھی گزرے ہیں جن کی شخصیت نے تاریخ بنائی ہے۔ابن صفی کا تعلق دوسرے طبقہ سے ہے۔ان کی عظیم شخصیت اردو ادب میں ایک نئی تاریخ کا آغاز کرتی ہے۔'' (عباس حسینی۔شعلوں کا ناچ۔پہلا ایڈیشن)

ابن صفی اردو کے ان ادیب وشعرا میں شامل ہیں جن کا تعلق براہ راست عوام سے تھا۔ابن صفی کی تحریریں ان کی زندگی میں اردو ادب کے نقادوں کے لیے ہمیشہ متنازعہ رہیں۔علامہ نیاز فتحپوری نے انہیں اردو ادب کے لیے ناسور قرار دیا تو مولوی عبدالحق نے انھیں اردو ادب کا محسن گردانا۔اردو نقادوں نے ان کے تخلیق کردہ سری ادب کو ادب عالیہ کا ایک جزو تسلیم نہیں کیا جب کہ دنیا بھر میں اس ادب کو بلند مقام حاصل ہے۔ایک انٹرویو میں کسی نے پوچھا تھا کہ آپ نے جاسوسی طرز نگارش ہی کو کیوں اپنایا ہے؟ ابن صفی نے جواب دیا:

> ''دراصل میں چاہتا تھا کہ اپنے افکار وخیالات زیادہ سے زیادہ افراد تک پہنچا سکوں اسی لیے میں نے اس میڈیا کو اختیار کیا تھا................اس کا تعلق کیوں کہ سب سے زیادہ پاورفل اسٹنگٹ سے ہے یعنی اسٹنگٹ آف کیوراسٹی سے ہے لہذا اس کا پھیلاؤ زیادہ ہوتا ہے۔اور دوسری چیز وہ مثال کے طور پر آپ تجسس کی جبلت ہی کو لے لیجیے۔ایک محدود عمر تک لوگوں کو اس سے دلچسپی رہتی ہے اس کے بعد اس سے دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔اسٹنگٹ آف کیوراسٹی ہی ایک ایسی اسٹنگٹ ہے کہ مرتے دم تک قائم رہتی ہے۔وقت نزع بھی آدمی یہ سوچتا رہتا ہے کہ اب کیا ہوگا۔ اب کیا ہوتا ہے۔لہذا میں نے اسی اسٹنگٹ کو ایکسپلائڈ کیا اور زیادہ سے زیادہ لوگوں تک اپنے افکار کو پہنچایا۔''

جہاں تک اسلوب ابن صفی کی بات ہے اسلوب کا تعلق موضوع سے ہوتا ہے اور موضوع کے سلسلہ میں الفاظ کا انتخاب' محاوروں کا استعمال' روزمرہ کا خیال اور اس کے ساتھ جیسی صورت حال ہو اس کے مطابق بیانیہ۔ابن صفی کے یہاں دو چیزیں بیک وقت ہیں۔ایک تو بیانیہ دوسرے ڈراما۔یہ فن انہوں نے مرثیوں سے سیکھا بالخصوص میر انیس سے جو ان کے محبوب شاعر تھے' جس کا ذکر کسی نے بھی نہیں کیا۔استاد محترم سید مجاور حسین رضوی صاحب (ابن سعید) کہتے ہیں کہ مجن بھائی اور اشتیاق احمد رضوی ایسے دوست تھے جن کو ابن صفی اپنے وجود سے الگ نہیں سمجھتے تھے۔انیس کے تین مرثیے انہوں نے پڑھے تھے۔

(1) بخدا فارس میدان تہور تھا حر

(2) جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے

(3) جب خاتمہ بخیر ہوا فوج شاہ کا

یہ فن ان کے پاس وہیں سے آیا بیک وقت بیانیہ بھی۔ڈراما بھی۔اور یہ ان کے اسلوب کو انفرادیت بخشتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ اسلوب یا طرز بیان کا تعلق موضوع سے ہوتا ہے۔جیسا موضوع ہوگا اسی مناسبت سے تخلیق کار فضا آفرینی کا فریضہ انجام دیتا ہے۔اس طرح اسلوب بیان بڑی حد تک موضوع کا پابند بھی ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ موضوع کو تابندگی بھی بخشتا ہے۔

ابن صفی کے اسلوب کے بارے میں سب سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ حالاں کہ

ان کا موضوع جرم وسزا ہے اور داستان سے لے کر دور حاضر تک ہر مفکر کے یہاں جرم وسزا کی ایک خاص اہمیت رہی ہے۔لیکن جرم وسزا میں سماجی زندگی کے بے شمار پہلو آجاتے ہیں اور ان تمام گوشوں میں انسانی نفسیات کی کارفرمائی رہتی ہے۔ابن صفی نے اسی نازک پہلو کا خیال رکھا۔ حالاں کہ ان کے پیش نظر پہلا مقصد قاری کی دلچسپی تھی۔دلچسپی کے لیے تیز رفتار واقعات درکار تھے اور واقعات کی اس رفتار میں سماج کے ہر رخ کو تفصیل سے زیادہ بیان کرنا ناممکن لگتا تھا مگر یہ ان کا کمال فن تھا کہ انہوں نے اس ناممکن کو ممکن بنایا۔اپنی بات کی وضاحت کے لیے صرف ایک مثال پیش کروں گی۔ناول کا نام ''دشمنوں کا شہر'' ہے۔ناول کا آغاز نادر کے نصیر آباد پہنچنے کے واقعے سے ہوتا ہے۔نادر ایک تعلیم یافتہ بدمعاش تھا جو محض اپنی فطری جھلاہٹ کی وجہ سے جرائم پیشہ بن گیا تھا اور اپنی ذہانت اور چالاکی سے ہمیشہ پولیس کی نظروں سے بچا رہتا۔لیکن اس کا ضمیر ابھی زندہ تھا۔ایک بار وہ کہیں جا رہا تھا راستہ میں ایک جگہ سیرت النبی کے جلسہ میں اس نے ایک واعظ کی تقریر سنی' آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔''اور جب وہ فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے ان لوگوں سے انتقام نہیں لیا جو ان پر اوجھڑی پھینکتے تھے' ان کی راہ میں کانٹے بچھاتے تھے' ان پر پتھر پھینکتے تھے۔ان تمام لوگوں کے لیے کھلی ہوئی معافی تھی' جنھوں نے انہیں ہجرت پر مجبور کیا تھا۔'' رسول اکرمؐ کی حیات طیبہ کے ایمان افروز واقعات سن کر نادر کی زندگی میں ایک انقلاب آ گیا۔وہ ایک دشمن سے انتقام لینے جا رہا تھا لیکن نبی کریم کے عفو و درگزر کی کہانی سن کر حق وصداقت کی راہ پر لوٹ آیا۔ابن صفی نے یہاں خیر وشر کی کشمکش کا نہایت خوبصورت نقشہ پیش کیا ہے۔قدم قدم پر حالات اسے گناہوں کی دنیا میں واپس جانے پر مجبور کرتے ہیں مگر وہ اخیر وقت تک ثابت قدم رہتا ہے۔یہاں تک کہ آزمائش ختم ہوتی ہے اور کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔اس واقعہ سے اندازہ لگایئے کہ اخلاقیات کے اس نازک ترین پہلو کو جہاں انسان کی قلب ماہیت ہو جاتی ہے وہ کتنی خوبی سے بروئے کار لاتے ہیں' جہاں مذہبیت کسی طرح سے بھی قاری کی دلچسپی میں حائل نہیں ہوتی۔اور وہ قاری بھی جو مسلمان نہیں ہے وہ بھی اسلام کے ابتدائی دور کے صحابۂ کرام کی ان قربانیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتے جہاں انہیں صحابہ کرام کو گرم ریت پر

لٹا دیا گیا۔پیٹ پر پتھر باندھ دیے گئے۔ ہر طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں لیکن وہ صراط مستقیم پر ڈٹے رہے۔وہ ہی نہیں بلکہ قاری کا دل بھی اس کے ساتھ سوچنے لگتا ہے۔

ان کے اسلوب کی خصوصیات میں مندرجہ ذیل پہلو قابل ذکر ہیں۔

1. موضوع کی مناسبت سے کرداروں کا مکالمہ۔
2. محل وقوع کے اعتبار سے جسے آپ واقعہ نگاری کہہ سکتے ہیں واقعات کے لحاظ سے مکالمے۔
3. مزاح کو اس انداز سے پیش کرنا کہ اس میں پھکڑ پن یا ابتذال نہ پیدا ہونے پائے۔
4. کرداروں کے انتخاب میں مزاح اور تجسس کو ساتھ ساتھ لے چلنا۔جیسے قاسم کا کردار۔
5. ان کے اسلوب کا ایک اہم پہلو وہ ہے اخلاقیات کے اعلیٰ ترین اصول یعنی قانون کی بالادستی' انسانی ہمدردی' رحم کے جذبہ کو اس طرح بیدار کرنا کہ وہ واعظ یا زاہد نہ معلوم ہوں۔

ابن صفی ایک نئی فضاء نئے ماحول اور نئے موضوعات اور نئے عزائم کے ساتھ اردو ادب کے افق پر نمودار ہوئے تھے۔وہ اپنے ناولوں سے معاشرے کی ترتیب وتہذیب اور انسانی اعلیٰ قدروں کی پاسداری کرنا' فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنا' افراد کی کردار سازی کرنا' بدعنوانی اور استحصال کے خلاف آواز اٹھانا' قانون کے احترام کی اہمیت کو اجاگر کرنا' دہشت گردی اور جرائم کے محرکات کو منظر عام پر لانا چاہتے تھے۔غرض ابن صفی کے یہاں موضوعات کا ایک جہاں آباد ہے۔

ابن صفی کا سماج سے گہرا تعلق تھا۔وہ انسانیت پسند تھے اور بڑی طاقتوں کی دہشت و بربریت کے خلاف ان کے سینہ میں لاوا ابل رہا تھا۔وہ چاہتے تھے کہ ادب کے ذریعہ بڑی طاقتوں کی بدمستی اور سازشی ہتھکنڈوں کو اجاگر کیا جائے جس کے دام میں عالمی سماج پھنستا جا رہا ہے۔جاسوسی ادب کے توسط سے ابن صفی نے سماجی اور تہذیبی ادب کو اجاگر کیا ہے۔وہ سماج کو ویسا ہی دکھاتے ہیں جیسا کہ سماج فی الواقع موجود ہے۔

ان کے ناولوں کی فضاء مانوس ہے۔انہوں نے جرم اور اس کے اسباب کو ایک وسیع تناظر میں دیکھنے اور دکھانے کی کوشش کی ہے۔ان کے ناول اپنے اندر تھرل' ایڈونچر کی دنیا آباد

کیے ہوئے ہیں۔سنسنی خیز حادثات‘واقعات کا الجھاؤ اور مجرم کی شاطرانہ چالیں تحیر اور تجسس کا ایک ایسا پراسرار ماحول تیار کرتے ہیں کہ دل کی دھڑکنیں بڑھتی جاتی ہیں۔واقعات کی کڑیاں اس طرح ایک دوسرے میں پیوست ہوتی ہیں جس سے کہانی کا فطری بہاؤ متاثر نہیں ہوتا بلکہ قاری میں آگے کا حال جاننے کا تجسس بڑھ جاتا ہے اور قاری لاشعوری طور پر اس خیالی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے۔ سارے واقعات اسے اپنے اردگرد ہوتے محسوس ہوتے ہیں۔

ابن صفی کا اپنا انداز تحریر تھا۔وہ محاورے اور روزمرہ سے سجی ہوئی انتہائی سادہ اور عام فہم زبان کا استعمال کرتے تھے۔ان کے اسلوب کی ایک خصوصیت ان کا چونکا دینے والا انداز ہے۔اکثر ناول بالکل اچانک شروع ہوتے ہیں۔مثلاً ناولوں سے یہ جملے ملاحظہ کیجیے:

’’گرانڈیل احمق قاسم راجرس اسٹریٹ کے موڑ پر بڑی دیر سے ان دونوں لڑکیوں کا انتظار کر رہا تھا۔‘‘ (خونخوار لڑکیاں)

’’اس بار بہت زور سے بجلی کڑکی اور گھوڑا گرتے گرتے بچا‘موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔‘‘ (سائے کی لاش)

’’جولیانا فٹز واٹر نے کن انکھیوں سے دیکھا وہ اسے اب بھی گھورے جا رہا تھا‘‘۔

(جونک کی واپسی)

’’ناک میں دم کر رکھا تھا گھر بھر کا‘وہ ایسی ہی تھی۔‘‘ (بیباکوں کی تلاش)

ان کے اسلوب کا ایک بڑا وصف ان کی بے ساختگی ہے جس کے سبب اثر قاری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی ہے۔بعض جملوں پر یہی مسکراہٹ قہقہوں کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔خصوصاً قاسم کا کردار۔اکثر اس کے جملوں کی بے ساختگی قاری کو قہقہہ لگانے پر مجبور کر دیتی ہے۔ابن صفی کی خوبی یہ ہے کہ وہ کردار کی شخصیت کو سامنے رکھ کر اسلوب اختیار کرتے ہیں جس سے منظر زندہ اور متحرک نظر آتا ہے۔

’’یہ کیا ہے؟‘‘ رشیدہ نے پوچھا۔

’’گوبھی کے تازہ پھول‘‘۔قاسم نے سعادتمندی سے کہا

’’تم پاگل تو نہیں ہو گئے‘‘۔رشیدہ جھنجلا گئی’’کل بھی تم نے یہی حرکت کی تھی مگر میں ہنس کر ٹال گئی تھی‘‘۔

’’تو کیا وہ پھول باسی تھے‘‘قاسم نے پوچھا۔

’’آخر یہ ہے کیا بدتمیزی۔اور آج تم انہیں یہاں سب کے سامنے اٹھا لائے‘‘۔

’’کمرے میں پہنچا دوں‘‘۔قاسم نے بڑی لجاجت سے کہا۔

’’میں کہیں تمہارے سر پر چائے دانی نہ توڑ دوں۔‘‘رشیدہ آپے سے باہر ہو گئی۔

’’مجھے تو معلوم ہوا تھا کہ تمہیں گوبھی کے پھول پسند ہیں‘‘۔قاسم رونی شکل بنا کر بولا۔

’’کس گدھے نے کہا تھا‘‘؟

’’حمید بھائی نے‘‘۔

’’اوہ۔رشیدہ خاموش ہو گئی۔پھر ہنسنے لگی اور اس نے کہا’’آخر اتنے بے وقوف کیوں ہو؟‘‘

’’اس میں بے وقوفی کی کیا بات ہے‘‘قاسم برا مان گیا۔تم کبھی کچھ کہتی ہو کبھی کچھ۔ایک بار تم نے کہا تھا کہ میں بالکل بے وقوف نہیں ہوں۔اور اب بے وقوف ہوں۔‘‘

رشیدہ کی ہنسی تیز ہو گئی۔ (موت کی چٹان)

ان کے اسلوب کا ایک اور کمال ان کی واقعات نگاری یا منظر نگاری ہے۔جس میں انہیں غیر معمولی ملکہ حاصل تھا۔انہوں نے غیر ممالک کا کبھی دورہ نہیں کیا لیکن زمین کے بادل میں امریکہ کے بڑے شہروں کی تفصیلات کے ساتھ ساتھ جنوبی امریکہ کے جنگلات کی تفصیلات بھی اتنی مہارت اور چابک دستی کے ساتھ پیش کرتے ہیں گویا وہ سب انہوں نے آنکھوں سے دیکھا ہو۔

ابن صفی بہت کم الفاظ میں کسی بھی منظر کا نقشہ کھینچ دیتے تھے۔خیر اندیش سے یہ مثال ملاحظہ کیجیے۔

’’جھیل کیا تھی ایک چھوٹا سا سمندر تھا جس کے مغربی کنارے سے مشرقی کنارے تک نظروں کی رسائی ممکن نہیں تھی‘بس پانی ہی پانی تھا اور افق میں دھواں دھواں سے پہاڑوں کے آثار نظر آتے تھے۔جھیل کے مغربی کنارے پر دور تک سرسبز و شاداب پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں اور یہ پہاڑیاں ویران نہ تھیں۔تھوڑے تھوڑے فاصلے پر

بستیاں نظر آتی تھیں جن کے مکینوں کی بسر اوقات کا ذریعہ انگوروں کی کاشت تھی۔ آش پاس کے شہروں کے لوگ اطراف میں چھٹیاں گزارنے کے لیے آتے تھے اور ان چھوٹی چھوٹی بستیوں کی رونق کبھی کم نہ ہوتی تھی۔"

ان کی منظر نگاری کا ایک اور نمونہ ملاحظہ کیجیے۔

"مرنے والے چیخ رہے تھے........بلبلا رہے تھے' رو رہے تھے لیکن انہیں قتل کرنے والوں کے ہاتھ کسی طرح نہ رکے۔ اور پھر انہوں نے ان کی لاشیں بھی گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالیں۔ انہیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ زندگی کی آخری حدوں پر کھڑے سامنے پھیلی بے کراں تاریکی میں اپنے لیے جگہ تلاش کر رہے ہوں۔ حالاں کہ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا مگر انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ دنیا کا آخری دن ہو' زمین کسی سیارہ سے ٹکرا گئی ہو' سورج کے پرخچے اڑ گئے ہوں۔ شکرالی وحشی بھی گھوڑوں پر دم بخود بیٹھے اپنی ہمیشہ اداس رہنے والی آنکھوں سے کچلی ہوئی لاشوں کو دیکھ رہے تھے۔ اور پھر یک بیک ہوا تیز ہو گئی۔" (درندوں کی بستی)

اس بات سے جاسوسی ادب کا ہر قاری اتفاق کرے گا کہ ابن صفی کے ناول چاہے جتنی بار پڑھیں ہر بار نیا لطف آتا ہے۔ زبان و بیان پر مکمل عبور رکھنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے کبھی اپنے کسی کردار کو عامیانہ پن کا شکار نہ ہونے دیا۔ عمران کے کردار ہی کو لے لیں وہ ایک ہنس مکھ اور کھلنڈرا کردار ہے۔ بڑا شستہ مذاق کرتا ہے' پڑھنے والا بے ساختہ مسکرا اٹھتا ہے اور دوسرے کرداروں کے ساتھ عمران کی نوک جھونک بعض اوقات بہت لطف دیتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک ناول میں عمران کے ڈائیلاگ ملاحظہ کیجیے۔

"تھوڑی دیر بعد عمران بولا۔ اب اسد گا رہے ہوں گے' میں کا کروں رام مجھے بڈھا مل گیا"۔

"آپ بھی بعض اوقات سچ مچ حد سے گذر جاتے ہیں....وہ تو کہیے کہ استاد بہرام خاں والا حربہ کارگر ہوا ورنہ قیامت آجاتی۔ خواہ میری جان چلی جائے لیکن میں ابا بیلی مونچھوں کے پیچھے سے نسوانی آواز ہرگز نہ سنوں گا۔"

انہوں نے اپنی تمام تحریروں میں جدید انداز فکر اپنایا اور ایسے واقعات ہمارے سامنے لائے جو حقیقت ہوتے ہوئے بھی ہماری نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تحریر میں سسپنس' ایڈونچر اور شوخی کا استعمال کیا ہے۔

ابن صفی نے بقلم خود میں ایک جگہ لکھا ہے کہ "میں نے اپنے لیے ایسے میڈیم کا انتخاب کیا ہے کہ میرے افکار زیادہ سے زیادہ افراد تک پہنچ سکیں ہر طبقہ میں پڑھا جاؤں اور بحمد وللّٰلہ میں اس میں کامیاب ہوا ہوں۔"

انہوں نے اپنے میڈیم کی طرف جو اشارہ کیا ہے وہ دراصل ان کا اسلوب ہے۔ ان کے ہر ناول کا آغاز دلچسپ اور تجسس انگیز ہوتا ہے۔ ایک ناول کا آغاز ملاحظہ کیجیے۔

"وہ عمارت پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھی .... لیکن بظاہر اس تک رسائی ناممکن تھی... رسائی ناممکن تو پھر وہ عالم وجود میں کیسے آئی ہوگی؟ جب غیر ملکی سیاح چکر دار پہاڑی سڑک سے گزرتے ہوئے ٹیکسی ڈرائیور سے یہی سوال دہراتے تو جواب میں انہیں ایک لمبی کہانی سننی پڑتی۔ اس عمارت کی طرف ان کی توجہ مبذول کرانے والے بھی ٹیکسی ڈرائیور ہی ہوتے۔ جیسے ہی ٹیکسی موڑ پر پہنچتی وہ کہتے۔ دیکھیے صاحب! یہ پہاڑ کسی مینار کی طرح سیدھا کھڑا ہے اور اس پر ایک عمارت بنی ہوئی ہے۔ آج تک کوئی بھی اس عمارت تک پہنچنے کا راستہ نہیں بنا سکا۔

سیاح وہیں ٹیکسی رکوا لیتے اور حیرت سے اس عمارت کو دیکھتے۔ پہاڑ چاروں طرف سے دیوار کی طرح سپاٹ نظر آتا اور وہ ٹیکسی ڈرائیوروں سے پوچھتے' کیا اسے تمہارے ملک کے کسی قدیم جادوگر نے بنایا ہے۔ نہیں صاحب انہیں جواب ملتا۔ یہ تو ادھر ہی کے پچیس تیس سال پہلے کی بات ہے۔ اس جواب کے ساتھ کہانی بھی شروع ہو جاتی۔ ایک انگریز تھا جو محض چار بیویاں رکھنے کے شوق میں مسلمان ہو گیا تھا.............."۔ (لوبولی لا۔ عمران سیریز' دسمبر 1965)

ابن صفی الفاظ کے بازی گر تھے۔ وہ بات سے بات پیدا کرنے کے ہنر سے بخوبی واقف تھے۔ ان کا طنز بھی مزاح کی چاشنی لیے ہوتا۔ ناول "آدھا تیتر" میں تجریدی آرٹ پر ان کا

طنز دیکھیے :

’’پچھلے دنوں ایک غیر ملکی سفارت خانے نے تصویروں کی نمائش کا اہتمام کیا تھا۔ تمہارا یہ سلیمان بڑے ٹھسے سے وہاں پہنچا تھا اور تصاویر پر تنقید کرتا پھر رہا تھا‘‘۔

’’اچھا! لیکن اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ پکاسو کا بہت بڑا مداح ہے۔ تجریدی آرٹ پر جان دیتا ہے۔ اور جیسی تصاویر دیکھ کر آتا ہے ویسی ہی چپاتیاں نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک دن ساڑھے چار فٹ لمبی چپاتی پکائی تھی۔ پوچھا یہ کیا ہے۔ کہنے لگا صدائے صحرا۔ اور ابدیت ابھی توے پر ہے۔‘‘

ان کے مکالمے چست ہوتے ہیں۔ ایک ایک لفظ کردار اور کہانی کی مناسبت سے ادا ہوتا ہے۔ ان میں ایک فطری بے ساختگی پائی جاتی ہے جو کہانی کی روانی میں خلل انداز نہیں ہوتی اس میں فکر بھی ہوتی ہے اور فلسفہ بھی۔

’’آدمی کتنا پیاسا ہے‘ تم اسے پیاسا سمندر کہہ سکتی ہو‘ جو پانی ہی پانی رکھنے کے باوجود بھی ازل سے پیاسا ہے اور اس وقت تک پیاسا رہے گا جب تک کہ اسے اپنا عرفان نہ ہو جائے۔ لیکن ابھی اس میں ہزار ہا سال لگیں گے۔ ابھی تو وہ گھٹنوں چل رہا ہے ۔۔۔ اس کی ذہنیت اور سوجھ بوجھ اس بچہ سے زیادہ نہیں ہے جو ماں کی گود میں چاند کے لیے مچلتا ہے۔ وہ مصنوعی سیارے اڑا کر اس طرح خوش ہوتا ہے جیسے بچے صابن کے بلبلے اڑا کر مسرور ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے شرطیں بدلتے ہیں کہ دیکھتے ہیں کہ کس کا بلبلہ دیر تک فنا نہیں ہوتا۔..... چاند کا سفر آدمیت کی معراج نہیں ہے۔ چاند کی باتیں تو ایسی ہی ہیں جیسے کوئی اپنے اصل کام سے اکتا جائے اور بیٹھ کر گنگنانا شروع کر دے۔‘‘ (پیاسا سمندر)

’’آدمی نے اپنی زندگی میں خود زہر بھرا ہے اور اب خود ہی تریاق کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ وہ خدا تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اپنے پڑوسی تک بھی اس کی پہنچ نہیں ہے۔‘‘ (سینکڑوں ہم شکل)

’’آدمی جب درندگی پر اتر آتا ہے تو جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ کیا تم نے

کبھی کسی کتے کو دوسرے کتے کا گوشت کھاتے دیکھا ہے۔‘‘ (سانپوں کا مسیحا)

’’کیا تم مرنا چاہتی ہو؟

ہاں میں مرنا چاہتی ہوں۔ روشی جھلا گئی۔

اچھا تو اردو کے عشقیہ ناول پڑھنا شروع کر دو۔ تم بہت جلد بور ہو کر مر جاؤ گی۔‘‘

(بھیانک آدمی)

(حمید) ’’یہاں آ کر پچھتا رہا ہوں۔ ہالی ووڈ میں بہت اچھا تھا۔

وہاں کیا کرتے تھے؟

اردو کے سری ادب سے آئیڈیاز پار کر کے وہاں کے فلمسازوں کے ہاتھ فروخت کر دیا کرتا تھا۔

تو کیا یہ اچھی بات تھی؟ نیما نے کسی قدر ناگواری سے سوال کیا۔

بیلنس برابر کیا کرتا تھا اس طرح..... آخر اردو والے بھی تو انگریزی ادب پر ہاتھ صاف کرتے رہتے ہیں۔ اب ان بے چاروں کو اردو تو آتی نہیں کہ وہ خود ہی انتقام لے سکیں۔‘‘ (سانپوں کا مسیحا)

ان کے ناول جرم سے نفرت کرنا سکھاتے ہیں اور مجرم کی سازشوں سے آگاہ کرتے ہیں اور یہ یقین دلاتے ہیں کہ جرم اور مجرم کا انجام بہر حال شکست ہی ہے۔

’’دنیا کا کوئی مجرم بھی سزا سے بچ نہیں سکتا۔ قدرت خود ہی اسے اس کے مناسب انجام کی طرف ڈھکیلتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو تم ایک رات بھی اپنی چھت کے نیچے آرام کی نیند نہ سو سکو۔ زمین پر فتنوں کے علاوہ کچھ نہ اگے۔‘‘ (ہیروں کا فریب)

ابن صفی قانون کی بالادستی کے قائل ہیں مگر غلط قانون اور خراب سسٹم کے خلاف لوگوں کے احتجاج کی قدر بھی کرتے ہیں بشرط یہ کہ یہ مخالفت جمہوری انداز میں ہو۔ وہ لوگوں کو اس جمہوری حق کے لیے آمادہ کرتے بھی نظر آتے ہیں۔

’’اگر تم قانون کو ناقص سمجھتے ہو تو اجتماعی کوشش سے اسے بدلنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔‘‘ (ہیروں کا فریب)

جب ایک آدمی پاگل ہو جاتا ہے تو اسے پاگل خانہ میں بند کر دیتے ہیں اور جب پوری قوم پاگل ہو جاتی ہے تو طاقتور کہلانے لگتی ہے۔" (انوکھے رقاص)

ابن صفی کے ناولوں میں صرف جرم، مجرم اور تفتیش ہی نہیں بلکہ وہ ان اسباب کی طرف بھی متوجہ کرتے ہیں جو جرم اور مجرم کو پیدا کرتے ہیں۔ یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے۔

"میں جب بھی کسی مجرم کو قانون کے حوالے کرنے لگتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ کیا اب ہمیں مجرموں سے پناہ مل جائے گی۔ کیا مجرموں کو سزا دینے سے وہ برائی مٹ جائے گی جس میں مبتلا ہو کر یہ پھانسی کے تختے کی طرف آتے ہیں۔ اب تک کروڑوں قاتل سزائے موت پا چکے ہوں گے لیکن کیا اب قتل نہیں ہوتے۔ کیا مجرموں کی تعداد کم ہو گئی ہے؟ اس کا حل شروع ہی سے موجود تھا لیکن اس طرف کسی نے دھیان ہی نہیں دیا۔ بروں سے زیادہ برائی کی طرف دھیان دیا جائے۔ یہ سوچا جائے کہ آخر جرم کیے ہی کیوں جاتے ہیں۔ کیوں نہ سماجی زندگی کو ایسے معیار پر لایا جائے کہ جہاں جرم کا کوئی سوال ہی نہ رہ جائے۔ ہم جو بھی کرتے ہیں اپنی آسودگی کے لیے کرتے ہیں اگر سوسائٹی میں ایسے حالات پیدا کیے جائیں جن کے تحت ہم اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے آسانی سے جائز طریقے اختیار کر سکیں تو پھر ہمیں انھیں خواہشات کو آسودہ کرنے کے لیے ناجائز راستوں پر جانے کی ضرورت نہ پڑے گی۔"

(خطرناک بوڑھا)

ابن صفی نے اپنے ناولوں میں زبان کے معیار کو قائم رکھنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ ان کی زبان دلکش اور ادبی چاشنی سے بھرپور ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے۔

"مطلع ابر آلود تھا........ حد نظر تک سرسبز پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں

"تاریخی عمارات کے بارے میں وہ کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا تھا۔ اس کی دانست میں ہر دور کی تاریخی عمارات آدمی پر آدمی کی جبر کی کہانیاں سناتی ہیں۔ یعنی کوئی ایک فرد اتنا دولت مند تھا کہ اس نے ہزاروں کیڑوں مکوڑوں سے دو وقت کی روٹی کے حصول کی خاطر بہت وزنی پتھر اٹھوائے ہوں گے۔" (ایڈلاوا)

"رات کہر آلود تھی۔ سردی سے در و دیوار تک ٹھٹھرے ہوئے تھے۔ ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا لیکن پھر بھی شہر کی رونق پر اضمحلال اور پس مردگی کا حملہ ہو چکا تھا۔ شاہراہوں پر کہر میں لپٹی ہوئی روشنی اونگھتی سی معلوم ہو رہی تھی لیکن شراب خانے، ہوٹل اور نائٹ کلب اب بھی آباد تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شاہراہوں کی روح کھینچ کر ان عمارتوں میں در آئی ہو۔ فٹ پاتھ قریب قریب ویران ہو چکے تھے............ بار کے سامنے والے فٹ پاتھ پر ایک دراز قد آدمی دیر سے کھڑا شاید کسی کا منتظر تھا۔ اس کے جسم پر سیاہ لمبا کوٹ تھا اور سر پر اطالوی وضع کا گہرا نیلا فیلٹ ہیٹ۔" (شعلوں کا ناچ)

ابن صفی صاحب اسلوب ظرافت نگار بھی تھے۔ ان کی پاکیزہ ظرافت اور بے مثال طنز نے ان کو لافانی بنا دیا ہے۔ وہ اپنے اچھوتے طرز بیان سے لوگوں کے دلوں کو موہ لیتے ہیں۔ ظرافت کا مقصد صرف ہنسنا ہنسانا ہی نہیں ہوتا بلکہ اپنے معاشرے پر صحت مندانہ تنقید اور اصلاح بھی پیش نظر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طنزیہ انداز میں تلخی و تندی پیدا ہو جاتی ہے، اس تلخی و تندی کو کارگر بنانے کے لیے ظرافت اور مزاح کی چاشنی ضروری ہے۔ ابن صفی کا کمال یہی ہے کہ ان کی عبارت میں طنز و ظرافت کا متوازی امتزاج پایا جاتا ہے۔ ان کا عظیم مقصد اپنے دور کی تہذیب و معاشرت کی اصلاح کرنا تھا۔ خصوصاً جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کی مغرب زدگی اور قدامت پرستوں کی تنگ نظری پر انھوں نے کڑی تنقید کی ہے، لیکن ان کی سخت سے سخت تنقید بھی ناگوار نہیں معلوم ہوتی اور یہی ان کا کمال ہے۔ وہ اپنا مقصد ایسے لچکدار الفاظ اور موثر انداز میں بیان کرتے ہیں کہ پڑھنے والوں پر گراں نہیں گزرتا۔ زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس کے عیوب و نقائص انہوں نہ دکھائے ہوں، لیکن وہ سنجیدگی اور متانت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ انہوں نے جس موضوع کو بھی بیان کیا اس میں جدت اور ندرت کا پہلو نمایاں ہے۔

لفظوں کے تصرف سے مزاح پیدا کرنا بھی ابن صفی کے اسلوب کی ایک اہم خوبی ہے۔ مثلاً قاسم کی زبانی فرشتہ کی مونث "فرشتی" اور سکریٹری کا مذکر "سکریٹرا" کہلوانا اور استاد محبوب

نرالے عالم کا ''عربا و فارسا'' زبانوں میں شاعری کرنا وغیرہ۔ابن صفی نے کئی نئے مفرد اور مرکب الفاظ بھی ڈھالے ہیں جن کے بظاہر معنی و مفہوم مفقود ہیں لیکن ان کی تحریروں میں وہ الفاظ بامعنی ہوتے ہیں۔ ابن صفی ایسے الفاظ کے ذریعہ عموماً اچھوتی نوعیت کی مزاح نگاری کرتے ہیں۔ مثلاً ''یلا یلی'' اور ''فلفلوٹی''۔ یہ الفاظ اکثر قاسم استعمال کرتا ہے جن کے معنی ہیں خوبصورت اور تندرست لڑکی۔

ابن صفی نے لفظوں سے بھی مزاح پیدا کیا ہے۔ان کے یہاں لفظی مزاح کی سینکڑوں مثالیں بھری پڑی ہیں۔

''بارتوش اچھے تن و توش کا آدمی تھا.....اگر اسے بارتوش کے بجائے صرف تن و توش کہا جائے تو غیر مناسب نہ ہوتا۔'' (چٹانوں میں فائر)

''چلیے سو جایئے۔انور پلنگ پر گرتا ہوا بولا۔آپ سے خدا سمجھے۔''

''نہیں، بلکہ تم سے خدا سمجھے اور پھر مجھے اردو میں سمجھایئے۔تمہاری باتیں تو میرے پلے ہی نہیں پڑتیں۔''

''بس عمران صاحب مجھے سب کچھ معلوم ہے۔آپ لیڈی تنویر کا قرض ادا کریں یا نہ کریں مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔میں تو ایک التجا لے کر آئی تھی!

''اوہو....تو اس وقت ہے آپ کے پاس؟''

''کیا..........؟''

''التجا....!'' (پاگل کتے)

مزاح کا یہ رنگ بھی دیکھیے جس میں طنز کی کاٹ موجود ہے۔

''لیڈر ہونا بھی شاندار چیز ہے! عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ابھی تک میں اندھیرے میں تھا۔لیڈری کرنا دنیا کا آسان ترین پیشہ ہے۔عزت، دولت، شہرت سبھی کچھ آن کی آن میں نصیب ہو جاتے ہیں۔'' (پاگل کتے)

ابن صفی کی مزاح نگاری پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر ضمیر اختر رضوی لکھتے ہیں:

''ابن صفی نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز شاعری اور طنزیہ و مزاحیہ مضامین سے کیا تھا۔

یہ دونوں شعبے ان کے ناولوں میں بھرپور انداز سے ابھر کر سامنے آئے۔ان کے ناولوں میں مزاحیہ اور طنزیہ انداز، فکر و نظر کے لیے نئی راہیں کھولتا ہے۔انہوں نے اپنے مزاحیہ طرز تحریر سے قارئین کو زندگی کے حقائق سے قریب تر لانے کی کوشش کی ہے۔ان کے مکالموں میں نشتریت، ذہانت، معلومات، غور و فکر اور گہرائی کا عنصر شامل ہوتا ہے۔ابن صفی پر جب کبھی بھی تحقیقی کام ہوگا تو محقق کو لکھنا پڑے گا اردو کے طنزیہ ادب میں ابن صفی نے یک نئے دور کا آغاز کیا تھا۔'' (بحوالہ نئے افق، وادی اردو کوم)

ابن صفی آج بھی مقبول ہیں جب کہ معاشرہ اور اس کا مزاج یکسر بدل چکا ہے اور انسانی دلچسپیوں کے محور بھی وہ نہ رہے جو ان کے تخلیقی دور میں عام تھے۔ایک انٹرویو میں ابن صفی نے کہا تھا:

''کسی بھی فنکار کی قدر اس کی زندگی میں نہیں کی گئی۔جب کوئی مر جاتا ہے تو بڑا واویلا کرتے ہیں۔مرنے والے کے اعزاز میں بڑے بڑے بت بنائے جاتے ہیں لیکن میرے ساتھ شاید ایسا بھی نہ ہو۔کیوں کہ میں تو ان بت تراشوں سے بھی مل کر نہیں بیٹھا۔تمہیں تو معلوم ہے کہ میں گوشہ نشین ہی رہوں گا۔شاید بعد مرگ بھی ایسا ہی ہو۔ میں نے کسی نام نمود کی پرواہ نہیں کی۔اب یہ جو کچھ مقبولیت ہے خدا کی دین ہے میری اپنی کوشش کا اس میں کوئی دخل نہیں۔''

اسی انٹرویو میں انہوں نے یہ پیشن گوئی بھی کی تھی۔

''وہ ادب جو نان شبینہ کو ترسائے بڑا ہے یا وہ ادب جس سے نہ صرف میری، میرے پبلشر کی بلکہ بہت سے بک اسٹال والوں کی روٹیوں کا خرچ نکلتا ہے؟ خیر تم میری یہ بات نوٹ کر لو۔ایک وقت آئے گا کہ لوگ اسی سب کچھ کو ادب تسلیم کریں گے اور تب ادب کے یہ چودھری اپنے خول سے باہر آئیں گے تب تم دیکھنا کہ یہ کیسا چولا بدلتے ہیں۔'' (کہتی ہے تجھے خلق خدا غائبانہ کیا۔ص۔15)

میں اپنی بات ان ہی کے اس شعر پر ختم کرتی ہوں۔

جو کہہ گئے وہی ٹھہرا ہمارا فن اسرار
جو کہہ نہ پائے نہ جانے وہ چیز کیا ہوتی

کتابیات:

1. کہتی ہے تجھے خلق خدا غائبانہ کیا — راشد اشرف
2. ابن صفی مشن اور ادبی کارنامہ — محمد عارف اقبال
3. زمین کے بادل — ابن صفی
4. شعلوں کا ناچ — ابن صفی
5. پاگل کتے — ابن صفی
6. ہیروں کا فریب — ابن صفی
7. چٹانوں میں فائر — ابن صفی
8. نئے افق، ابن صفی نمبر 1986ء
9. قومی زبان، ابن صفی نمبر 2011ء

ڈاکٹر نکہت جہاں، اسوسی ایٹ پروفیسر اردو، نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی۔

ابن صفی کے زندۂ جاوید کردار

ڈاکٹر محمد شجاعت علی راشد

ابن صفی نے اپنے ناولوں میں دو طرح کے کرداروں کے سہارے قاری کو متوجہ کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ انہوں نے مثبت کرداروں کو ترجیح دی ہے جنہیں مستقل کردار بھی کہا جا سکتا ہے۔ جن میں عمران، فریدی، حمید، قاسم، ان کے رفقا، شناسا یا ماتحتین شامل ہیں، جب کہ منفی کردار بدلتے رہتے ہیں۔ اس طرح کچھ کردار کہانی کے پلاٹ اور پس منظر کے اعتبار سے تخلیق کیے گئے ہیں جو سماج کے مختلف طبقات کی نمائندگی کرتے ہیں۔

فریدی اور حمید ابن صفی کے دو بنیادی کردار ہیں جن کی تخلیق 1952ء کے ہندوستان میں ہوئی جب کہ ابن صفی کا پہلا ناول ''دلیر مجرم'' شائع ہوا۔ انہوں نے عمران جیسے اہم کردار کی تخلیق 1955 میں کی جب وہ پاکستان ہجرت کر چکے تھے۔ ان ہی دو طرح کے معاشرتی کرداروں پر مشتمل ناول ابن صفی کی حیات تک ملتے ہیں۔ فریدی، حمید سیریز میں آخری ناول جولائی 1979ء میں ''صحرائی دیوانہ'' کے نام سے شائع ہوا جب کہ عمران سیریز کا آخری ناول ''آخری آدمی'' اکتوبر 1980 میں یعنی ابن صفی کے انتقال کے دو ماہ بعد منظر عام پر آیا۔

ابن صفی نے اپنے قارئین کی خواہش کے احترام میں 1958ء کے ڈائمنڈ جوبلی نمبر ''زمین کے بادل'' میں فریدی اور حمید کی ملاقات عمران سے کروانے کے لیے انہیں ایک مخصوص مقام پر اکٹھا دکھایا اور اس طرح قارئین کی دیرینہ خواہش پوری ہوئی۔ اس ناول میں کرنل فریدی کو عمران پر کسی قدر برتر دکھایا گیا ہے لیکن جس توازن کو برقرار رکھا گیا ہے وہ صرف ابن صفی ہی کر

سکتے ہیں۔ 1957ء میں ''جاپان کا فتنہ'' اور ''دشمنوں کا شہر'' کے پہلے ایڈیشن شائع ہوئے۔ یہ وونوں ناول ایک ہی سلسلہ کے دو حصے ہیں۔ اس ناول کا ایک منفی کردار ''ٹویوڈا'' ہے جس سے پورا یورپ خوفزدہ تھا' جو جاپان کا فتنہ بھی کہلاتا تھا۔ اس پراسرار کردار کی نفسیات کو ابن صفی نے بڑے ہی ڈرامائی انداز میں پیش کیا ہے۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دنیا کے شاطر سے شاطر مجرم کو بھی ایک کمزور چوہے کی مانند پکڑا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ ہر مجرم کی کوئی نہ کوئی کمزوری ضرور ہوتی ہے۔ اس سلسلہ کا دوسرا ناول ''دشمنوں کا شہر'' دراصل ''ٹویوڈا'' کی کہانی کا اختتامیہ ہے جس کا آغاز ایک ایسے کردار سے ہوتا ہے جو حق و باطل کی کشمکش سے دوچار ہے' وہ اپنی فطری کمزوری کے باعث جرم کی گہرائیوں میں ڈوبا ہوا ہے لیکن ایک واعظ کی تقریر سے اس کی قلبی ماہیت ہو جاتی ہے۔ اس کا دل پرنور ہو جاتا ہے۔ جاسوسی ادب کے حوالے سے ابن صفی کا یہ تجربہ ان کے اپنے منفرد انداز اور فکری جدت کا شاہکار ہے۔

ابن صفی اپنی تحریروں میں اپنے کرداروں کی زبانی بڑے ہی فکر انگیز خیالات پیش کرتے ہیں۔ وہ اپنے کرداروں کے ذہنوں میں بعض محیر العقول سوالات پیدا کرتے ہیں اور پھر ان کے فکر انگیز اور سائنسی توجیہات پر مبنی جوابات بھی اپنے دوسرے کردار یا کرداروں کے ذریعہ پیش کرتے ہیں۔

ان کے ناولوں میں مستقل کرداروں کے علاوہ سماج میں پائے جانے والے مختلف النوع نفسیاتی کرداروں میں عام انسانوں سے لے کر اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھنے والے کردار بھی کثرت سے نظر آتے ہیں۔ ابن صفی کے ہر ناول کے کرداروں کا الگ الگ تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے قلم سے سماج و معاشرے میں پائے جانے والے ہمہ جہت کردار تخلیق کرتے ہوئے ان کی نفسیات کو بھی بخوبی پیش کیا ہے۔ عام طور پر فکشن کے کردار خیالی تصور کیے جاتے ہیں لیکن ابن صفی نے بعض ایسے کردار بھی پیش کیے ہیں جو تخلیقی نہیں بلکہ جیتے جاگتے بلکہ معروف بھی تھے۔ جیسے استاد محبوب نرالے عالم کا کردار۔ استاد محبوب نرالے عالم کے کردار کو

ابن صفی نے عمران سیریز کے جن ناولوں میں پیش کیا ہے اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو اپنے کردار کی نفسیات پر کس قدر قدرت حاصل تھی۔ ابن صفی نے کرداروں کی نفسیات کرداروں کی معرفت پیش کرتے ہوئے انہیں لازوال بنا دیا ہے۔

''زمین کے بادل'' کے ڈائمنڈ جوبلی نمبر میں ابن صفی کے کرداروں کی خیالی تصویریں بھی ہیں اس سے قبل ''خوفناک ہنگامے'' سلور جوبلی نمبر میں بھی کرداروں کے اسکیچز یا خاکے جو کہ صدیق آرٹسٹ نے بنائے تھے شامل ہیں۔

ابن صفی کے دو مرکزی کردار یعنی عمران اور فریدی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں کردار دراصل ابن صفی کی شخصیت کے ترجمان تھے جب وہ کسی مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرتے یا کسی نفسیاتی مسئلہ پر گفتگو کرتے تو ایسا محسوس ہوتا جیسے ناول کے آخری صفحات میں فریدی حمید کو کسی نفسیاتی کیس کی تفصیل بتا رہا ہو۔ اور کبھی آپسی گفتگو یا قریبی دوست احباب کی محفلوں میں بالکل عمران کے انداز میں بات کرتے۔ ابن صفی نے فریدی اور حمیدی کے کرداروں پر مشتمل ناول ''صحرائی دیوانہ'' لکھا جو 'جسارت'' میں قسط وار شائع ہوا۔

ان کے تخلیقی ذہن نے ایرج' عقرب' شکرال' مغلاق اور کرغال جیسے کرداروں کو عمران سیریز میں پیش کیا ہے۔ ان میں ایرج خواب دیکھنے والا قوی ہیکل نوجوان ہے جب کہ عقرب چالاک اور عیار۔ وہ طلسم ہوشربا کے کردار عمرو عیار سے مشابہ ہے۔

پروفیسر مظفر حنفی کے مطابق ''ابن صفی کے کرداروں میں عمران' فریدی' حمید' جولیانہ' ثریا' قاسم' گلہری خانم وغیرہ معلوم ہوتا ہے گوشت پوست کے کردار ہیں۔ وہ نہ صرف اپنی انفرادیت منواتے ہیں بلکہ بے ساختہ مکالمے اور منظر نگاری کی ایسی مثال پیش کرتے ہیں جسے ابن صفی کی نہایت خلاقانہ قدرت کا ثبوت کہا جا سکتا ہے انہوں نے نہ صرف اپنے قد کو ہمعصروں میں بلند کیا بلکہ ایک منارہ بن کر ابھرے۔ ابن صفی کے ناولوں میں وہ عناصر موجود ہیں جو ہمیں ان کو ادب عالیہ میں شامل کرنے پر مجبور کرتے ہیں''۔

ابن صفی ایک اعلیٰ درجہ کے مزاح نگار تھے۔ جاسوسی دنیا کا کردار قاسم اور استاد محبوب نرالے اس کی چند مثالیں ہیں۔ قاسم کا کردار ایک ڈیل اور عقل سے پیدل کردار ہے جو کیپٹن حمید کے ساتھ ساتھ نظر آتا ہے اور مختلف موقعوں پر حمید اور کرنل فریدی کے لیے جہاں مشکلات پیدا کرتا ہے وہاں کئی مہمات میں ان کے لیے سہولت کار کا کام بھی انجام دیتا ہے۔ ابن صفی اپنے ناولوں میں ایسی پر لطف صورت حال پیدا کرتے تھے کہ ان کے قارئین بے چینی سے کہانی میں ان کرداروں کی آمد کے منتظر رہا کرتے تھے۔

حمید، یوں تو فریدی کا ماتحت ہے لیکن تمام ناولوں میں کہانی کا ارتقا حمید ہی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ کوئی نہ کوئی عجیب واقعہ یا صورت حال جس سے حمید دو چار ہوتا ہے اور پھر اسی کے ذریعہ کہانی آگے بڑھتی ہے۔ حمید سے اکثر لغزشیں ہوتی ہیں، حماقتیں سرزد ہوتی ہیں اور اسی خوبصورت ماحول میں ابن صفی کے بیانیہ کے جوہر کھلتے ہیں۔ برجستگی ان کی تحریر کی ایسی خوبی ہے جو کوئی بھی محسوس کر سکتا ہے۔ حمید کا کردار ایک فطری کردار ہے۔ وہ اپنے شگفتہ جملوں کے ساتھ کہانی کا مرکزی کردار بن جاتا ہے۔ مصیبتوں میں پھنستے ہوئے فریدی کے لیے ہمیشہ قربانی کا بکرا بننا اور اپنی بذلہ سنجی کو قائم رکھنا ہی اس کا مقصد ہے۔ کبھی کبھی وہ عام آدمی کی طرح معمولی سی باتوں پر مغموم بھی ہو جاتا ہے۔ ابن صفی کے تخلیقی کرداروں میں عمران کے بعد یہ کردار سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

یوں تو ابن صفی کے تمام کردار مکمل اور زندۂ جاوید ہیں لیکن ان میں کرنل فریدی کا کردار منفرد ہے۔ ابن صفی نے اس کردار کو بڑی محنت و جانفشانی سے پیش کیا ہے۔ وہ اپنے اس کردار کے ایک ایک جملہ اور حرکت پر باریک بینی سے نظر ڈالتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ فریدی سے کوئی غلطی نہ ہو جائے۔ چوں کہ ابن صفی کے قارئین میں ایک بہت بڑا حلقہ فریدی کے مداحوں کا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ فریدی بھی عام انسان کی طرح کوئی غلطی کرے یا ایسی حرکت کرے جو اس کے شایان شان نہ ہو۔ اور جو اس کے اعلیٰ مرتبے کو گرا دے۔ اس لیے ابن صفی نے اس کردار کو ہر اعتبار

سے ایک مکمل اور جاندار کردار کے قالب میں ڈھالا۔ وہ نہ صرف جسمانی اعتبار سے مکمل اور بھرپور ہے بلکہ اپنے اخلاق و کردار کے اعتبار سے بھی بڑی حد تک کمزوریوں سے پاک ہے۔ وہ ایک با اصول، غیرت مند، خوددار اور کسی سے مرعوب نہ ہونے والا پولیس آفیسر ہے۔ مجرموں کے خلاف اس کی سخت گیری کی وجہ سے ہی اسے کرنل ہارڈ اسٹون بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن شرفا اور مظلوموں کے لیے انتہائی نرم دل اور مہربان ہے۔ اس کے والد نواب عزیز الدین خاں ایک امیر کبیر شخصیت ہیں۔ دولت کی فراوانی ہے لیکن وہ دولت کا بے جا استعمال نہیں کرتا۔ اس نے صرف شوق اور وطن کی خدمت اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے جذبے کے تحت جاسوسی کا پیشہ اختیار کیا ہے۔ اس کے شوق بڑے عجیب و غریب ہیں۔ مختلف نسلوں کے کتے اور سانپ پالنا اور ان کو اس طرح سدھانا یا ٹرینڈ کرنا کہ اس کے اشارے پر دوڑ پڑیں، یہ اسی کا کمال ہے۔ وہ آکسفورڈ کا تعلیم یافتہ ہے کئی زبانیں جانتا ہے اور جرائم کی گتھیوں کو سلجھانے میں دوسری زبانوں کی کتابوں سے بھی مدد لیتا ہے۔ اسے مطالعہ کا شوق ہے۔ اس کے پاس ایک شاندار لائبریری بھی ہے جہاں بے شمار قیمتی کتابوں کے علاوہ نادر و نایاب کتابیں بھی ہیں۔ ابن صفی لکھتے ہیں ''فریدی نے اس زمانے کی ساری کتابیں بڑی احتیاط سے رکھ چھوڑی تھیں۔ ان میں الف سے الو والی کتاب سے لے کر اس وقت تک کی کتابیں پائی جاتی تھیں جب وہ ایم اے کر لینے کے بعد آکسفورڈ یونیورسٹی میں جرائم پر ریسرچ کر رہا تھا۔'' اس کے پاس ایک انتہائی جدید لیبارٹری بھی ہے جس میں وہ مختلف قسم کے سائنسی تجربات کرتا رہتا ہے۔ مجرموں کو پکڑنے کے لیے اس نے ایک بلیک فورس بھی تیار کر رکھی ہے۔ لیکن اس کے بارے میں کسی کو کوئی علم نہیں کہ اس میں کون لوگ شامل ہیں۔ یہاں تک کہ کیپٹن حمید بھی اس سے لاعلم رہتا ہے۔ اس کے کردار کی بلندی کی وجہ سے لوگ اس کا بہت احترام کرتے ہیں۔ فریدی ایک باکمال شخصیت ہونے کے باوجود دوسروں کی صلاحیتوں کی قدر کرتا ہے۔ بہر حال فریدی ابن صفی کا ایک لازوال کردار ہے۔ اس میں بے شمار خوبیاں ہیں اور یہی خوبیاں اسے دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ بقول مجنوں گورکھپوری:

”فریدی کا کردار مجھے سنجیدہ اور اس کے مخصوص پیشے کے لیے بہت موزوں معلوم ہوا۔ اس کی یہ ادا بھی مجھے پسند آئی کہ وہ اپنی انسپکٹری پر قائم رہا اور کسی اونچے منصب والے کسی محکمہ میں بھی کام کی صلاحیت رکھتے ہوئے کچھ زیادہ کام نہیں کرتا۔لیکن فریدی کے کارناموں اور ان میں اس انہماک کے ساتھ تمام ادنیٰ سے اعلیٰ منازل کو طے کرنے کے لیے وہ اپنی جیب سے جتنا خرچ کرتا ہے وہ ایک داستانی دولت کا متقاضی ہے جو اس دور میں بڑے بڑے جاگیردار یا سرمایہ دار کو میسر نہیں مگر اس کو ہم ایک تخیلی تصور Ideal concept کے طور پر قبول کر سکتے ہیں۔جس طرح کی داستانوں میں ہم بہت سے فرضی اور خیالی حالات و واقعات کو قبول کر لیتے ہیں لیکن فریدی کی سنجیدگی کی خصوصیت غلو کی غیر فطری حد تک بڑھ گئی ہے۔عورت سے بدکتے رہنا یا اس سے ہر موقع پر بدگمان یا برگشتہ رہنا،اس کو ہم ایک جنسی گریز کے طور پر برداشت کر سکتے ہیں جو کسی نہ کسی نفسیاتی گرہ سے متعلق ہوتا ہے۔لیکن فریدی جابجا عورتوں کے خلاف وعظ و پند کا لہجہ بھی اختیار کرتا رہتا ہے،یہ نہ صرف ایک غیر انسانی بات ہے بلکہ سرے سے غیر فطری ہے۔ممکن ہے یہ حمید کی اس تفریح کا جواب ہو جو بغیر کسی عورت کے حمید کے لیے ممکن نہیں ہے۔مگر پھر بھی فریدی کا انداز بے انتہا غیر متناسب ہے۔حمید سراغ رسانی کی تمام صلاحیتیں رکھتا ہے اور بڑے کام کا آدمی ہے، لیکن وہ ایسا مسخرا ہے جو بغیر مسخرہ پن کے زندہ نہیں رہ سکتا۔اس کا مسخراپن بھی اکثر غیر ضروری حد تک طویل ہو جاتا ہے۔اور پڑھنے والوں میں کسالت کا احساس پیدا کر دیتا ہے۔حمید کے ساتھ ذہن قاسم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ابن صفی کے تمام کردار اچھوتے تو ہوتے ہی ہیں قاسم بھی ایک اچھوتا کردار ہے،اور اس کی حرکتیں بہت بڑی حد تک تفریح کا اچھا سامان بہم پہنچاتی ہیں۔حمید کی شرارتوں سے بار بار زک کھا کر قاسم کی حمید کے ساتھ دوستی یقیناً قابل تحسین بات ہے۔لیکن دو چار ناولوں کو پڑھنے کے بعد یہ محسوس ہوئے بغیر نہیں رہتا کہ قاسم اور حمید اپنی حرکتوں کو دہراتے چلے جا رہے ہیں اور ان میں کوئی نیا پن نہیں آنے پاتا۔“

(اردو میں جاسوسی افسانہ،پروفیسر مجنوں گورکھپوری مشمولہ ”کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا“۔ص110-111)

عمران کا کردار ابن صفی کا ایک منفرد اور معنی خیز کردار ہے۔اسے ہم اردو کے نمائندہ کرداروں میں شامل کر سکتے ہیں۔عمران ایم ایس سی پی ایچ ڈی (آکسن) ہے۔فریدی کی طرح عورتوں سے دور رہتا ہے۔بلکہ عورتیں اس پر عاشق ہوتی ہیں۔اپنا کام نکالنے کے لیے بسا اوقات لڑکیوں سے اس طرح پیش آتا ہے کہ وہ اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتی ہیں کہ وہ ان سے محبت کرتا ہے لیکن کہانی کے اختتام پر وہ انہیں پہچانتا بھی نہیں۔اس کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس نے ”سنگ ہی“ نام کے مجرم سے گولیوں سے اپنے آپ کو بچانے کا ہنر سیکھا ہے۔عمران کا کردار دراصل معصومیت،اخلاق،بہادری،فرض شناسی،استقلال اور افسردگی کا ایک عجیب وغریب مجموعہ ہے۔ ایک چھوٹے سے فلیٹ میں اپنے ملازم کے ساتھ گمنامی کی زندگی جینے کو ترجیح دیتا ہے۔اور اپنے ملازم کے ذریعہ آسانی سے بے وقوف بنتا رہتا ہے۔بظاہر عمران دوہری شخصیت کا حامل نظر آتا ہے،لیکن اس کی اصل شخصیت اس بے وقوف بننے والے عمران یا اپنے گھر والوں کی نظروں میں نکما اور لاابالی عمران اور سکریٹ سروس کے چیف عمران سب سے الگ ہے۔بقول ڈاکٹر خالد جاوید ”اپنے ساتھیوں کے ذریعے جان بوجھ کر بے وقوف بنے رہنا اور خاموشی کے ساتھ خود اپنا ہی تماشا دیکھتے رہنا یہ وہ خصوصیات ہیں جو عمران کے کردار کو فریدی سے زیادہ جاندار،پرکشش اور معنویت سے بھرپور کردار ثابت کرتی ہیں۔“ (ابن صفی چند معروضات۔خالد جاوید،مشمولہ ”کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا“ص296)

استاد محترم پروفیسر سید مجاور حسین رضوی فرماتے ہیں کہ عمران دراصل خود آدھے اسرار احمد ہیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابن صفی کے کردار عمران اور ابن سعید کے ناول ”دھوپ چھاؤں“ کے کردار صدیقی میں بے حد مماثلت پائی جاتی ہے۔۔خود ابن صفی اپنے ایک خط میں عمران کے کردار کے بارے میں ابن سعید (پروفیسر سید مجاور حسین رضوی) کو لکھتے ہیں:

”یار مجاور تم نے میرا ستیاناس کر دیا۔آج تمہاری ”دھوپ چھاؤں“ ملی۔صدیقی کا کردار تقریباً ایک سال سے پک رہا تھا لہٰذا جب صاحب نے ایک ناول کا تقاضہ کیا

تو میں نے اس کو ہیرو بنا کر ساٹھ (60) صفحہ کا ایک اوٹ پٹانگ ناول لکھ کر ان کے حوالے کیا۔ جس کی آدھی سے زیادہ کتابت بھی ہو چکی ہے بہر حال اب مجھے جو کوفت ہو رہی ہے میرا دل ہی جانتا ہے۔ میرا کردار عمران ہو بہو ایسا ہی ہے۔ لندن پلٹ وہ بھی ہے۔ بظاہر بے وقوف اور نسیان زدہ۔ گفتگو کے انداز اور حرکات وسکنات میں بھی کوئی فرق نہیں۔ خدا کے لیے یہ نہ سمجھنا کہ اس کا آئیڈیا میں نے تم سے لیا ہے۔ ورنہ میرے لیے خودکشی کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ رہ جائے گا۔"

(اس خط کی کاپی راقم کے پاس محفوظ ہے)

بہر حال ہر مصنف اپنے کرداروں کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔ کانن ڈائل کو کوئی جانتا بھی نہیں اگر شرلاک ہومز نہ ہوتا۔ کتنے لوگوں کو ایملی براونٹے کا نام یاد ہے مگر ہیڈ کلپ زندہ ہے۔ ابن صفی نے بھی ایک مزیدار روایت شکنی کی۔ انہوں نے ایسے کردار تخلیق کیے جنہوں نے ان کو زندہ ٔجاوید بنا دیا اور خود بھی زندۂ جاوید ہو گئے۔

کتابیات:

1. نئے افق ابن صفی نمبر 1986
2. کہتی ہے تجھے خلق خدا غائبانہ کیا راشد اشرف
3. ابن صفی مشن اور ادبی کارنامہ محمد عارف اقبال
4. اردو بک ریویو
5. شعلوں کا ناچ
6. زمین کے بادل
7. قومی زبان ابن صفی نمبر 2011

ڈاکٹر محمد شجاعت علی راشد، ڈپٹی ڈائرکٹر مرکز پیشہ ورانہ فروغ برائے اساتذہ اُردو ذریعہ تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد۔

ابنِ صفی کے منتخب نسوانی زندۂ جاوید کردار

ڈاکٹر سیّد شجاعت علی

مغرب میں ناول نے Fabeles کی کوکھ سے جنم لیا۔ اردو داستانوں میں اس کے ابتدائی نقوش تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ جس طرح فن شاعری کی کوئی واحد تعریف ممکن نہیں اسی طرح ناول نگاری کا کوئی ایک رنگ، کوئی ایک وضع مخصوص نہیں۔

ناولوں کے اقسام میں جاسوسی ناول (Detective Novel) کی بھی اپنی ایک دنیا ہے۔ فرانسیسی ناول نگار Zola کے یہاں ناول زندگی کا محض ایک transcript ہے یا پھر ایک دلچسپ پہلو جو ناول کو تاریخ، مذہب اور فلسفہ سے الگ کرتا ہے۔

بعض نقادوں کا خیال ہے کہ جاسوسی ناول لطف سے عاری ہوتے ہیں اس لیے ادب کے دائرے سے خارج ہیں۔

Madam Bovary جیسے شاہکار ناول کے خالق Flaber کا تعلق جس اسکول سے تھا اسے نیچری کہا گیا۔ جس کے کرداروں کی دنیا پاگلوں، لالچی، زاہدوں، طوائفوں، احمقوں، شرابیوں سے بھری پڑی ہے۔ اس کے تمام عکس سرّی عناصر کے ساتھ ابنِ صفی سے پہلے نہ تو کسی نے اجاگر کیے اور نہ بعد میں۔ ویسے بھی ایڈورڈ گرین لا کے مطابق "ہر مطبوعہ چیز ادب ہو سکتی ہے۔" پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ابنِ صفی کے ناول ادب کے دائرے سے خارج ہیں۔

یہ بحث نقادوں کے لیے محفوظ رکھتے ہوئے یہاں میں اپنی بات کو ابنِ صفی کے ناولوں کے لازوال نسوانی منتخب کرداروں تک ہی محدود رکھوں گا۔ اردو ناول میں کردار نگاری کے فن میں ابن صفی کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ انہوں نے مستقل کرداروں میں کرنل فریدی، کیپٹن حمید، انور، رشیدہ،

قاسم، نیلم جیسے لازوال کردار تخلیق کیے۔ احمق اعظم عمران، سکریٹ سروس کی ٹیم میں جولیانا، صفدر، روشی، کیپٹن فیاض ایسے کردار ہیں جو اپنی جگہ منفرد اور مکمل ہیں۔ ابنِ صفی نے بعض نسوانی کرداروں کو اس طرح زندگی بخشی کہ وہ زندۂ جاوید کردار میں تبدیل ہو گئے ایسا ہی ایک کردار نیلم کا بھی ہے۔

ناول ''طوفان کا اغواء'' کی نیلم گروہ کے سردار ''بابا'' کی اپنی بیٹی نہیں۔ نیلم کا باپ اسمگلنگ کے دھندے میں ملوث تھا جسے گروہ کے ساتھی نے گولی مار کر ختم کر دیا تھا۔ تب نیلم ایک سال کی بچی تھی۔ بارش میں بھیگتی نیلم خون میں نہائی ماں کے سینے سے لپٹ کر روتی رہی۔ اس scene کو دہرا کر 'بابا' نے انتقام کے لیے زمین تیار کی۔ نیلم نیکی اور بدی کے درمیان جھولتی رہی اور جب بابا نے جھوٹ کہہ کر 'دُرجن' کو اس کے ہاتھوں قتل کروا دیا تب اس کے چہرے پر حیرت اور خوشی کے ایسے ملے جلے تاثرات تھے جیسے اس نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہو۔ ناچار کیپٹن حمید اسے ایک عجیب و غریب لڑکی سمجھنے لگا۔ لیکن وہی نیلم جب بابا کی گولی سے زخمی ہو کر بڑبڑا رہی تھی تب کیپٹن حمید بے اختیار آنسو بہانے لگا۔

''نہیں نہیں ......ارے'' اس کے ہاتھ حمید کے گالوں پہ رینگ گئے۔
ارے تم بھی رو رہے ہو کیپٹن............اللہ.....اللہ.......مجھے بھینچ لو کیپٹن..
تم میرے باپ ہو.....تم میرے لیے رو رہے ہو......میرے بابا.......
تم میری ماں ہو.....میرا جسم اکڑ رہا ہے......بابا میرے بابا.......
اوہ ......کتنی تیز بارش ہو رہی ہے.....ماں مجھے بھینچ لو.....
ماں.....بارش.....ماں.....بارش........ (اقتباس: طوفان کا اغواء)

یہ اقتباس نیلم کی نفسیاتی گرہیں کھولتا ہے۔ جس کی ماں قاتل کی گولی کھا کر بارش میں پڑی بھیگتی رہی اور ایک سالہ لڑکی نے زندگی کے تمام مراحل ماں اور باپ کے بنا پورے کیے۔ کسی بھی لڑکی کے ساتھ اگر اس طرح کا حادثہ ہو تو اس کی نفسیات نیلم سے کسی طرح بھی جدا نہ ہوگی۔

نیلم کا کردار کچھ اس طرح سے ہمارے ذہنوں کو جھنجھوڑتا ہے کہ ہم اسے فراموش نہیں کر سکتے اور اس سے اپنی وابستگی محسوس کرنے لگتے ہیں۔ یہ ابنِ صفی کی کردار نگاری کا کمال ہے جس کا اعتراف کیے بنا کوئی چارا نہیں۔

ابنِ صفی کا دوسرا لازاول کردار ''ریما'' یعنی تیسری ناگن ہے۔ جو ابنِ صفی کی پراسرار سرزمین "Zero Land" کی تیسری بڑی عورت ہے۔ زیرو لینڈ کی پہلی ناگن ''تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا'' ہے۔ دوسری ناگن ''نانوتہ'' (چاندنی کا دھواں، تباہی کا خواب، مہلک شناسائی) سے قاری شناسا ہیں، تو تیسری ناگن ''ریما'' بڑی پراسرار لڑکی ہے جو بدھ مت کی تعلیمات سے متاثر ہو کر سکون کی تلاش میں حمید کے ملک آئی ہے۔ سفر کے درمیان ''حمید'' کے کردار سے متاثر ہو کر اس کی طرف جھکنے لگتی ہے اور بعد میں اسے چاہنے لگتی ہے۔

''یک بیک وہ بے حد سنجیدہ نظر آنے لگی اور اس کے چہرے پر شرمندگی کے آثار بھی دکھائی دیے اور پھر وہ حمید کے قدموں پر جھکتی چلی گئی۔ دوبارہ اس نے سر اٹھایا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔
''تم دیوتا ہو۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔
''صحیح معنوں میں مرد ہو۔'' (اقتباس: تیسری ناگن)

ابنِ صفی ایک ایسے دانشور تھے جو صالح معاشرے کی تعمیر کے حامی تھے۔ انہوں نے اپنے قلم سے نہ صرف اعلیٰ اخلاقی کردار تخلیق کیے بلکہ انہوں نے حمید کے کردار کو بلندی عطا کر یہ ثابت کیا مشرق اور مغرب کے درمیان تہذیبی فاصلے کن رویوں کی وجہ سے ہے۔ ابنِ صفی کا مشن بالکل واضح تھا۔

''مجھے ہر حال میں شر پر خیر کی فتح کا پرچم لہرانا ہے۔ میں باطل کو حق کے سامنے سر بلند نہیں دکھانا چاہتا۔ میں معاشرے میں مایوسی نہیں پھیلانا چاہتا ایسی مایوسی جو انسان کو غلط راستے پر لے جائے''۔

شوخ حمید دل پھینک قسم کا نوجوان ہے۔ لڑکیوں کی محفل کا متلاشی ہے۔ ان کے پیچھے بھاگتا ہے، بس، لیکن کبھی کبھی اخلاقی گراوٹ کا شکار نہیں ہوتا اور ریما جیسی تیسری ناگن حمید کے اس مضبوط کردار سے متاثر ہوتی ہے۔ جو ایک ایسا لطیف و بلیغ اشارہ ہے کہ مشرق نے ہمیشہ کردار کی پاکیزگی و بلندی کے ذریعہ مغرب کو متاثر کیا۔

ابنِ صفی کے نسوانی کرداروں میں 'ریما' اپنے فلسفے اور جرم کے باوجود سحر انگیز اور متاثر کن لگتی ہے اور قاری اسے پسند کیے بنا نہیں رہ سکتا۔ ابنِ صفی نے تعلیم و تربیت اور تجربے کو کرداروں میں سمیٹ کر وسیع دائرے بنائے ہیں۔ ابنِ صفی نا تو ٹالسٹائے ہیں اور نہ اس کا دعویٰ ہی کرتے ہیں۔ مگر ان کے کردار ہمہ گیر خصوصیت کے حامل ہیں۔ ان کی گہرائی و گیرائی کردار کو پرچھائی نہیں بننے دیتی۔ بلکہ قاری خود کو ناول کا کردار سمجھنے لگتا ہے اور یہی ابنِ صفی کی انفرادیت ہے جو ان کا ادب میں خاص Contribution ہے۔

ابنِ صفی کا ایک اور لازوال نسوانی کردار ہے 'غزالہ'۔ نواب رشید الزماں کی اکلوتی و خوبصورت بیٹی جس نے کرنل فریدی جیسے زاہد خشک اور حمید کے 'فادر ہارڈ اسٹون' کو بھی متاثر کیا۔

فریدی کے کردار سے متاثر ہونے والے نسوانی کرداروں میں پرنسز تارا، شعلہ سیریز کی خانم، محکمہ سراغرسانی کی انسپکٹر لیس ریکھا بھی ہے۔ فریدی ان سب کا احترام تو کرتا ہے لیکن کسی سے متاثر نہیں ہوتا۔

''پراسرار کنواں'' میں ابنِ صفی نے فریدی کو دراصل انسانی نفسیاتی جذبات واحساسات کے پیکر کے روپ میں تراشا ہے جو غزالہ کے حسن سے متاثر ہے اور اس کی خوبصورتی کا بھی قائل ہے۔ مگر اس کا منطقی شعور محبت کی کرنیں پھوٹنے نہیں دیتا۔ حسن سے متاثر ہو کر بہک جانا اس کی زندگی کا ایک کمزور لمحہ تھا جسے فریدی نے مضبوط قوتِ ارادی کے بل بوتے آسانی سے طئے کر لیا۔

> ''دفعتاً کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ مڑا، غزالہ کی خوبصورت نگاہوں نے اس کا استقبال کیا۔ غزالہ کے نرم و نازک ہونٹوں پر ایک لطیف سا تبسم بکھرا ہوا تھا۔ فولاد کے بنے ہوئے فریدی کے جسم کا ایک ایک حصہ موم کی طرح پگھلنے لگا۔ اس نے بے اختیار غزالہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟
>
> ''آپ......آپ اس وقت بہت اچھی لگ رہی ہیں۔'' فریدی نے بچوں کی طرح کہا۔
>
> ''آپ ہمیشہ اچھی لگتی ہیں۔'' وہ بدقت تمام بولا۔

> اچانک ایک دھماکہ سنائی دیا۔ دونوں چونک پڑے۔ دروازے کے قریب حمید گر پڑا۔
>
> حمید لیٹے لیٹے بڑبڑایا۔ ''ارے باپ رے.....بھوت.....بھبھوت۔
>
> آپ ہمیشہ اچھی لگتی ہیں.....ارے بہت بڑا کافر مسلمان ہو گیا۔ شکر ہے خدا تیرا، ارے میں خوشی کے مارے بے ہوش ہو گیا تھا۔
>
> ''کیا کسی کے حسن کی تعریف کرنا محبت ہے۔'' فریدی نے کہا
>
> ''قطعی نہیں''
>
> ''تو ادھر دیکھو'' فریدی نے اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا ''جسے تم محبت کہتے ہو اس کے لیے اس پتھر میں کوئی گنجائش نہیں۔'' (اقتباس : پراسرار کنواں)

ایک مفکر کے قول کے مطابق ناول تصور و خیال کو انسانی پیکر عطا کرتا ہے جس طرح لفظ کو انگارہ بنا دینے کا فن شاعری کے پاس ہے۔ غزالہ کے حسن کی آگ بشکل چنگاری فریدی کے دل تک جب پہنچتی تب ہمیں یہ ماننا ہی پڑا کہ فریدی بھی ایک انسان ہے۔ اس کا بھی صنفِ نازک سے متاثر ہونا فطری عمل ہے۔ جس سے اس کی ذات پر کوئی حرف نہیں آتا لیکن حمید کے مطابق:

> ''چٹانیں جب پھوٹ کر لاوا بنتی ہیں تو پھر انہیں دنیا کی کوئی طاقت ان کے مقام تک واپس نہیں لاتی۔'' (اقتباس: رلانے والی)

''رشیدہ'' بھی ابنِ صفی کا ایک اہم نسوانی کردار ہے۔ جس نے ''انور'' کے لیے غیر معروف جزیرہ کی حکومت کو ٹھکرا دیا اور انور کے ساتھ اسی کے فلیٹ میں رہنے لگی۔ انور رشیدہ کے رشتہ کے سلسلے میں ابنِ صفی کا Vision دیکھیئے۔ آج ساری دنیا خاص طور سے مغربی مما لک Live in relationship کی طرف گامزن ہے۔ مگر ان کے درمیان کی خاص لکیر جو مشرق اور مغرب کو الگ کرتی ہے وہ اہمیت کی حامل ہے کہ بوسہ اگر ہونٹوں کا لیا جائے تو یہ sex کہا جائے گا اور یہی بوسہ پیشانی پر لیا جائے تو تقدس کے نام سے پکارا جائے گا۔

جولیا سے عمران کی محبت کوئی چونکا دینے والا انکشاف نہیں۔ سوئیس لڑکی ہو کر مشرقی اقدار کو اپنا کر دوسرے ملک کے لیے جان دینے کی ادا، اس خیالی کردار کو بھی لازاول بنا دیتی ہے۔

رابرٹ لیڈل کا کہنا ہے .....

''اگر ناول نگار انسانی فطرت سے واقف ہے اور ان کے فرق کو پوری طرح سے نمایاں کرنے پر قادر ہے تو اس کی قدریں انسان پرستانہ ہوں گی۔''

''جولیا'' اس قول پر کتنی کھری اترتی ہے اس کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔ جولیا کے کردار میں ہم خارجی اور داخلی زندگی کے بے شمار پہلو محسوس کر سکتے ہیں۔ ایک طرف عمران سے محبت اور دوسری طرف نفرت کا خوبصورت امتزاج جولیا کے پرکشش کردار میں ملتا ہے۔

D. H. Lawrence کے مطابق .....

''جذبات کے اظہار میں کوئی برائی نہیں اگر وہ کھلے اور راست طریقے سے پیش کئے جائیں''۔

ابنِ صفی کا ایک اور لازوال نسوانی کردار ''روشی'' بھی ہے۔ روشی کبھی ایک جسم فروش لڑکی تھی جو احمق اعظم عمران کی دلکشی و بہاردری پر فدا ہو کر اسے دل دے بیٹھتی ہے۔ اور عمران کے زیرِ اثر رہ کر اپنا پیشہ ترک کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ اور ایک کیس ''بھیانک آدمی'' کے بعد نوکری کے لیے عمران کے ساتھ چلی آتی ہے۔ بعد میں عمران کو X-2 کے روپ میں دیکھ کر اور بھی گرویدہ ہو جاتی ہے۔ ابنِ صفی نے X-2 کا راز شکرال کی مہم کے دوران جولیا پر بھی نہ کھولا لیکن روشی X-2 کی حقیقت کو جان کر بھی عمران کو طوطا پکارتی ہے۔ روشی کے تعارف میں ابنِ صفی کی یہ سطریں دل کو چھو لیتی ہیں۔

''یہ اس وقت کی بات ہے جب سنگاپور پر جاپانیوں نے بم باری کی تھی اور جدھر جس کے سینگ سمائے تھے، بھاگ نکلا تھا۔ روشنی بہت بڑے تاجر کی بیٹی تھی۔ لیکن بہت بڑے تاجر کی بیٹی ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ روشی تین دن کے فاقے کے بعد ایک کپ چائے کے عوض لڑکی سے عورت نہ بن جاتی۔'' (اقتباس: بھیانک آدمی)

رچرڈسن کے مطابق......

''ناول کے قصوں کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اخلاق کی تلقین کی جائے۔''

مگر ابنِ صفی نے انسانی کردار کی تشکیل میں سماجی ماحول کے اثر کو نفسیاتی رُخ دے کر نئی روح پھونک دی کہ انسانی سیرت کی بنیاد جذبہ پر ہوتی ہے۔ اور جب یہی جذبہ روشی میں جاگتا ہے تب عمران سے مایوس ہونے کے باوجود وہ اپنے پیشے میں واپس نہیں جاتی۔ شاید ابنِ صفی نے اس کردار سے اصلاحِ معاشرہ کا کام لیا ہو۔

ابنِ صفی کے لازوال نسوانی کردار میں تھریسیا کا کردار بھی بہت اہم ہے۔ یہ وہ کردار ہے جو منفی ہوتے ہوئے بھی ابنِ صفی کے قلم کے ذریعہ زندۂ جاوید بن گیا۔ ابتداء میں الفانسے کے ساتھ مجرمانہ زندگی گزار رہی تھریسیا عمران سے متاثر ہوتی ہے۔ بعد میں زیرولینڈ کی سربراہ یا پھر ممتاز شخصیت کے روپ میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ وہ عمران کے لیے صرف ایک مجرم ہے اس لئے وہ اسے ہمیشہ دشمن کی نگاہ سے دیکھتا ہے مگر تھریسیا اس کی بہادری پر نازاں ہے۔ اقتباس دیکھئے:

''سیسرو جب تمہیں دھکیلتا ہوا آگ کی طرف لے جا رہا تھا تو میں پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ پھر جب تم نے اسے آگ میں جھونک دیا تو میرا دل چاہا کہ تمہیں گود میں اٹھا کر ناچنے لگوں-- کاش میں ایسا کر سکتی - کاش -تم آدمی بن سکتے - مجھے سمجھ سکتے - ٹی تھری بی'' (اقتباس: الفانسے)

عمران سے تھریسیا کی محبت سب پر آشکار ہے۔ وہ خطرناک مجرمہ ہے۔ چاہ کر بھی عمران کو نقصان نہیں پہنچا سکتی، وہ اگر چاہتی عمران کو خاک کے ڈھیر میں تبدیل کر سکتی، مگر نہیں کر سکی۔ وہ ظالم ہے جو عمران کے لیے دوسروں کی جان لیتی ہے۔ تھریسیا کے کردار کو ابنِ صفی نے بہت محنت سے تراشا اور اسے ایک لازوال کردار میں تبدیل کر دیا۔ تھریسیا کے کردار نے یہ بھی ثابت کیا کہ خیر اور شر کی لڑائی میں شر کو بھی خیر کی حفاظت کرنی پڑتی ہے، کہ خیر سے دنیا روشن ہے۔

کامیاب آدمی کی کسوٹی یہ ہے کہ اس کے رخصت ہو جانے کے بعد کوئی خلاء رہ جائے۔ کامیاب آدمی کے نقوش آسانی سے نہیں مٹتے۔ اس لئے یہ ابنِ صفی کے ان نسوانی کرداروں میں زندہ رہیں گے۔

ڈاکٹر سیّد شجاعت علی، صدر شعبہ اردو یشونت کالج، ایس آر ٹی مراٹھواڑہ یونیورسٹی، ناندیڑ، مہاراشٹر۔

اُردو کے سرّی ادیبوں میں ابنِ صفی کا مقام ومرتبہ

ڈاکٹر مسرت فردوس

سرّی اور جاسوسی ادب دُنیا کی ہر زبان میں مقبول ہے۔ جاسوسی ادب (ڈیٹکٹیو اسٹوریز) اور سری ادب (مسٹریز) میں فرق یہ ہے کہ سری ادب (مسٹریز) کا تعلق پُراسرار باتوں سے ہوتا ہے جن کی اصلیت بعد میں واضح ہو جاتی ہے لیکن جاسوسی ادب یا (ڈیٹکٹیو اسٹوریز) میں جاسوس حقائق کا پتہ لگاتا ہے۔

> مغرب میں اٹھارویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے ناول کی نئی قسم وجود میں آئی، ہورلیس واہول نے ۱۷۶۴ء میں ''آٹزینٹو کا قلعہ'' Castle of otzanto لکھا۔ اس کے بعد سلسلہ چل نکلا، مغرب کے ادیب سر آرتھر کانن ڈائل، ایڈگر ایلن اور جسٹر ٹن نے اسرار وسراغ رسانی اور تجسس کی کہانیاں لکھی امریکی مصنفین پو اور ہاتھورن اور سر والٹ اسکاٹ اسے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ علی عباس حسینی لکھتے ہیں کہ ''آج کے جاسوسی اور اسراری ناول کا اصل منبع واہول کا آٹزوینٹو کا قلعہ ہے۔''

(اُردو ناول کی تاریخ وتنقید از علی عباس حسینی، ص87)

اُردو میں ناول نگاری کا آغاز ڈپٹی نذیر احمد سے ہوا یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہا اور ہر قسم کے ناول لکھے گئے، اُردو ناولوں میں ابتداء سے ہی زندگی کے ہر مسئلہ کی عکاسی وترجمانی کی گئی۔ جرائم و سراغ رسانی بھی زندگی کا ایک پہلو ہے۔ لہٰذا یہ عناصر داستانوں میں بھی ملتے ہیں لیکن بیسویں صدی میں اس موضوع پر باقاعدہ کہانیاں اور ناول لکھے جانے لگے۔ تجسس سرّی ادب کی بنیادی نکتہ ہے، جس سے تفریح طبع کے ساتھ ذہنی گرہوں کو کھولنے کی ترغیب ملتی ہے۔

اُردو میں جاسوسی ناولوں کے تراجم ہوئے اور چند طبع زاد تصانیف بھی منظرِ عام پر آئیں۔ ادارہ نکہت الٰہ آباد سے جاسوسی دُنیا شائع ہوتا اس کے اجراء سے پہلے تیرتھ رام فیروز پوری اور محترم ظفر عمر حیات نے ناول لکھے لہٰذا جاسوسی ناول نگاری کی تاریخ میں ظفر عمر کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔ انہوں نے فرانسیسی مصنف مارس لی بلانک کے ناولوں اور جاسوسی کردار آرسین پوہن کو اُردو میں متعارف کروایا۔ رفتہ رفتہ یہ کارواں آگے بڑھتا گیا۔ ایم۔ اے راحت، مظہر الحق علوی، محی الدین نواب، اقلیم علیم، سراج انور نے اپنی اپنی تخلیقات پیش کیں اُردو جاسوسی ناول نگاروں میں اکرم الٰہ آبادی، انجم عرشی، اظہار اثر، عارف مارہروی، مسعود جاوید کے نام لئے جاتے ہیں۔ ان سب میں ابنِ صفی کو بے انتہاء مقبولیت حاصل ہوئی۔ ابن صفی (اصل نام اسرار احمد) نے جاسوسی ناول نگاری کا آغاز مارچ 1952ء میں ادارہ نکہت الٰہ آباد کے تحت کیا تھا یہ ادارہ ان کے قریبی دوست عباس حسینی نے چند احباب کے ساتھ مل کر قائم کیا تھا۔ مارچ 1952ء میں جاسوسی دُنیا کا پہلا ناول ''دلیر مجرم'' شائع ہوا ایک کے بعد کثیر تعداد میں اُن کے ناول شائع ہونے لگے ان کے ناولوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ان کے ناولوں کے سیریز ان کے جاسوسوں یا کرداروں کے نام پر جیسے فریدی سیریز میں 123 ناول، عمران سیریز میں 46 ناول عمران سیریز کے سلسلہ وار ناول میں 75 ناول، انور رشیدہ سیریز میں 6 ناول ایرج واقرب سیریز میں 2 ناول شامل ہیں، ان کے ناولوں کی تعداد تقریباً 252 بتائی جاتی ہے۔ ابنِ صفی نے انگریزی ناول نگاروں سے استفادہ ضرور کیا لیکن طبع زاد ناول لکھے۔

اُن کے ناولوں میں مقصدیت ہے۔ قانون کا احترام، قانون کی بالادستی اور نیکی کی فتح انہوں نے سکھائی، ادب کے ذریعہ معاشرے میں فکری تطہیر کا فریضہ انجام دیا اور ادب سے عوام کا پاکیزہ رشتہ استوار کیا۔ مشرقی روایات کی تعلیم قاری کے دِل میں اُتار دیتے تھے، تفریح کے ساتھ معاشرتی اصلاح، تعمیری اور صالح ادب کو فروغ ملا، خلوص، سچائی، دیانتداری اور فرض شناسی کی صالح قدروں کو معاشرے میں عام کیا۔

ابنِ صفی کا اُردو پر احسان ہے، ہزاروں قارئین پیدا کیئے کئی لوگوں نے اُن کے ناولوں کے ذریعہ اُردو پڑھنا سیکھی، انہوں نے نہایت سلیقہ سے اُردو کو برتا، چھوٹے چھوٹے جملوں میں دِل کو لبھانے والے مکالمے ادا کروائے ہیں، اُن کا قاری لاشعوری طور پر الفاظ و معانی کے خزانے سے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔ اُن کے یہاں کہانی پن سے زیادہ اسلوب کی اہمیت ہے، اُن کی زبان سہل، رواں، نہ بہت زیادہ اختصار اور نہ ضرورت سے زیادہ تفصیل، ناولوں میں ادبی چاشنی، شگفتہ نگاری، منظر نگاری و کردار نگاری کے مکمل نمونے ملتے ہیں۔ اُردو ادب کی فرسودہ روایات سے انحراف کرتے ہوئے اپنے دور کے سماج کی صحیح اور حقیقی نمائندگی کی ہے، یہی زندہ ادب کی پہچان ہے۔

ابن صفی کے ہر ناول کا موضوع جُدا، انوکھا، اچھوتا ہوتا، کہانی کا پلاٹ سماج کے کسی نہ کسی سلگتے ہوئے مسئلہ کی بنیاد پر تشکیل پاتا تھا۔ حیات و کائنات کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جسے ابنِ صفی نے نہ چھیڑا ہو۔ انہوں نے انسانیت کو درپیش معاشی، معاشرتی اور سماجی مسائل کی طرف اشارہ کیا اور اُن کے حل کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے۔ عالمی سماج کے نشیب و فراز اور تغیرات سے اُردو ادب کو روشناس کروایا۔ اُن کے ناولوں میں بدکردار سیاست داں، ہوسِ زر میں گرفتار سرمایہ دار، کم ظرف و بدعنوان بیوروکریٹس، دُنیا کے مختلف سفارت خانوں میں کسی ملک کے خلاف کی جانے والی سازش، تعلیمی اداروں میں جنم لینے والی اخلاقی برائیوں، مِلوں اور کمپنیوں کی آڑ میں ملک کو کھوکھلا کرنے والی سازش، صنعتی بے راہ روی، بین الاقوامی تنظیموں کے گھناؤنے مقاصد، اوہام پرستی کے ذریعہ مجرمانہ کاروائی، اسمگلنگ، منشیات کی عالمی تجارت، نئی نسل کو منشیات کا عادی بنانا وغیرہ مسائل و موضوعات ہیں۔

ابنِ صفی کے یہاں معلومات کا ایک خزانہ سانس لیتا ہوا محسوس ہوتا ہے اُنہوں نے جنگِ عظیم دوّم کے فسادات اور تباہی کا مشاہدہ کیا تھا وہ جدید سائنس اور تکنالوجی کے پیش گو تھے، روبوٹ کا تصور آنے سے پہلے میاں فولادی کا ذکر کیا ہے۔ اُن کے ناولوں کو مستقبل کا استعارہ کہا گیا ہے۔ سائنس اور تکنالوجی کی جدید معلومات سے پُر اُن کے ناول نفسیاتی گرہوں کو کھولتے ہیں

اُن کے کردار چلتے پھرتے فلسفے اور نفسیات کی بڑی بڑی باتیں روانی سے کر دیتے ہیں۔ وہ سوشل سائنٹسٹ بھی تھے۔ اُن کے یہاں ایسا کراہتا ہوا سماج دکھائی دیتا ہے جو صنعتی انقلاب اور سائنس و تکنالوجی کی پیداوار تھا۔ اُنہوں نے ادب کو ناقابلِ فراموش کردار دیئے۔ عمران قدرت کا انوکھا تحفہ ہے وہ ذہین بھی ہے، دلیر بھی ہے، احمقانہ حرکتوں سے ظرافت بھی پیدا کرتا ہے۔ اُن کے ساتھ منفی کردار تھریسیا بمبل بی آف بوہمیا، مددگار کردار سر سلطان، روشی، بلیک زیرو، جولیا، صفدر، کیپٹن فیاض، جوزف، سلیمان، ظفر الملک جیمس، نیلم، انور، رشیدہ، ایرج و عقرب قاسم وغیرہ۔ ابنِ صفی کے بعد ایچ اقبال اور مظہر کلیم نے ان ہی کرداروں پر لکھا۔

ابنِ صفی کی شہرت سے متاثر ہوکر اُن کے کئی مشابہ ناموں سے کہانی کاروں نے لکھنا شروع کیا۔ جیسے این صفی، ابّن صفی، ابن شفیع، ابنِ سیفی، ابنِ کیفی وغیرہ۔ ابنِ صفی کے ناولوں کو بلا شبہ ادب قرار دیا جا سکتا ہے، کیونکہ اُن کے یہاں کہانی تخلیق ہوتی ہے، کردار نگاری ہوتی ہے، اسلوبِ بیان ملتا ہے، کردار و واقعات متصادم ہوتے ہیں قاری کے لیے لمحہ فکریہ ہوتی ہے، اشعار کا استعمال بھی ملتا ہے، فلسفہ وجودیت کی بحث بھی ہے، لاشعور کی نفسیات بھی ہے، ناولوں میں روانی، دلچسپی اور سہل بیانی بھی ہے۔

دیگر جاسوسی ناول نگار ابنِ صفی کی طرح دلچسپی، معیار، ادب اور تکنیک کو برقرار نہ رکھ سکے۔ دوسرے ناول نگاروں میں ابنِ صفی کو اس لیے مرتبہ و مقام حاصل ہے اُن کے ڈراونے، واقعات و سسپنس، حد سے زیادہ بڑھے ہوئے نہیں ہیں، واقعات میں تیز رفتاری، مار کاٹ بھی کم ہے۔ سیکس اور فحش پن نہیں ہے۔ سطحی کردار نگاری سے ناول بدمزہ نہیں ہوتی، غرض ان ہی خصوصیات کی وجہ سے اُنہوں نے شہرت پائی اور بلند مقام حاصل کیا۔

ڈاکٹر مسرت فردوس، اسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر مراٹھواڑہ یونیورسٹی، اورنگ آباد۔

مقبولِ عام ادب کی شعریات

(سری ادب کے خصوصی حوالے سے)

ڈاکٹر رضوان الحق

کسی زندہ اور ترقی یافتہ زبان کے لیے مقبول عام ادب اور اعلیٰ ادب دونوں کے وجود کی موجودگی لازمی ہے۔ دونوں کی موجودگی سے ہی کوئی زبان اپنی تہذیب اور ہمہ جہت رنگارنگی کے ساتھ آگے بڑھ سکتی ہے وگرنہ زبان کا دائرہ سکڑنے لگتا ہے۔ اعلیٰ ادب کے بیشتر ادیب مقبول عام ادب سے لکھنے پڑھنے کی شروعات کرتے ہیں اور بعد میں اپنے ذوق کی ترقی کر کے اعلیٰ ادب میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس ضمن کے ادیبوں کی ایک دو مثالیں نہیں بلکہ بیشتر ادیبوں کی کہانی ہے ممکن ہے ان کی مقبول عام قسم کی تحریریں شائع نہ ہوئی ہوں۔ لیکن اس کے برعکس بھی مثالیں موجود ہیں جن کا پہلے اعلیٰ ادب میں شمار کیا جاتا تھا بعد میں وہ مقبول عام ادب میں شامل ہو گئے فکشن میں کرشن چندر اور شاعری میں بشیر بدر اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ لیکن مقبول عام ادب اور اعلیٰ ادب کی یہ تفریق اتنی واضح اور وسیع بھی نہیں ہے کہ ہمیشہ آسانی سے اس کی تشخیص کی جا سکے۔ کبھی کبھی اعلیٰ ادب کی کچھ صفات مقبول عام ادب میں اور مقبول عام ادب کی اعلیٰ ادب میں بھی درآتی ہیں۔ اگر دونوں ادب کا ان کی شعریات کو ذہن میں رکھتے ہوئے معروضی جائزہ لیا جائے تو بہت سے ادیب جو عام طور پر اعلیٰ ادب میں شمار کیے جاتے ہیں انھیں مقبول عام ادب میں بھی شامل پائیں گے اور جو مقبول عام ادب میں شمار کیے جاتے ہیں وہ اعلیٰ ادب میں شامل ہو سکتے ہیں۔ کئی بار ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کسی ادیب کی بعض تحریریں مقبول عام ادب کے ضمن میں شامل کی جا سکتی

ہیں لیکن مجموعی طور پر وہ ادیب اعلیٰ ادب میں شمار کیے جاتے ہیں اور کیا بھی جانا چاہیے۔ مثال کے طور پر پریم چند کی بعض تحریریں جیسے ''نمک کا داروغہ'' اور ''بڑے گھر کی بیٹی'' وغیرہ میں مقبول عام ادب کی بیشتر صفات موجود ہیں۔ ترقی پسند تحریک کے زیرِ اثر لکھا گیا ادب عام طور پر اعلیٰ ادب کے ضمن میں ہی شمار کیا جاتا ہے لیکن اگر اس کا معروضی جائزہ لیا جائے تو اس کا ایک بڑا حصہ مقبول عام ادب میں رکھا جانے لائق ہے ترقی پسند مقاصد کے لحاظ سے اس میں کوئی برائی بھی نہیں ہے۔

مقبول عام ادب اور اعلیٰ ادب سے متعلق اب تک پیش کی گئی معروضات سے سوال اٹھتا ہے کہ کیا واقعی مقبول عام ادب اور اعلیٰ ادب میں کوئی واضح فرق ہے؟ یا ناقدین نے ایک غیر ضروری تفریق کھینچ رکھی ہے جو کچھ خاص لوگوں کی حمایت کے لیے ہے۔ میرا خیال ہے کہ دونوں ادب الگ الگ ہیں اور دونوں کی منفرد شناخت بھی قائم کی جا سکتی ہے۔ اور مقبول عام ادب کی شعریات بھی ترتیب دی جا سکتی ہے۔ لیکن مقبول عام ادب کی شعریات پر گفتگو کرتے وقت ہمیں بار بار اعلیٰ ادب سے اس کا تقابل کرنا ہوگا۔ اعلیٰ ادب لکھنے والے کے لیے ہی نہیں بلکہ پڑھنے سے لطف اندوز ہونے کے لیے بھی اس کی ایک خاص تربیت درکار ہوتی ہے۔ سماج کا ہر تعلیم یافتہ شخص ادب یا فنون کی اس تربیت سے نہیں گزر پاتا ہے وہ مختلف پیشوں اور گھریلوں ذمہ داریوں میں لگ جاتا ہے اس کے بعد اسے اعلیٰ ادب کی تربیت کا موقع نہیں ملتا۔ اس لیے اسے کچھ ہلکا پھلکا ادب درکار ہوتا ہے اور وہ انھیں سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ ادب سے لطف اندوز ہونے کے لیے تاریخ، تہذیب، استعاروں اور علامتوں سے واقفیت لازمی ہے۔ ان سے واقفیت کے لیے بہت مطالعہ درکار ہوتا ہے جس کے لیے عام آدمی کے پاس وقت نکالنا مشکل ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں شمیم حنفی کا خیال ہے کہ اردو زبان اور اس کے اعلیٰ ادب کے مزاج میں اشرافیت (Sophistication) اور مدنیت (Urbanity) کا اثر زیادہ ہے۔ اس اثر نے جہاں ہماری ایک منفرد تہذیبی شناخت قائم کی ہے اور ہمیں بیش قیمتی تہذیبی و جمالیاتی تجربات سے آشنا کرایا ہے۔ وہیں اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے ہم میں ایک قسم کی لسانی تنگ نظری بھی آگئی

ہے اور ہمارے تجربے محدود و مخصوص ہو گئے ہیں۔ شمیم حنفی کے اس خیال سے اتفاق کرتے ہوئے میں یہ کہنا چاہوں گا کہ اردو میں یہ جو خلا پید ہو گیا ہے اسے مقبول عام ادب کسی حد تک پر کر سکتا ہے۔ آج اکیسویں صدی میں انٹرنیٹ کے زمانے میں جب کہ بہت سی زبانیں ختم ہو رہی ہیں، اردو والوں کو مقبولِ عام ادب کی طرف توجہ دینا لازمی ہو جاتا ہے۔

لیکن اس کا ایک دوسرا پہلا یہ بھی ہے کہ مقبول عام ادب میں پیشہ ورانہ عمل دخل زیادہ ہوتا ہے۔ ہندی کے معروف ناقد پروفیسر مینیجر پاندے مقبول عام ادب کے اس لیے مخالف ہیں کیونکہ مقبول عام تاجروں کے اشاروں پر چلتا ہے۔ اس میں مصنف پبلشر کے اشاروں پر ناچنے لگتا ہے۔ مقبولِ عام ادب میں تاجر دو طرح سے دخیل رہتا ہے۔ ایک تو وقتی طور پر وہ ایسی چیزیں لکھواتا ہے جس سے اسے فوری طور پر منافع ہو، دوم پبلشر اس ادب کے ذریعے عوام میں ایسی فکر کو فروغ دیتے ہیں جو تاجروں کے حق میں ہو۔ جب بڑے تاجر گھرانے بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں تو مقبول عام ادب اور بھی زیادہ مضر ہو جاتا ہے۔

مقبول عام ادب پر بات کرتے وقت سب سے پہلے اس کی خارجی ہیئت اور شناخت کی تشخیص کرنی ہوگی۔ اور کون کون سی اصناف اس ضمن میں آتی ہیں اس پر بات کرنی ہوگی۔ مقبول عام ادب میں بھی کئی شعری و نثری اصناف ہیں وہ کسی ایک صنف تک محدود نہیں ہے بلکہ بیشتر اصناف جو اردو ادب میں رائج ہیں مقبول عام ادب میں بھی ہیں۔ اردو کی شعری اصناف جن میں مقبول عام ادب کثرت سے موجود ہے اس میں غزل، قوالی، چہار بیت، گیت خاص طور سے فلمی گیت مقبول عام ادب میں شامل ہیں۔ آج کل عام طور پر عوامی مشاعروں میں جو شاعری پڑھی جاتی ہے اس سب کو بھی میں اردو کے مقبول عام ادب میں ہی شمار کرتا ہوں۔ فلمی گیت اور عوامی مشاعرے اردو کے مقبول عام ادب کے بہترین مثالیں اور اردو زبان کی قوت ہیں۔ ان دونوں اصناف سے لطف اندوز ہونے کے لیے اردو رسم خط سے بھی واقفیت لازمی نہیں ہے۔ آج اردو زبان جن حالات سے گزر رہی ہے اس میں مشاعرے اور فلمی نغمے (خاص طور سے پرانی فلموں

کے) اس لیے بڑی راحت کی چیزیں ہیں۔ نثر میں بیشتر فکشن کی ہی اصناف ہوتی ہیں خاص طور سے افسانے، ناول، سائنسی فکشن، سری ناول اور سماجی ناول اردو کے مقبول عام ادب کی اہم نثری اصناف ہیں۔ داستانوں کا معاملہ عجیب ہے ان کی بیشتر صفات کی وجہ سے انھیں مقبول عام ادب میں بھی شامل کیا جاسکتا ہے اور اعلیٰ ادب میں تو وہ عہدِ قدیم سے ہی شامل ہیں۔

مقبول عام ادب میں زبان بہت رواں ہونا لازمی ہے اور وہ قاری کے ذہن پر زیادہ زور ڈالے بغیر تیزی سے آگے بڑھ سکے، مقبول عام ادب میں مشکل الفاظ خاص طور سے مختلف علوم وفنون سے متعلق اصطلاحات سے گریز کیا جاتا ہے۔ مشہور برٹش سائنس دان اسٹیفن ہاکنگ (Stephen Hawking) کی کتاب ''وقت کی مختصر تاریخ'' بہت دقیق سائنسی موضوع پر ہے اور اب تک اس کی ایک کروڑ کاپی بک چکی ہیں۔ اس کتاب کے پبلشر نے کہا تھا کہ میں نے مصنف سے درخواست کی تھی کہ ہر اکیوشن اور اصطلاح کے ساتھ بڑی تعداد میں قاری کم ہو جائیں گے۔ اس درخواست کو اسٹیفن ہاکنگ نے قبول کیا اور پوری کتاب میں صرف ایک اکیوشن ہے اور اصطلاحات سے بھی حتیٰ الامکان گریز کیا گیا ہے۔ اسی طرح مقبول عام ادب میں بھی اصطلاحات سے گریز لازمی ہے۔

مقبول عام ادب اور سری ادب:

سری ادب مقبول عام ادب کی ایک شاخ ہے۔ جسے اردو میں ابن صفی نے عروج پر پہنچایا۔ مقبول عام ادب کی بیشتر صفات سری ادب میں بھی موجود ہوتی ہیں لیکن کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو صرف سری ادب پر لاگو کی جاسکتی ہیں انھیں مقبول عام ادب کی عام تعریف کے ضمن میں نہیں لایا جاسکتا۔

سری ادب کی شعریات کی سب سے بنیادی کلید یہ ہوتی ہے کہ پورے ناول کے دوران قاری کے ذہن میں بس ایک سوال گونجتے رہنا چاہیے وہ سوال ہے ''پھر کیا ہوا؟''۔ اگر یہ سوال قاری کے ذہن سے کسی وقت نکل گیا تو ناول کا سارا حسن جاتا رہے گا۔ سری ادب میں بیشتر اوقات

واضح طور پر خیر وشر میں ایک جنگ جاری رہتی ہے۔اس میں واضح طور ایک شخص یا کچھ لوگ ہیرو ہوں گے اور کچھ لوگ ویلین ہوں گے۔اکثر ہیرو تمام اچھائیوں کا مجموعہ ہوتا ہے، وہ جسمانی اعتبار سے خوبصورت ہوگا،اس میں بیشتر انسانی خوبیاں موجود ہوں گی ،وہ اخلاق کا بھی اچھا ہوگا،وہ اپنے گھر خاندان کا بھی خیال رکھتا ہوگا اور سماج کا بھی ،اس میں تمام انسانی صفات موجود ہوں گی۔جب کہ ویلین اس کے بالکل برعکس ہوگا اور اکثر اس میں تمام برائیاں ایک ساتھ موجود ہوں گی۔ان ناولوں میں بیشتر خیر وشر کی جنگ جاری رہتی ہے اور آخر کار حق کی فتح ہوگی اور انسانیت باقی رہے گی۔جب کہ اعلیٰ ادب ان نسخوں میں یقین نہیں کرتا ہے،اس میں ایک ہی انسان خیر وشر کا مجموعہ ہو سکتا ہے،اس میں اچھائی بھی ہوں گی اور برائی بھی وہ مجموعی طور پر انسان نظر آتا ہے۔

سری ادب میں بیانیہ کا بیشتر زور خارجی سطح پر ہورہے واقعات پر ہی ہوتا ہے۔تمام واقعات کردار نگاری اور پلاٹ نگاری خارجی باتوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔یہاں تک کہ موسم کا اثر ،اجزا کا بیان اور کرداروں کی ذہنی کیفیت کی تفصیل بہت کم اور ہلکی پھلکی اور خارجی ہوتی ہیں۔داخلی امور کو سمجھنے کے لیے بھی ایک قسم کی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے،جن کی یہ تربیت نہیں ہوتی وہ لوگ ان داخلی کیفیات اور امور کو مشکل سے سمجھ پاتے ہیں۔جب کہ خارجی باتوں کو بہت آسانی سے سمجھ لیتے ہیں۔دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اگر یہ باتیں تفصیل سے آنے لگتی ہیں تو مقبول عام ادب کی سب سے بنیادی ضرورت یعنی ''پھر کیا ہوا؟'' کا تجسس بھی مجروح ہوتا ہے۔

سری ادب کچھ نسخوں پر مبنی ہوتا ہے اور وہ انھیں کے سہارے آگے بڑھتا ہے۔سری ادب میں ہمیں پہلے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ شعروع میں کچھ واقعات پیش آئیں گے جن میں کچھ سوال پیدا ہوں گے اور انھیں سوالوں کے جواب کی تلاش کرنے میں اس فکشن کا بیشتر بیانیہ ختم ہوگا۔اکثر اوقات کوئی قتل ہوگا اور قاتل کی تلاش ہی ناول کا اہم ترین مقصد ہوگا۔کچھ ناول کسی سماجی مسئلہ پر مبنی ہوتے ہیں اور اس مسئلے کا حل تلاش کرنے میں ہی ناول یا افسانہ صرف ہو جاتا۔اور جب ان مسئلوں،قاتل کی تلاش یا کچھ سوالوں کے حل مل جائیں گے تو ناول یا افسانہ ختم ہوجائے گا اور قاری

پوری طرح سے مطمئن ہو جائیں گے۔اس کے بعد نئے ناول میں نئے مسئلے یا نئے قتل کے ساتھ مصنف سامنے آئے گا۔اس ناول کے ختم ہوتے ہی تمام سوال بھی ختم ہو جاتے ہیں۔

سری ادب میں بھی کردار نگاری موجود ہوتی ہے لیکن ہیرو یا ویلین کے عام تصورات کے دائرے میں رہ کر اس کی خوبیاں یا خامیاں بیان کی جاتی ہیں اور انھیں کے ذریعے ان کی کرداروں کی تشکیل ہوتی ہے۔اس لیے اکثر کردار اسٹیر یوں ٹائپ ہوتے ہیں۔اور بہت کچھ ان کے بارے میں پہلے سے طے ہوتا ہے،ان کو اس دائرے سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہوتی ہے۔

سری ادب زندگی اور اشیا کے بارے میں عام لوگوں کے تصورات کی تسکین کرتا ہے جب کہ اعلیٰ ادب زندگی کے نادر و نئے تجربات واحساسات سے روشناس کرنے میں مصروف سفر رہتا ہے۔سری ادب میں ''پھر کیا ہوا؟'' کا تجسس پورے ناول کے دوران بنا رہتا ہے اور ناول ختم ہوتے ہی ''پھر کیا ہوا؟'' کا تجسس اور زندگی کے سارے سوال جو ناول میں آتے ہیں ختم ہو جاتے ہیں۔جب کہ اعلیٰ ادب میں ناول کے دوران تجسس بہت کم ہوتا ہے بلکہ اس کا زور زندگی کے نادر و نئے تجربات واحساسات سے واقف کرانا ہوتا ہے۔اعلیٰ ادب میں ناول ختم ہونے پر بہت سے سوال غور وفکر کے لیے ذہن میں گونجنے لگتے ہیں۔

سری ادب کے ادیب کو لکھتے وقت بہت سی باتوں سے مفاہمت کرنی پڑتی ہے۔اس کے پیش نظر ہر وقت یہ سوال رہتے ہیں کہ وہ جو لفظ یا زبان استعمال کر رہا ہے کیا لوگ اسے سمجھ پائیں گے؟ یا وہ جو تصورات پیش کر رہا ہے لوگ ان تصورات کو سمجھ پائیں گے؟ یا سمجھ تو لیں گے لیکن انھیں پسند بھی کریں گے یا نہیں؟ اس طرح سری ادب قارئین سے بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے۔جب کہ اعلیٰ ادب کے ادیب کو عام طور پر ان باتوں پر اتنا غور وفکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے وہ آزاد ہوتا ہے اسے اپنے قارئین پر یقین ہوتا ہے۔اور وہ آزادی کے ساتھ اپنی اپنی باتوں کو اپنے اسلوب میں پیش کر سکتا ہے۔سری ادب میں اس بات کا بھی خیال رکھنا ہوتا ہے کہ بیانیہ یا مکالمے میں کس کو کہاں کتنا بولنا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی بات ایسی آجائے جسے ابھی وہ راز رکھنا چاہتا ہے اگر وہ بات عیاں ہوگئی تو ناول کا سارا تجسس خاک میں جائے گا۔

سری ادب میں پیشہ ورانہ عمل دخل زیادہ ہوتا ہے۔ اکثر سری ادب کے ادیب کو اتنی بھی آزادی نہیں ہوتی ہے کہ وہ ناول کو کتنے صفحات میں پیش کرے کیونکہ پبلشر جانتا ہے کہ ناول کتنے صفحات کا ہو تو قاری آرام سے خرید کر پڑھنا چاہیں گے۔ مصنف خود سے ناول کی ضخامت طے نہیں کر سکتا بلکہ بازار کی ضرورت اس معاملے میں بھی اس پر بھاری رہتی ہے۔ مثال کے طور ابن صفی کے سارے ناول ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہوتے تھے اگر اس سے کم یا زیادہ صفحے کو ہو جاتے تھے مدیر اس میں کمی بیشی کر کے اسے ۱۱۲ صفحات کا کر دیتے تھے۔ جب کہ اعلیٰ ادب عام طور پر ان پابندیوں سے آزاد ہوتا ہے۔ اس کے پیش نظر ایک ہی شرط ہوتی ہے کہ وہ جس تجربہ یا احساس کو بیان کر رہا ہے اس میں کتنی صداقت یا کھرا پن ہے؟ اور جس زبان میں اس تجربے یا احساس کو بیان کیا گیا ہے خود اس زبان میں کتنی تازگی ہے؟

سری ادب کسی مخصوص زمانے اور کسی مخصوص جگہ کے قاری کو دھیان میں رکھتے ہوئے لکھا جاتا ہے جب کہ اعلی ادب عام طور پر زمان و مکان کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔ اعلیٰ ادب ہمیشہ کے لیے لکھا جاتا ہے اسے بار بار پڑھا جاتا ہے۔ جب کہ سری ادب ایک بار پڑھے جانے کے بعد اپنی معنویت کھو دیتا ہے۔ اسے بار بار نہیں پڑھا جا سکتا ہے کیونکہ ایک بار ناول مکمل ہونے کے بعد دوبارہ پڑھنے پر ''پھر کیا ہوا؟'' کا سارا جادو ختم ہو جاتا ہے۔

سری ادب اور اعلیٰ ادب کے تقابل کے لیے اعلیٰ ادب میں سب سے اچھی مثال دستوفسکی کے ناول جرم و سزا کی ہے۔ اگر اس ناول کا تقابل ابن صفی کے کسی ناول سے کیا جائے تو فرق بہت آسانی سے واضح ہو جائے گا۔ دستوفسکی کا ناول جرم و سزا بھی ایک قتل اور اس کی تفتیش پر مبنی ہے، جب کہ ابن صفی یا سری ادب کے دوسرے ناول بھی اکثر کسی قتل اور اس کی تفتیش پر ہی مبنی ہوتے ہیں۔ جرم و سزا کا ناول نگار اپنے فن اور قارئین پر اتنا اعتماد رکھتا ہے کہ وہ ناول کے شروع میں ہی نہ صرف قاتل کون ہے بتا دیتا ہے بلکہ اس کے قتل کی پوری تفصیل آنکھو دیکھے حال کی طرح ایک زندہ بیانیہ میں بیان کر دیتا ہے۔ اس کے باوجود بھی وہ تقریباً پانچ سو صفحات تک اس ناول کو

لے جاتا ہے اور ایسی کامیابی کے ساتھ لے جاتا ہے کہ اسے دنیا کے عظیم ناولوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ جب کہ سری ادب کے ناول عام طور پر وہیں ختم ہو جاتے ہیں جہاں پر قاتل کون ہے؟ سوال کا جواب مل جاتا ہے اور اس کے بعد ناول نگار کے لیے اس ناول میں دلچسپی قائم رکھ پانا تقریباً نا ممکن ہو جاتا ہے۔ جرم و سزا کا کمال یہ ہے کہ وہ بتاتا ہے کہ قتل کرتے وقت اور کرنے کے بعد قاتل کی ذہنی کیفیت کیا ہوتی ہے؟ وہ کس ذہنی تناؤ سے گزرتا ہے؟ یا کس کس طرح کی تشکیک اس کے ذہن میں پیدا ہوتی ہیں؟ وہ کبھی بھی نہ خالص ہیرو نظر آتا ہے نہ خالص ولین ہی۔ وہ ایک عام انسان ہے جس میں اچھائیاں بھی ہیں اور برائیاں بھی۔ دستوفسکی کے اس ناول جرم و سزا میں ایک قاتل کی ذہنی کیفیت کو جس تفصیل اور خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے ابنِ صفی کے ڈھائی سو ناول بھی وہ بات پیدا نہیں کر سکے۔

ڈاکٹر رضوان الحق، اسسٹنٹ پروفیسر اردو، این سی ای آر ٹی، ریجنل انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن، بھوپال۔

ابن صفی تنقید اور اردو فکشن

ڈاکٹر ارشاد احمد

ابن صفی کے ناولوں پر تنقید کا باضابطہ اور سنجیدہ آغاز ڈاکٹر خالد جاوید کے طویل تنقیدی مضمون 'ابن صفی: چند معروضات' (2006) سے ہوتا ہے۔ ابن صفی کے ناولوں پر تنقید کا آغاز یوں تو مجنوں گورکھپوری اور ابوالخیر کشفی جیسے نقادوں نے کیا ہے، لیکن کیفیت اور کمیت، ہر دو اعتبار سے، ڈاکٹر خالد جاوید کی تنقید، ابن صفی تنقید میں سنگ میل کی حیثیت کی حامل ہے۔ مذکورہ تنقیدی مضمون کے علاوہ عارف اقبال کی مرتب کردہ کتاب 'ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ' میں شامل متعدد تنقیدی مضامین سے ابن صفی تنقید کا موجودہ منظر نامہ تشکیل پاتا ہے۔ یہ منظر نامہ ابن صفی پر تعارفی اور تعریفی تحریروں سے تیار ابن صفی شناسی کی عمومی فضا سے یکسر مختلف ہے۔

مذکورہ کتاب میں ہمارے فاضل نقاد شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کا ایک خط شامل ہے جس میں فاروقی صاحب نے کتاب کے مرتب کو ابن صفی پر کتاب کی ترتیب کے لیے خرم شفیق اور راشد اشرف کی کتابوں سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے محمد حنیف اور احمد صفی صاحب کے کاموں کا اعتراف بھی کیا ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے جامعہ میں ابن صفی پر خالد جاوید کی نگرانی میں ہو رہی پی ایچ۔ ڈی کا حوالہ بھی دیا ہے۔ ابن صفی کے متعلق ان کا خیال ہے کہ ''ابن صفی ہمارے زمانے کے مقبول ترین ناول نگار تھے اور ابھی ان کی مقبولیت باقی ہے، چاہے پہلے جیسی نہ ہو۔۔۔۔ ابن صفی جیسا زود نویس اور کثیر نویس اردو ادب کی تاریخ میں شاید کوئی نہیں ہے۔'' 1

فاروقی صاحب کے اس اقتباس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابن صفی کو ادب عالیہ کے ادیبوں میں شمار کرتے ہیں ورنہ اُردو کے مقبول عام ادب میں تو محی الدین نواب نے اردو زبان کا طویل ترین ناول 'دیوتا' تصنیف کیا ہے اور ایم اے۔ راحت کے طویل ناول لکھنے کا سلسلہ جاری ہے۔ لیکن فاروقی صاحب کا تنقیدی موقف یہ نہیں ہے بلکہ وہ ابن صفی کا تقابل ادب عالیہ کی معروف ناول نگار قرۃ العین حیدر سے کرتے ہوئے دونوں کو علاحدہ مقام کا حامل تسلیم کرتے ہیں۔ وہ ابن صفی کے مداحوں کے اس شکوے کو غیر ضروری سمجھتے ہیں کہ ابن صفی کا مرتبہ قرۃ العین حیدر سے کم کیوں ہے؟ اس حوالے سے وہ انتظار حسین کے نقطۂ نظر کی موافقت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس باب میں انتظار حسین نے عمدہ بات کہی ہے کہ قرۃ العین حیدر کے چاہنے والوں کو تو یہ شکوہ نہیں کہ ان کے پڑھنے والے ابن صفی کو پڑھنے والوں سے کم ہیں تو ابن صفی کے مداحوں کو شکوہ کیوں ہو کہ لوگ ابن صفی کو قرۃ العین حیدر کے برابر کیوں نہیں سمجھتے جبکہ ابن صفی کے پڑھنے والے قرۃ العین حیدر کے پڑھنے والوں سے بہت زیادہ ہیں۔'' 2

ابن صفی کے ادبی مقام کے تعین میں قرۃ العین حیدر سے موازنہ دراصل 'مقبول عام ادب' اور 'ادب عالیہ' کے ادیبوں کے مابین تقابل کا ہی ایک عنوان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 'اردو فکشن کی تنقید' جیسی اہم کتاب میں بھی ابن صفی کا موازنہ قرۃ العین حیدر سے کرتے ہوئے مذکورہ فرق کو بنیاد بنایا گیا ہے: ''کوئی بھی صاحبِ نظر یک رخی تحریر کو ادب عالیہ میں شمار نہیں کرنا چاہے گا۔ اگر ایسا ہوتا تو ابن صفی اور قرۃ العین حیدر ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے۔'' 3

اس اقتباس سے واضح ہوتا ے کہ اُردو فکشن کی تنقید ابن صفی کے ڈھائی سو ناولوں کو 'ادب عالیہ' میں شامل نہیں کرتی ہے بلکہ 'مقبول عام ادب' کے زمرے میں شمار کرتی ہے۔ اس 'مقبول عام ادب' کے متعلق اُردو فکشن کے معتبر نقاد وارث علوی کی رائے چشم کشا ہے: ''سرسید تحریک نے نیا تعلیم یافتہ طبقہ پیدا کیا جو اشرافیہ طبقے کے مقابلے میں زیادہ باشعور، تعلیم یافتہ اور دانشمند تھا۔ وہ حالی اور شبلی کی تنقید، سوانح اور تاریخ کے پہلو بہ پہلو نذیر احمد، مرزا رسوا اور پریم چند

کے ناول اور افسانے بھی پڑھتا۔ گویا شروع میں ہمارے یہاں ناول اور افسانہ نیم تعلیم یافتہ پست مذاق لوگوں کی تفریح کا ذریعہ تھا کیوں کہ یہ طبقہ ہنوز پیدا نہیں ہوا تھا۔۔۔ تعلیم کے عام ہوتے ہی اس طبقے کی ضرورتوں کے لیے عامیانہ اور مقبول عام ادب بھی پیدا ہونے لگا۔'' 4

مقبول عام ادب کے متعلق ادبی تنقید کے اس رویے پر فکشن کے ممتاز نقاد پروفیسر گوپی چند نارنگ نے گرفت کرتے ہوئے یہ اعتراف کیا ہے کہ ''ابن صفی ہمارے موجودہ فکشن کی تاریخ کا 'غیر' the other ہے جسے حاشیے پر جگہ دی گئی ہے۔'' 5

پروفیسر نارنگ نے اُردو میں داستان کی بازیافت اور داستانی اسلوب میں فکشن کی پیش کش کا سہرا ابن صفی کے سر باندھا ہے۔ مابعد نوآبادیاتی اُردو فکشن، مغربی فکشن کے مقابلے میں اپنی جڑوں کی تلاش کی ایک کوشش کے بطور سامنے آیا ہے۔ نارنگ صاحب نے اس نوع کے فکشن کو داستانی اسلوب کی ایک منفرد بازیافت قرار دیتے ہوئے ابن صفی کو اُردو فکشن کی اس روایت کا بانی قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر خالد جاوید نے 1992ء کے ایک مضمون میں قطعی طور پر تسلیم کیا تھا کہ ''ابن صفی نے دراصل طلسم ہوشربا اور الف لیلہ جیسے عظیم کلاسیکی کارناموں کا Revival کیا ہے۔'' 6

اپنے اس تنقیدی موقف کی توسیع انھوں نے ابن صفی: چند معروضات، والے مضمون میں کی ہے اور زیادہ وضاحت وصراحت سے اس پہلو پر لکھا ہے۔ ان کے مطابق ''ابن صفی نے 'طلسم ہوش ربا'، 'فسانۂ عجائب' اور 'باغ و بہار' جیسی داستانوں کے ساتھ ساتھ اُردو کی مثنویوں خاص طور پر 'گلزار نسیم' وغیرہ کی روایت کو جس ماڈرن انداز میں آگے بڑھایا ہے، وہ ان کا بڑا کارنامہ کہا جا سکتا ہے۔۔۔ ابنِ صفی کے یہاں اُردو کی داستانوں اور مثنویوں کی طرح بولنے والا طوطا، بولنے والا بندر اور دیو پیکر درندہ بھی پایا جاتا ہے اور کھنڈر میں جلتا چراغ گُل کر کے نوٹوں کا پیکٹ غائب کر دینے والا چوہا بھی۔۔۔ کبھی کبھی تو ان پر داستانوں اور مثنویوں کی مثبت پیروڈی کا بھی گمان گذرتا ہے۔'' 7

ابن صفی کے فکشن کے حوالے سے داستانوں خصوصاً طلسم ہوشربا سے مختلف النوع سطح پر مماثلتیں تلاش کرنے کی یہ کوششیں ایک حد تک ابن صفی کے اعترافیہ بیانات کی مرہونِ منت نظر آتی

ہیں۔ ابن صفی نے اپنے متعدد ناولوں کے پیش رس میں اپنے تخلیقی سفر کے آغاز اور اس کے مختلف مراحل کی نشاندہی کی ہے۔ ابن صفی کے یہ بیانات اس لیے دلچسپی اور اہمیت کے حامل ہیں کہ یہ ابن صفی تنقید کی عمومی فضا تیار کرنے میں معاون نظر آتے ہیں۔ جبکہ ابن صفی کے فکشن میں تصویر مختلف نظر آتی ہے۔ عارف اقبال کی مرتبہ کتاب میں راشد اشرف کا مضمون 'ابن صفی کا ادبی مقام: پیش رس کے حوالے سے' شامل ہے جس میں انھوں نے ابن صفی کے اعترافیہ بیانات کو ادبی اہمیت کا حامل قرار دیا ہے۔ اگر ہم ان تمام ناولوں اور افسانوں کو ذہن میں رکھیں اور ان بیانات کا اطلاق ذرا احتیاط ہو کر ان کے فکشن پر کریں تو ان بیانات میں ابن صفی کا تنقیدی شعور بھی سامنے آتا ہے۔

ابن صفی نے ایک پیش رس میں اپنے تخلیقی سفر کے آغاز کے متعلق کئی اہم اور دلچسپ معلومات فراہم کی ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے اپنی اوائل عمری میں طلسم ہوشربا کے اثرات کا ذکر کیا جس کی ساتوں جلدیں سات سال کی عمر میں پڑھ ڈالی تھیں۔ پھر انھیں یاد نہیں کہ کتنی بار ساتوں جلدیں دہرائیں البتہ یہ ضرور یاد رہا کہ اسّی سال کے بوڑھے بھی بچوں کی طرح طلسم ہوشربا میں گم ہو جاتے۔ ان کے گھر میں قدیم داستانوں کے علاوہ ناولوں کے بھی ڈھیر تھے جن کے مطالعے میں وہ ڈوبے رہتے۔ بہرحال نتیجہ یہ ہوا کہ طلسم ہوشربا اور رائیڈر ہیگرڈ کے تاثرات آپس میں گڈمڈ ہو گئے۔ لیکن جب ابن صفی نے لکھنا شروع کیا تو داستانوی فضا کے برعکس یا تو جذباتی کہانی لکھی یا پھر شاعری کی اور طغرل فرغان کے نام سے طنز و مزاح لکھا، لیکن ان کا داستانوں سے کیا لینا؟ یہ صحیح ہے کہ پہلا انشائیہ 'فرار' کا مرکزی کردار ایک بولنے والا گدھا ہے لیکن اسے پڑھ کر کرشن چندر کے ناول 'گدھے کی سرگزشت' کی یاد ذہن میں تازہ ہوتی ہے نہ کہ داستانوں کے ناطق طوطے اور بندروں کی۔ بہرحال ابن صفی کو اب بھی وہ بچہ جس نے طلسم ہوشربا کی ساتوں جلد میں چاٹ ڈالیں تھیں، تنگ کرتا تھا۔ بقول ابن صفی ''کسی طرح بھی میرا پیچھا چھوڑنے پر تیار نہیں تھا۔ شعر کہنے بیٹھتا تو سامنے آ کھڑا ہوتا۔ نثر لکھتے وقت تو قلم ہی پر ہاتھ ڈال دیتا۔ اور پھر میں جھلا کر بس کے پیچھے دوڑ پڑتا۔ اس کا تعاقب کرتا ہوا طلسم ہوشربا کی فضاؤں سے گزرتا اور بالآخر وہ مجھے رائیڈر ہیگرڈ کی غیر فانی 'ہیا' کے دربار میں پہنچا کر نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔'' 8

ابن صفی کے اس بیان کی روشنی میں اگر ان کے ناولوں میں داستانوں کے اثرات تلاش کریں تو ہمیں مایوسی ہوگی۔ ان کا صرف ایک ناول 'اب تک تھی کہاں' مصری اساطیری کہانی کو پیش کرتا ہے اور اس پر رائیڈر ہیگرڈ کے ناول SHE کے براہ راست اثرات نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ ابن صفی کے ناولوں کا ایک مزاحیہ کردار جمن جو ظفر الملک کا ملازم ہے جسے اُردو کے کلاسیکی ادب اور داستانوں کا رسیا بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ یہ کردار بھی ابن صفی نے اپنے ناول پر بننے والی فلم دھماکے کے لیے خلق کیے تھے جو بعد میں ان کے ناولوں کا حصہ بن گئے۔ رہی داستانوں، مثنویوں اور طلسم ہوشربا کے اثرات کی بات تو اُردو داستانوں کی کئی اہم خصوصیات سے ابن صفی کے ناول خالی نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر خالد جاوید نے ابن صفی کے ڈھائی سو ناولوں کو ایک یا دو ناول تسلیم کیا ہے۔ ان کے مطابق ''ابن صفی نے دراصل زندگی بھر ایک ہی ناول لکھا ہے یا شاید دو ناول لکھے ہوں۔ ایک فریدی اور حمید کے کرداروں پر مشتمل اور دوسرا عمران پر۔ ان کی تحریریں دراصل ایک 'مہا کاویہ یا ایک مہا بیانیہ' ہیں جو لگاتار پچیس سال تک قسط وار شائع ہوتا رہا۔ اس 'مہا کاویہ' یا 'مہابیانیہ' کے کردار مستقل نوعیت کے ہیں۔ یہ ناول دراصل ایک بڑے اور طویل ناول کے مختلف ابواب ہیں، جو کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔۔۔ یہ چھوٹے چھوٹے ناول ہیں، انھیں طویل قسم کی کہانیاں بھی کہہ سکتے ہیں جو دراصل ایک لمبے سفر کے مختلف پڑاؤ ہیں۔ اس لیے میں ان ڈھائی سو ناولوں کو ایک 'مہابیانیہ' کے مختلف ابواب کا نام دے رہا ہوں۔'' [9]

اگر ہم اس معروضے کو تسلیم بھی کرلیں تو اُردو داستانوں کی خارجی ہیئت کی نمایاں شناخت یعنی بیان کی غیر محدود طوالت کی حد تک ہم ابن صفی کے ناولوں پر اس کا اطلاق کر سکتے ہیں۔ لیکن دیگر خصوصیات مثلاً ایک قصے سے مربوط دوسرے قصے یعنی قصے در قصے کا تسلسل، داستان کا اسلوب یعنی سامع کے لیے مرکزی کردار کی زبانی داستان کے واقعات کا بیان یا پھر ہیرو کی یقینی کامیابی اور منزل تک رسائی وغیرہ ابن صفی کے ناولوں میں نہیں ملتی ہیں۔ بڑی تعداد میں ایسے ناول ہیں جن میں ابن صفی کے ہیرو فریدی اور عمران کامیاب نہیں ہوتے اور مجرم ہاتھ نہیں

آتے۔ اگر زیرولینڈ کو ہم منزل مقصود تصور کریں تو ظاہر ہے کہ متعدد ناولوں کے مہماتی قصوں میں اس کا پتہ تک نہیں چلتا کہ یہ کہاں ہے۔ زیرولینڈ تک رسائی اور بڑے ویلن جیسے سنگ ہی یا 'ٹی تھری بی' پر کبھی قابو نہیں پایا جاسکا۔ بہر حال خالد جاوید کی یہ بات ابن صفی کے فکشن کے حوالے سے زیادہ قابل قبول ہے کہ ''ابن صفی کے یہاں اُردو یا مشرقی کلاسیکی روایت کو نئے انداز سے ازسرنو دریافت کیا گیا ہے۔'' [10]

ابن صفی کا فکشن داستانوں سے زیادہ 'فسانۂ آزاد' کے قریب ہے اور فریدی اور حمید کے کردار 'فسانۂ آزاد' کے کردار آزاد اور خوجی سے استفادہ نظر آتے ہیں۔ طنز و مزاح اور ثقافت کی پیش کش میں بھی اس کا اثر واضح ہے۔ یہ تو خالد جاوید بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ابن صفی کے یہاں نہ تو مافوق الفطرت عناصر ہیں اور نہ ہی خیالی یا تخیلی دنیا۔ سسپنس اور تجسس بہت کم ہے۔ ان کے مطابق ''یہ سچے اور حقیقی بیانیہ پر مبنی ہیں اور حقیقت نگاری کی اس روایت کی بھی پاسداری کرتی نظر آتی ہیں جو ترقی پسندی کی دین تھی۔'' [11]

ابن صفی نے ایک پیش رس میں برصغیر کی تقسیم اور اس کے نتیجے میں اپنے خوابوں کے شکستہ ہونے اور ذہنی بھونچال کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''1947ء میں جو کچھ ہوا اس نے میری شخصیت کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ سڑکوں پر خون بہہ رہا تھا اور عالمی بھائی چارے کی باتیں کرنے والے سوکھے سہمے اپنی پناہ گاہوں میں دبکے ہوئے تھے۔'' [12]

ابن صفی نے ہجرت بھی کی اور الہٰ آباد سے کراچی منتقل ہوئے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ تقسیم، ہجرت اور فسادات کے موضوعات پر ان کا فکشن خاموش ہے۔ ظاہر ہے یہ ابن صفی کا شعوری اجتناب ہے کیونکہ انھوں نے تقسیم کے فوراً بعد لکھنا شروع کیا اور تین دہائیوں تک لکھتے رہے۔ لیکن انھوں نے برصغیر کے اس عظیم سانحے کا اپنے کسی ناول میں ذکر تک نہیں کیا جس نے اُردو فکشن کو سب سے زیادہ متاثر کیا اور جس پر کثیر تعداد میں ناول اور افسانے تحریر کیے گئے۔ اُردو کے بہترین فکشن نگاروں کی شاہکار تخلیقات ان موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں۔

ابن صفی کا ایک اور معروف بیان ایک پیش رس کا حصہ ہے جس کا حوالہ کثرت سے دیا جاتا ہے۔ جاسوسی ناولوں کی تصنیف کا سبب بیان کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے کہ ''غالباً یہ 1952ء کی بات ہے۔۔۔۔ایک صاحب کہنے لگے کہ جنسی لٹریچر کے علاوہ اور کسی کی مارکیٹ نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ بس اسی دن سے مجھے یہ دُھن ہوگئی کہ کسی طرح جنسی لٹریچر کا سیلاب رکنا چاہیے۔ کافی سوچ و چار کے بعد یہ طے پایا کہ جدید طرز پر جاسوسی ناولوں کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ لہٰذا جاسوسی دنیا کی داغ بیل ڈال دی گئی۔۔۔ جاسوسی دنیا کے اجرا کے تقریباً چھ ماہ بعد ہی ہندو پاکستان میں جاسوسی لٹریچر کا سیلاب آ گیا اور آج میں ان صاحب سے پوچھتا ہوں کہ جنسی لٹریچر کا سیلاب کہاں ہے؟'' 13؎

معلوم نہیں جنسی لٹریچر کے سیلاب سے ابن صفی کی مراد محض مقبول عام ادب کا فکشن ہے یا ادب عالیہ کا فکشن بھی۔ کیونکہ اُردو فکشن میں جنس کے موضوع پر افسانے کا آغاز تو سجاد حیدر یلدرم کے افسانہ ''خارستان وگلستان'' سے ہو چکا تھا۔ پریم چند کا افسانہ 'نئی بیوی'، 'انگارے' کے افسانے اور پھر 1952ء سے قبل شائع ہونے والے منٹو، عصمت، عزیز احمد اور اشک وغیرہ کے افسانے اور ناول تو اردو فکشن میں جنس پر لکھا جانے والے متنازع مگر شاہکار ادب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ بھی دلچسپ ہے کہ جہاں عزیز احمد نے اپنی کتاب 'ترقی پسند ادب' میں منٹو اور عصمت کے جنسی افسانوں پر اعتراض کیا ہے تو وہیں سردار جعفری نے اپنی کتاب ترقی پسند ادب میں عزیز احمد کے جنس زدہ فکشن کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔

ڈاکٹر خالد جاوید نے جنسی معاملات میں ابن صفی کے ناولوں کو پاک کہا ہے۔ راشد اشرف کے مطابق ابن صفی نے جنس کے موضوع پر ایک ناول بے چارہ/ بے چاری، چیلنج کے طور پر لکھا تھا اور یہ ان کا پہلا اور آخری تجربہ تھا۔ 14؎

لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔ ابن صفی نے متعدد ناولوں میں جنس کا موضوع چھیڑا ہے۔ یہ بات دیگر ہے کہ ابن صفی کے یہاں جنس کا موضوع جرائم اور مجرموں کی نفسیات کی تفہیم کے

لیے برتا گیا ہے۔ 'ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ' میں ایک مضمون 'جاسوسی ادب' کے جنس زدہ کردار' میں ابن صفی ناولوں کے حوالے سے ان کے جنس زدہ کرداروں پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ خود راشد اشرف صاحب نے ابن صفی کے ناول 'بے چارہ/ بے چاری' کے پیش رس کو یہ کہہ کر اپنے مضمون کا حصہ بنایا ہے کہ جنس کو موضوع بنانے پر ابن صفی نے خود کا دفاع کرتے ہوئے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ ہمیں منٹو کی یاد دلاتے ہیں۔ ابن صفی لکھتے ہیں: ''جنسیت سے دامن بچانا ناممکن ہے۔ کوئی بھی اس سے کترا کر نکل ہی نہیں سکتا۔ البتہ کچھ مادر پدر آزاد ہو جاتے ہیں اور کچھ کسی قدر ملفوف ہو کر اس کے قریب سے گزرتے ہیں۔۔۔ موضوع کے کچھ اہم ترین تقاضے بھی ہوا کرتے ہیں۔۔۔ موضوع کی مناسبت سے کبھی کبھی اسپ خامہ کی باگیں ڈھیلی چھوڑنی ہی پڑتی ہیں۔'' 15؎

زیرِ بحث کتاب میں ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی صاحب نے ابن صفی کے ایک منفرد ناول 'دشمنوں کا شہر' کا تجرباتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ انھوں نے اُردو فکشن کے معروف نقاد پروفیسر علی احمد فاطمی کے ابن صفی پر کیے گئے ایک اعتراض پر جواب کے بطور یہ مضمون لکھا ہے۔ فاطمی صاحب کا اعتراض ہے کہ ابن صفی نے سماجی نہیں جاسوسی ناول لکھے ہیں۔ عثمانی صاحب کا مشورہ ہے کہ فاطمی صاحب ابن صفی کے ڈھائی سو ناولوں میں سے صرف ایک ناول ''دشمنوں کا شہر'' ایک بار ضرور پڑھ لیں تو شاید اپنی رائے پر نظر ثانی کر سکیں۔ 16؎

عثمانی صاحب نے ابن صفی کو اس بنا پر جدید تر فکشن کا رجحان ساز ادیب تسلیم کیا ہے کیوں کہ انھوں نے اپنے کرداروں کے ذریعہ سیرت کے واقعات، قرآن و احادیث کے بیان حضرت علیؓ کے اقوال وغیرہ سے فکشن کی شروعات کی۔ 17؎

اگر فاطمی صاحب ابن صفی کو محض جاسوسی فکشن نگار تسلیم کرنے پر مصر ہیں تو انھیں اوسلو یونیورسٹی کے شعبہ اُردو کے صدر اور پروفیسر کی اس رائے پر غور کرنا چاہیے کہ ابن صفی انگریزی ادب عالیہ میں شامل جاسوسی فکشن نگار اگاتھا کرسٹی سے بھی کم از کم دو معاملوں میں فوقیت رکھتے ہیں کہ ایک تو ان کی زبان رواں ہے اور دوسری یہ کہ انھوں نے مزاح اور سسپنس کو یکجا کیا ہے جو اور کسی میں نہیں۔ 18؎

اُردو ادب کو شہری اشرافیہ تک محدود سمجھنے والی 'ادب عالیہ' کے تخلیق کاروں اور نقادوں کی وہ نسل جو ابن صفی کے بے مثل فکشن سے زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہوئی، اس نے ابن صفی کے ادبی مقام کو تسلیم کرنے میں جس تجاہل عارفانہ سے کام لیا ہے وہ نا قابل فہم ہے۔ لیکن اکیسویں صدی (جو بقول شخصے فکشن کی صدی ہوگی) میں ابن صفی کے ادبی مقام کے تعین میں جس دلچسپی اور سنجیدگی کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے اس کی سمت و رفتار بڑی حد تک اطمینان بخش ہے۔

آج فکشن تنقید ابن صفی کے فکشن کو مختلف حوالوں سے سمجھ رہی ہے اور اس کے شعریات پر بحث کر رہی ہے۔ اس بحث میں ابن صفی کا موازنہ منٹو، قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین جیسے فکشن نگاروں کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ ہر غالب کسی حالی کا منتظر ہوتا ہے جو ایوان ادب میں اس کی یادگار قائم کرے۔ حالی نقاد ہی نہیں، شاعر بھی تھے یعنی شاعر نقاد تھے، لہٰذا انھوں نے غالب تنقید کا حق ادا کیا۔ ابن صفی ادب میں جس مقام کے مستحق ہیں اس کے تعین کا سہرا جدید عہد کے نقاد ڈاکٹر خالد جاوید جو فکشن نگار بھی ہیں، کے سر جاتا ہے انھوں نے ابن صفی پر نہ صرف یکے بعد دیگرے چار وقیع تنقیدی مضامین لکھے بلکہ ان کے زیر نگرانی جامعہ ملیہ اسلامیہ جیسی دانشگاہ میں ابن صفی پر تحقیقی مقالہ لکھا گیا۔ بلاشبہہ ابن صفی تنقید ہندوستان میں خالد جاوید صاحب کی سنجیدگی اور پاکستان میں راشد اشرف صاحب کی دلچسپی کی وجہ سے متمول ہو رہی ہے۔ اُردو ادب میں ابن صفی کا مقام شاید ہی کسی نقاد کا ذہن اس طرح واضح ہو جیسا ڈاکٹر خالد جاوید کا ہے:

> ''ابن صفی کی تحریروں کو غیر ادبی ماننا دیانت داری کے خلاف ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ابن صفی کے علاوہ اُردو میں دوسرے تمام جاسوسی ناول نگار غیر ادبی لوگ ہیں اور ان کی تحریروں کو کسی بھی طور پر سنجیدہ ادب میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ صرف ابن صفی کو یہ فخر اور انفرادیت حاصل ہے اور یہ سب ان کی شگفتہ انداز تحریر، متوازن کانٹے کے تول جیسی نثر اور کردار نگاری کی وجہ سے ہے''۔19

ہماری ادبی تاریخ اور تنقید کا سفر شعرا کے حالاتِ زندگی اور نمونہ کلام کے حامل تذکروں سے شروع ہو کر مقفیٰ داستانوں کے بعد ادب عالیہ کے ناول اور افسانوں کے ذکر تک دو صدیوں

میں طے ہوا ہے۔ اُردو فکشن کے تئیں اس کی احتیاط اور رفتار کو دیکھتے ہوئے توقع کی جانی چاہیے کہ مقبول عام ادب کے ذیل میں ہی سہی ابن صفی کے فکشن تک اس کی رسائی رواں صدی میں ضرور ہوگی اگر ابن صفی تنقید اس کی رفتار تیز کر سکے۔

1. ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ، مرتبہ محمد عارف اقبال، نئی دہلی 2012، ص82
2. ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ، ص83
3. اُردو فکشن کی تنقید، پروفیسر ارتضیٰ کریم، نئی دہلی، ۱۹۹۶ء، ص448
4. شاعری اور افسانہ، وارث علوی، بحوالہ ماہنامہ علم و ادب، نئی دہلی، جنوری 1999ء، ص35
5. ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ، ص81
6. ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ، ص146
7. ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ، ص233
8. 'بقلم خود' ابن صفی، ص3
9. 'ابن صفی: چند معروضات' 2006ء، ص3
10. ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ، ص4
11. ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ، ص5
12. ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ، ص739
13. ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ، ص16
14. ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ، ص331
15. ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ، ص332
16. ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ، ص597
17. ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ، ص200
18. ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ، ص36
19. ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ، ص146

ڈاکٹر ارشاد احمد' اسسٹنٹ پروفیسر' مرکز برائے اردو زبان' ادب و ثقافت' مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی۔

ابن صفی کی تحریروں میں طنز و مزاح

(جاسوسی ناولوں کے حوالے سے)

ڈاکٹر عزیز احمد عرسی

تمہید:

ابن صفؔی اردو دنیا کا ایک جانا پہچانا نام ہے،ان کی شخصیت کثیر جہتی تھی،ان کا قلم پہلو دار تھا،وہ بنیادی طور پر شاعر تھے لیکن ان کی تہہ دار شخصیت میں کئی خوبیاں چھپی ہوئی تھیں۔ان کی تحریر کی روانی اور جملوں کی برجستگی کا اردو میں جواب ملنا مشکل ہے۔وہ بہترین کہانی کار تھے، اچھے شاعر تھے،بے مثال طنز نگار تھے،خوبصورت ڈرامہ نویس تھے،جاسوسی ان کی فطرت کا خاصہ تھی،معتبر سائنس فکشن رائٹر تھے،سائنسی موضوعات کا باریک بینی سے جائزہ لیتے،آنے والے دور کی ترقیات کو بھانپ کر ان کے متعلق ایک ایسی خوبصورت کہانی تراش لیتے کہ ان کی بیشتر کہانیاں مستقبل میں حقیقت بن کر منصۂ شہود پر وارد ہوئیں جیسے کلوننگ،لیزر بیم،روبوٹ وغیرہ۔ان کی سائنسی گفتگو اس قدر دلچسپ ہوتی کہ وہ کہانی کی ضرورت بن جاتی اور کہانی میں آخیر تک سائنسی تجسس بھی برقرار رہتا۔انہیں درس و تدریس سے دلچسپی تھی،طبیعت میں مہم پسندی تھی،سماج میں قانون کو نافذ کرنا ان کی بہت بڑی خواہش تھی،وہ انسانی فطرت کو بہتر انداز میں سمجھتے تھے اسی لئے ان کے تخلیق کردہ کردار آج بھی زندہ انسانوں کی طرح سماج میں دوڑتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ان کی ذہنی اپج عام انسانوں سے زیادہ تھی اسی لئے ان کی تخلیق کا معیار منفرد نظر آتا ہے،جس دور میں ابن صفؔی نے جاسوسی کہانیاں لکھنا شروع کیں اس دور میں ترجمے کا رواج زیادہ تھا،انہوں

نے بھی فیروزؔ تیرتھ پوری کی طرح ترجمے سے اپنی زندگی کا سفر شروع کیا لیکن مکمل ترجمے کو پسند نہیں کیا اور طبع زاد کہانیوں کی تخلیق کو اپنا نصب العین بنالیا،ان کا پہلا ناول ''دلیر مجرم'' تھا جو Victor Gunn's کی ناول "Ironsides Lone Hand" سے متاثر ہو کر لکھی گئی تھی۔ویسے ابن صفی سے قبل یہ کام ظفرؔ عمر شروع کر چکے تھے لیکن ان کے کردار کو وہ شہرت حاصل نہ ہو سکی۔انہوں نے ڈاکو بہرامؔ کا کردار پیدا کیا جس کو وہ نبھا نہ سکے انہوں نے انگریزی ناولوں کے زیر اثر اس کردار کو ایسے پیش کیا جیسے کوئی انگریز ہے جو پگڑی باندھے جنگل کے راستے چلا آ رہا ہے۔دنیا کی بیشتر زبانوں میں جاسوسی ادب کی شروعات بہت پہلے ہوئی لیکن 1920 اور 1940 کے درمیان جاسوسی ادب کو فروغ ملا،اسی زمانے کو جاسوسی ادب کا سنہرا دور کہا جاسکتا ہے ان میں کچھ مشہور ناول نگار اس طرح ہیں۔کانن ڈائیل، Edgar Wallace، اگاتھا کرسٹی، Erle Stanely Gardener، جیمز ہیڈلی چیز وغیرہ۔اردو میں بھی تقریباً اسی دور میں جاسوسی ناولوں کا آغاز ہوا۔ابن صفی منظر نگاری کے فن سے واقف تھے،ان کا منظر نامہ اپنے اندر ندرت رکھتا تھا۔جیسے ''سورج غروب ہو چکا تھا اور اب افق پر بکھرے ہوئے شوخ رنگوں پر سیاہی غالب آتی جارہی تھی۔جوار کے لہلہاتے ہوئے کھیتوں پر کہرے کی چادر مسلط ہو گئی تھی اب بھی پرندے شور مچا رہے تھے مگر ان کی آوازیں کہیں سے آتی معلوم ہو رہی تھیں۔''(سیاہ پوش لٹیرا)۔علاوہ اس کے ان کے طرز تحریر میں مزاح کی آمیزش ان کے بیانیہ کو ایک عجیب رنگ روپ عطا کر دیتی تھی کہ قاری اس کی گرفت نہیں نکل سکتا۔آرتھر کانن ڈائیل کا شرلاک ہومز ایک سائنسی انداز میں آگے بڑھنے والا کردار ہے جبکہ ابن صفی نے اپنے کردار فریدیؔ اور عمرانؔ کو اخلاق کے راستے سے آگے بڑھایا ہے۔ابن صفی کو غالبؔ اور اقبالؔ بہت زیادہ پسند تھے ان کی اخلاقیات کو پسند کرتے تھے اسی لئے اپنے تمام کرداروں کو انہوں نے صاف ستھرا رکھا،وہ اکثر یہ شعر پڑھتے تھے:

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی

مندرجہ بالا ان تمام خصوصیات کے ساتھ ساتھ ابن صفی کی ذات میں اعلیٰ درجے کے مزاح کی صفت بھی پائی جاتی تھی وہ بہترین ظرافت نگار تھے۔ظرافت کا تعلق ذہن سے ہوتا ہے، یہ ایسی صنف سخن ہے جس میں شوخی بھی ہوتی ہے اور متانت بھی،ظرافت نگار کا ذہن تیز ہوتا ہے وہ دور رس ہوتا ہے وہ دوران تحریر ہنسی اڑانے کے قابل برجستہ اور برمحل نکتہ نکال لیتا ہے۔اور یہی میرے مقالے کا اصل موضوع ہے، یعنی ابن صفی کی ظرافت نگاری۔ابن صفی نے طغرل فرغانی، اسرار ناروی اور سنکی سولجر وغیرہ کے قلمی نام سے تقریباً 150 مزاحیہ مضامین لکھے ہیں لیکن میرا احساس ہے کہ ان کی جاسوسی ناولوں میں جس درجے کا طنز اور مزاح دیکھا جا سکتا ہے وہ ان کے خالص مزاحیہ مضامین میں نہیں آتا۔ایک عربی مقولہ ہے " الملح فی الکلام کاالملح فی الطعام " یعنی کلام میں ظرافت کی وہی اہمیت ہوتی ہے جو کھانے میں نمک کی ہوتی ہے۔اسی لئے دنیا کے مختلف زبانوں کے بیشتر ادباء وشعرا نے اپنے افکار کے اظہار کے لئے مزاحیہ پیرایہ اپنایا۔طنز ومزاح میں تنقید حیات کی گنجائش زیادہ ہے،اسی لئے جب اپنے خیالات کے اظہار کے لئے یہ انداز اپنایا جاتا ہے تو اس میں تلخی ومٹھاس کی ہلکی ہلکی آمیزش دکھائی دیتی ہے اور یہی آمیزش فرد کی ذات سے برائیوں کو دور کرتی ہے اور یہی دراصل طنز نگار کا مقصد ہوتا ہے کیونکہ طنز زندگی اور ماحول سے برہمی کا نتیجہ ہے اور اس مقصد میں ابن صفی بہت حد تک کامیاب نظر آتے ہیں۔جیسے علی عمران کا باڈی گارڈ جوزف ایک مرتبہ کہتا ہے کہ "تم لوگ تو مہذب ہو باس۔۔" تو اس کے جواب میں عمران کہتا ہے کہ "صاف ستھرے کپڑے پہننے اور روزانہ غسل کرنے کی حد تک۔۔۔"(آدھا بیٹر)۔ڈاکٹر وزیر آغا نے اردو ادب میں طنز ومزاح میں لکھا ہے کہ "طنز بنیادی طور پر ایک ایسے باشعور اور دردمند انسان کے ردعمل کا نتیجہ ہے جس کو ماحول کی ناہمواریاں اور بے اعتدالیوں نے تختہ مشق بنالیا ہو۔"

مزاح انسان کے ادراکی تجربات کو بیان کرنے کا وہ رجحان ہے جو کسی کو ہنسنے پر مجبور کردے۔اردو میں اس رجحان کے نمونے ہمیں اولاً غالب کی نثر میں دکھائی دیتے ہیں،اس سے

قبل قدیم داستانوں میں کہیں کہیں ظرافت کے ہلکے پھلکے نمونے نظر آجاتے ہیں لیکن غالب کے ہاں ظرافت کی رنگ آمیزی بلند سطح پر نظر آتی ہیں۔انہوں نے اپنی ذات کو بھی نشانہ بنایا اور اپنے عہد کے بارے میں بھی لکھا کہ اسی لئے غالب اپنی تحریروں میں خود ہی تماشا اور خود ہی تماشائی بنے لطف اٹھاتے نظر آتے ہیں۔شاید یہی وجہ ہوگی کہ کلیم الدین احمد نے غالب کے ظریفانہ کمال کی داد دیتے ہیں۔غالب کا طنز ومزاح کو خوبصورت شعر دیکھیں کہ

کہاں میخانہ کو دروازہ غالب اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

اسی لئے کلیم احمد نے اردو مزاح نگاروں کو مشورہ دیا کہ وہ غالب کو مسلسل پڑھتے رہیں تا کہ ان کے ظرافت کی سطح اونچی ہوسکے۔

کلیم احمد کے علاوہ دوسرے کچھ تنقید نگاروں نے اکبر اور اقبال کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیا ہے۔کیونکہ یہ بھی اردو میں طنز ومزاح کے بڑے شہ سوار گزرے ہیں۔جیسے

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی (اکبر)
خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق (اقبال)

ابن صفی کی برجستہ اور رواں تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے ان شعرا کو بڑی دیر تک اور بڑی دور تک پڑھا ہے اسی لئے ابن صفی کی تحریروں میں ان شعرا کے افکار کی جھلکیاں اور سنجیدہ مزاح کا خوبصورت پرتو نظر آتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہم ابن صفی کی تحریروں میں شعریت کے ساتھ ساتھ خیالات کی پختگی اور افکار کی بالیدگی دیکھ سکتے ہیں۔کوئی تخلیقی ذہن ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔یہ کئی ناول نگاروں سے بہتر زبان لکھتے ہیں۔اسی لئے بابائے اردو عبدالحق کہا کرتے تھے کہ ابن صفی کا اردو پر بڑا احسان ہے۔ابوالخیر کشفی،محمد حسن عسکری،مجنوں گورکھپوری، جون ایلیا، ابراہیم جلیس وغیرہ ان کی تحریر کی تعریف کیا کرتے۔

ایڈورڈ گرین لا کے مطابق ہر وہ چیز جس کا انسانی تہذیب کی تاریخ سے کوئی بھی تعلق ہے ادب میں شامل ہوسکتی ہے یعنی ادب تہذیب کی تاریخ میں بندھا ہوتا ہے اور اس کا تاریخی تہذیب سے ایک اہم رشتہ پیدا ہوجاتا ہے بلکہ یہ دونوں تقریباً ایک ہی ہوجاتے ہیں۔ (Theory of Literature- Werrn and Wellek Page-9-10) ادب دراصل زندگی اور تہذیب کا عکاس ہوتا ہے، ادب انسانی زندگی کی ایسی تصویر ہے جس میں انسانی جذبات واحساسات کے علاوہ مشاہدات، تجربات اور خیالات کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ اگر ہم ان کے فلسفیانہ اور عارفانہ جملوں کو زیر بحث نہ بھی لائیں تو ان کے طنز کے نشتر لئے اعلیٰ مذاق کے حامل جملے بھی انہیں مقبول ادب سے کھینچ کر ادب عالیہ کی صف میں لئے آتے نظر آتے ہیں، اسی لئے پریم چند نے کہا تھا کہ ''اعلیٰ مذاق کا ناول انسان کی عادت پر اس سے بدرجہا زیادہ اخلاقی اثر پیدا کرتا ہے جتنا کہ فلسفیانہ، مورخانہ یا شاعرانہ تصنیف کرسکتی ہے۔'' یہی اعلیٰ مذاق ہمیں ابن صفی کی کتب کے ورق ورق سے ٹپکتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ باتوں باتوں میں ادب، نفسیات، سماجیات، تہذیب اور فلسفوں کے حوالوں سے دانش کے موتی بکھیرتے جاتے تھے، کسی نے کہا تھا کہ علم و دانش کی بنیاد ''حیرت'' ہے لیکن یہ حیرت کائنات کے علم، سائنسی انکشافات اور اور روحانی تجربات تک محدود نہیں بلکہ روزمرہ زندگی میں بھی اس کے بے شمار مظاہر موجود ہیں۔ یہ مظاہر ہمیں ان کی جاسوسی کہانیوں میں کئی جگہ نظر آجاتے ہیں اور علم و دانش کی بنیاد ''حیرت'' بھی ہے جو ان کی کہانیوں میں قدم بہ قدم چلتی نظر آتی ہے۔ چونکہ ہمیں ابن صفی کی تحریروں میں انسانی تہذیب کے تانے بانوں میں جکڑی مشاہدات و تجربات کی کئی تاریخی جھلکیاں نظر آجاتی ہیں، اسی لئے ہم ان کی تخلیقات کے کچھ حصوں کو ادب میں شامل کرسکتے ہیں۔ اسی لئے کسی شاعر نے کہا تھا کہ ؎

اے ناقدان عیب و ہنر احتیاط سے
میری متاع عیب ہی جنس ہنر نہ ہو

ابن صفی 1928 میں پیدا ہوئے اور 1980 میں ان کا انتقال ہوا۔ انہوں نے اپنے تمام ناول 1955 سے 1980 کے درمیان لکھے ہیں۔ رئیس امروہی نے ابن صفی کی موت کے بعد

یہ خیال ظاہر کیا کہ جب تک مرحوم زندہ تھے ہم سمجھتے کہ ہم ان سے بے نیاز ہیں لیکن محسوس ہوتا ہے کہ ہم کس بے شرمی اور سنگ دلی سے اپنے ایک باکمال ہم عصر کو نظر انداز کر رکھا تھا۔

ابن صفی تحریریں سنسنی خیز نہیں ہوتی اور انہیں ادب میں شامل نہیں کیا جاسکتا بلکہ ابن صفی کی تحریریں اپنے اندر کچھ اور ہی تیور رکھتی ہیں کہ ان کا تجزیہ آسان نہیں۔ جملوں کی چستی میں ابن صفی کا درجہ میرے نزدیک منٹو کے بعد ہے کہ ان دونوں کے درمیان مجھے کوئی تیسرا کھڑا نظر نہیں آتا، اسی لئے ان کی تحریریں عارضی نہیں ہوتیں بلکہ دیرپا اثر رکھتی ہیں اور برسہابرس سے مقبول عام ہیں جو خود اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ عام جاسوسی ادب سے کچھ الگ ہے۔ مجھے ان کی ناول ''آدھا تیتر'' کا ایک جملہ آج بھی یاد ہے کہ ''تم جو بھی کہو گے میں اس پر یقین کرلوں گا میں تو صرف ایک تماشائی ہوں، محبت اور نفرت کا حق مجھ سے چھین لیا گیا ہے۔''، ''میں صرف کام کرتا ہوں محبت یا نفرت کرنا میرا مسلک نہیں ہے، بالکل اس درخت کی طرح جو صرف پھل دیتا ہے، پھل توڑنے والے پر پتھر نہیں چلاتا۔'' (آدھا تیتر) علاوہ اس کے ان کی ایک اور ناول کا جملہ بھی میرے حافظے میں محفوظ ہے کہ ''آدمی سنجیدہ ہوکر کیا کرے جب کہ وہ جانتا ہے کہ ایک دن اسے اپنی تمام تر سنجیدگی کے ساتھ دفن ہونا ہے۔'' (کالی تصویر۔ 1957)۔ آدمی کتنا پیاسا ہے۔ تم اسے پیاسا سمندر بھی کہہ سکتی ہو جو پانی ہی پانی رکھنے کے باوجود ازل سے پیاسا ہے۔ اور اس وقت تک پیاسا ہی رہے گا جب تک کہ اسے اپنا عرفان نہ ہوجائے۔ لیکن اس میں ہزار ہا سال لگیں گے ابھی تو وہ بچوں کی طرح گھٹنوں چل رہا ہے۔ ابھی تو وہ چاند میں جانے کی باتیں کرتا ہے اس کی ذہنیت اور سمجھ بوجھ اس بچے سے زیادہ نہیں ہے جو ماں کی گود میں چاند کے لئے مچلتا ہے۔ چاند کا سفر آدمیت کی معراج نہیں ہے چاند کی باتیں تو ایسی ہی ہیں جیسے کوئی اپنے اصل کام سے اکتا جائے اور بیٹھ کر گنگنانا شروع کردے۔'' (پیاسا سمندر، 1958)

''جب کوئی ذہین اور تعلیم یافتہ آدمی مسلسل ناکامیوں سے تنگ آجاتا ہے تو اس کی ساری شخصیت صبر کی تلخیوں میں ڈوب جاتی ہے۔'' (موت کی آندھی)۔ ''میں جانتا ہوں کہ

حکومتوں سے سرزد ہونے والے جرائم، جرائم نہیں حکمت عملی کہلاتے ہیں، جرم تو صرف وہ ہے جو انفرادی حیثیت سے کیا جائے۔" (جونک کی واپسی)

میں سمجھتا ہوں کہ ابن صفی کی ناولوں میں اس جیسے نجانے کتنے جملے ہوں گے جو ان کتابوں کو بار بار پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ کیا یہ ادبیت نہیں۔

یہاں میرے ذہن میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ کیا یہ تحریر صرف مقبول عام ادب کی تحریر ہے۔ کیا اس میں ادبیت نہیں جو ان جملوں کو بار بار پڑھنے پر مائل کردیں، جب ہندی کے ایک مشہور ادیب سے پوچھا گیا کہ ادب عالیہ کی کیا تعریف ہے تو انہوں نے بتایا کہ وہ ادب جس کو بار بار پڑھا جائے۔ یہ کبھی ہیبت ناک اور دہشت انگیز ناول نہیں لکھتے کہ یہ ان کے منشا کے خلاف ہے کیونکہ وہ سماج میں محبت بانٹنا چاہتے ہیں انہیں زندگی کے آداب سکھانا چاہتے ہیں ان میں اپنے جملوں سے جمالیاتی لطف پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں قانون کا صحیح شعور پیدا کرنا چاہتے ہیں، اپنے لہجے کی متانت سے دلوں کو جوڑنا چاہتے ہیں، ناکردہ گناہوں کی سزا پانے والوں کی حمایت کے لئے اٹھ کھڑا ہونا چاہتے ہیں۔ اسی لئے ان کی ناولوں میں تجسس اور سسپنس کا عنصر کم نظر آتا ہے۔

ابن صفؔی کی کتابوں کے پڑھنے والوں میں ہمیں بلا مبالغہ سماج کے ہر طبقے کا آدمی نظر آتا ہے خواہ وہ نوبل انعام یافتہ ہو یا گھریلو خواتین ہوں یا شہر کی بھری سڑکوں پر رکشہ کھینچنے والا مظلوم انسان۔ اسی لئے ہمیں ان کی کتابیں کتب خانوں کی شیلفس میں نہیں بلکہ لوگوں کے تکیوں کے نیچے دکھائی دیتی تھیں، نجانے کتنوں نے محض اسی لئے اردو سیکھی ہے کہ وہ ابن صفی کی ناولوں کو پڑھ سکیں، جس میں میرا مرحوم دوست مرزا یوسف حسین بھی شامل ہے، دوست احباب مل جائیں تو ہم آج بھی گھنٹوں ابن صفی پر گفتگو کرتے ہیں، ان کے کردار کی خوبیاں بتاتے ہیں اور اشاروں کنایوں میں مقابل کو اپنی بات سمجھانے کے لئے ابن صفی کی مثالوں کو استعمال کرتے ہیں اور ان کی کتاب کے کئی حوالوں سے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہیں۔ کسی کو نصیحت کرنی ہوتی تو ان کی کتابوں کے اقوال کو استعمال کرتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمیں آج جو اردو لکھنا پڑھنا آتا ہے وہ ان ہی کتابوں

کی دین ہے۔ ہمارے طالب علمی کے ابتدائی زمانے تک ان کی نئی کتاب کے بازار میں آنے کا دنوں انتظار کرتے، کئی افراد مل جل کر پڑھتے، میرا خیال ہے کہ اس دور میں سوائے ابن صفی کے کوئی کتاب ایسی نہیں تھی جس کو مل جل کر پڑھا جاسکے۔ صاف ستھری کتاب اور دلچسپ اسقدر کہ کوئی دوسری کتاب اس کا مقابلہ نہ کرسکے، گھر کے تمام لوگ ایک ساتھ بیٹھ کر پڑھ لیں کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر کسی کو کتاب مل جائے تو وہ اس وقت تک دوسروں کے حوالے نہیں کرتا جب تک کہ پوری طرح پڑھ نہ لے۔ ایسی خصوصیت میں نے کسی دوسری کتاب یا مصنف میں نہیں دیکھی۔ میں نے ان کے کرداروں کے جتنی شہرت کسی دوسرے مصنف کے کرداروں میں نہیں دیکھی اور نہ ہی ایک مصنف کے پیدا کردہ کرداروں پر اس قدر آزادانہ لکھتے دیکھا جتنا ابن صفی کے کرداروں پر لکھا جاتا رہا ہے۔ اسی لئے اردو ناقدین سے ہٹ تمام لوگ انہیں اردو دنیا کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا ناول نگار کہتے ہیں۔

اردو کے بیشتر قلمکاروں کی طرح ابن صفؔی باہمت قلم کار تھا اسی لئے انہوں نے اپنے زمانے کی تحریری روایات سے بغاوت کرتے ہوئے صاف ستھرے مجلّا طرز بیان کو اپنایا حالانکہ اُس دور میں ساری دنیا جنسی ادب کے شکنجے میں پھنستی جارہی تھی۔ یہی ان کی خوبی ہے کہ مقبول عام ادب کی تخلیق انجام دی لیکن کوئی ایسا کمزور زاویہ نہیں اپنایا جو انہیں خود اپنے کئے پر شرمندہ کرے۔ ان کی تخلیقی صلاحیت اور جدت پسندی کا ذکر کرتے ہوئے مشہور جاسوسی ناول نگار اگاتھا کرسٹؔی نے کہا تھا کہ "مجھے اردو نہیں آتی لیکن برصغیر کے جاسوسی لٹریچر سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتی ہوں۔ صرف ایک اوریجنل رائٹر ابن صفؔی ہے اور سب اس کے نقال ہیں، کسی نے بھی ان سے ہٹ کر نئی راہ نہیں نکالی۔" (سہیل اقبالؔ۔ الف لیلیٰ ڈائجسٹ جولائی 1972ء)۔ انہیں دنیا میں بڑی شہرت حاصل ہوئی، ادب عالیہ کو تخلیق کرنے والے دانشوران بھی انہیں پڑھتے تھے اور تعریف کرتے تھے۔ علی سفیان آفاقؔی نے لکھا ہے کہ نوعمری میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے ابن صفی کے ناول نہ پڑھے ہوں۔ ہم ان کے ناول کتابوں میں رکھ کر چوری چوری پڑھتے تھے، یہ اپنے ساتھ ایک نیا انداز نئے کردار و اسلوب لے کر آئے تھے۔ (سرگذشت 2004)

ابن صفی کی تحریر نئے دور کے تمام تر لوازمات سے ہم آھنگ تھی اسی لئے ان کی تحریر میں ہمیں دور حاضر کی تمام عصری حسیات اور جدیدیت کے بیشتر معیارات نظر آتے ہیں، انہوں نے مقبول ادب تخلیق کیا اسی لئے ان کی تحریر موجودہ صنعتی دور کے تقاضوں کو بھی بہت حد تک پورا کرتی دکھائی دیتی ہے۔ انہوں نے اپنی طرز تحریر کو اس حد تک اونچا کیا ہے کہ مقبول ادب ہونے کے باوجود آج کا ناقد ان کی تحریر میں انسانی زندگی کی سچائیاں اور اس کی قدری باریکیاں تلاش کرتا نظر آتا ہے۔ ان کی تحریروں کے بعض اقتباسات ادب عالیہ کی تحریروں کی طرح زندگی کے کئی ایک مسائل کو حل کرتی نظر آتی ہیں۔ آج کا اردو طبقہ ان کی تحریروں کی چاشنی اور طرز تحریر کی لازوال شہرت کا معترف نظر آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں ان کی تحریروں میں زندگی کی حقیقتوں سے ہم آہنگ رومانیت، زندگی کو زندگی کے قالب میں ڈھالنے والا مزاح اور زندگی کے مسائل کو حل کرنے والا تجسس دکھائی دیتا ہے۔ ابن صفی کی تحریریں جس دور میں عام ہونی شروع ہوئیں وہ ساری دنیا میں مشکلات کا دور تھا، ہر شخص خواہ وہ سماج کے عام طبقے سے تعلق رکھتا ہو یا اس کا شمار خواص میں کیا جاتا ہو، زندگی کے مسائل سے راہ فرار اختیار کرنا چاہتا تھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس دور کے بیشتر افراد ہلکے پھلکے ادب کی طرف مائل ہوئے، ہلکا پھلکا ادب یعنی ایسا ادب جو انسان کی زندگی میں زندگی کی تلخ حقیقتوں کو گھول کر مزید تلخ نہ بنادے بلکہ انسانی وجود کو تصوراتی دنیا کی نیرنگیوں میں پرواز کرواتی ہوئی زندگی کی حقیقتوں سے آگاہ کروائے اور ان کے حل کا ہنستا کھیلتا طریقہ ڈھونڈ نکالے۔

ابن صفی کے تخلیق کردہ مزاحیہ کردار:

علی عمران: ابن صفی نے اپنے ناولوں میں کئی ایک کردار پیدا کئے جیسے احمد کمال فریدی، عمران، حمید وغیرہ، چند ایک کو چھوڑ کر اکثر کردار اپنے اندر حس مزاح رکھتے ہیں ان میں چیونگم کھا کر کنفیوشس کے اقوال سناتا سب سے انوکھا اور اہم ترین کردار علی عمران ہے جو ابن صفی کی بڑی کامیابی ہے، یہ کردار اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود خود سرتا پا مزاحیہ لبادہ اوڑھے نظر آتا ہے، ''خونی فنکار'' میں عمران کا حلیہ بتاتے ہوئے ابن صفی مصور کی زبان میں لکھتے ہیں کہ ''صورت ہی

سے اول درجے کے بے وقوف نظر آتے ہو، اتنا غماز چہرہ میں نے آج تک نہیں دیکھا۔'' عمران کی رگوں میں چنگیزی خون دوڑ رہا ہے لیکن عمران کی ذات میں غصہ بالکل نہیں ہے خود عمران کا کہنا ہے کہ چنگیز کا خون مجھ تک پہنچتے پہنچتے کافی ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ خالد جاوید کے مطابق علی عمران کا کردار ابن صفی کی پیچیدہ اور تہہ دار تخلیقیت کی سب سے بڑی مثال ہے۔ علی عمران کو دیکھ کر ہمیں شیکسپیر کے ڈرامے "As you like it" کا ''جیک'' یاد آجاتا ہے جو ایک مسخرے کا سوانگ بھرتا ہے، بظاہر اس کی باتیں مہمل نظر آتی ہیں لیکن بالکل درست ہوتی ہیں، وہ اپنی حماقتوں کو ٹٹی کے آڑ کی طرح استعمال کرتا ہے اور ان کے اظہار کے لئے اپنی ذہانت کو بروئے کار لاتا ہے۔ وہ کہتا ہے ''کاش۔ میں احمق ہوتا'' "O that I were a fool" یعنی وہ خود احمق بن کر دنیا کی حماقتوں کو دور کرنا چاہتا ہے۔ عمران کا فلسفہ حیات ''حماقت'' کے گرد گھومتا ہے لیکن اس فلسفے میں حماقت روایتی معنوں میں نہیں دکھائی دیتی بلکہ سچائی اور معصومیت بن کر ہر وجود پر چھا جاتی ہے۔ اس کا مسخرا پن اس کی اخلاقی اقدار کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس کی لاپرواہی اس کی بہادری ہے، دوسروں سے ذلیل ہونا کسر نفسی کی اعلیٰ مثال ہے، اس کی احمقانہ حرکات اور لاابالی پن اس کی فرض شناسی کی دلیل ہیں اور اس کا لوگوں کے ہاتھوں بے وقوف بننا عقلمندی کی انتہا ہے، بہر حال اس کی ہر بے معنی حرکت میں معنوں کا ایک سمندر پنہاں ہے کہ یہی نہج اس کے زندگی کا عرفان حاصل کرنے کا معنی خیز طریقہ ہے۔

ابن صفی اپنی ناول ''پیاسا سمندر'' میں رقمطراز ہیں کہ ''ویسے اسے اچھی طرح سمجھ لو کہ آدمیت کی معراج صرف حماقت ہے۔ میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ آدمی کو ابھی اپنا عرفان نہیں ہوا، جس دن بھی ہوگا وہ احمق ہو جائے گا اور یہی اس کی معراج کہلائے گی۔ (پیاسا سمندر، 1958)

مزاح کا تعلق جذبات سے ہے اس کا شکار حماقت ہے فرائیڈ نے اسے Sense in nonsence سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی بے تکی بات میں تک کی بات کرنا۔ یعنی مزاح نگار کسی چیز کو اتنے دلچسپ انداز میں پیش کرتا ہے کہ قاری کو بے اختیار ہنسی آجاتی ہے یا وہ کم از کم مسکرا ضرور دیتا ہے۔

جیسے ’’کیا آپ نے بچوں کے لئے کہانیاں لکھی ہیں؟ نواب نے پوچھا۔ ’’نہیں جناب یہ وہ کتاب ہے جو دنیائے ادب میں تہلکہ مچادے گی۔‘‘ ’’چڑیا چڑے کی کہانی‘‘ نواب نے حقارت سے کہا۔ ’’آہا۔ آپ نہیں سمجھے، یہ تمثیلی کہانیاں ہیں جناب، چڑیا سے مراد ہے اپنا ملک اور چڑے کو وزیر اعظم سمجھ لیجیے۔ جس طرح چڑا چڑیا کے لئے بے تاب ہے اسی طرح وزیر اعظم ملک کی حالت سدھارنے کے لئے بے چین ہیں اور انڈے بچے ہم لوگ ہیں، ’’کیا بکواس ہے‘‘۔ ارے واہ بکواس اس لئے ہے کہ نثر میں ہے اگر میں اس خیال کو نظم کیا ہوتا تو مشاعرے الٹ جاتے جناب۔‘‘ (پاگل کتے، 1958)

ابن صفی نے علی عمران کی زبان سے ایسی خوبصورت اور معنی خیز باتیں کہلوائی ہیں جو قاری کو تحیر کے سمندر میں غرق کردیتا ہے۔ جیسے ’’جب ایک آدمی پاگل ہوجاتا ہے تو اسے پاگل خانے میں بند کردیتے ہیں اور جب پوری قوم پاگل ہوجاتی ہے تو طاقت ور کہلانے لگتی ہے۔‘‘
(انوکھے رقاص، 1957)

’’بے چارہ امریکہ مفت میں بدنام ہے۔ اسپورٹس اور اولمپک کے نام پر عورت کا ننگا پن عالمی تہذیب بن چکا ہے۔‘‘ (ہلاکت خیز)

ابن صفی کا سنجیدہ مزاح کی مثال ملاحظہ کیجیے۔

> ’’صاحب زادے ادبی ذوق رکھتے تھے، ذہین بھی تھے اسی لئے جارحیت پسندی نے انہیں نقاد بنادیا تھا۔ ایسے دھواں دھار تنقیدی مضامین لکھتے کہ اچھے اچھوں کی پیشانیاں بھیگ جاتیں۔ اکثر پڑھے لکھے لوگ شیخ صاحب سے کہتے کہ ’’لونڈا تمہارا قابل ضرور ہے لیکن اسے قابو میں رکھو۔ ارے وہ تو میر و غالب کے منہ آنے کی کوشش کرتا ہے کبھی مصحفی کے گریباں پر ہاتھ ڈالتا ہے اور کبھی حالی کا مفلر گھسیٹ لیتا ہے۔ یہ باتیں شیخ صاحب کے پلے نہیں پڑتیں پھر بھی اخلاقاً کہتے ’’جی میں سمجھادوں گا ان لوگوں سے کہیے کہ بچہ سمجھ کر معاف کردیں، آئندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔‘‘

(پاگلوں کی انجمن، 1970)

ساجد حمید: ساجد حمید کا کردار بھی ابن صفی کی ایک خوبصورت تخلیق ہے جو ایک عام آدمی کی طرح مافوق الفطرت صلاحیتوں سے مبرا ہے، حمید کے لئے ابن صفی نے خوبصورت اور سحر انگیز ماحول نہایت فنکارانہ انداز میں تخلیق کیا ہے۔ یہی وہ ماحول ہے جس میں وہ حمید کی زبان کو کھول دیتے ہیں اکثر زبان دان اپنی انگلیوں کو دانتوں میں داب لیتے ہیں، ابن صفی نے حمید کے کردار کی نشونما اس انداز سے کی ہے کہ مشکل سے مشکل ماحول میں بھی اس کی بذلہ سنجی برقرار رہتی ہے جو ابن صفی کے قلم کا کمال ہے، علاوہ اس کے ابن صفی کی ایک اور خصوصیت اپنے دو عظیم کرداروں کے مزاح کی نوعیت کو مختلف رکھنا ہے۔ یعنی وہ علی عمران کے لئے علاحدہ انداز کا مزاح تخلیق کرتے ہیں اور حمید کے لئے عمران کے مزاح کی کیفیت سے یکسر مختلف ماحول پیدا کرتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ دو کردار کسی ایک مصنف کی تخلیق نہیں بلکہ دو مختلف مصنفین نے انہیں پیدا کیا ہے۔ ابن صفی کے قلم کی خوبی یہ ہے کہ یہ دونوں ہی کردار اپنی جگہ مکمل اور خامیوں سے پاک اور خوبصورتی طاق۔ ناول ’’اونچا شکار‘‘ میں جب حمید نے ایک لڑکی سے کہا کہ ’’میں شراب سے نفرت کرتا ہوں‘‘ تو اس لڑکی نے جواب دیا کہ ’’ارے جاؤ مجھے بے وقوف نہ بناؤ، کیا تم کوئی نیک اور پارسا آدمی ہو۔‘‘ تب حمید نے کہا کہ ’’عورت اور شراب کی حد تک یقیناً بڑا پارسا ہوں۔‘‘ (اونچا شکار)۔ کبھی کبھی ابن صفی کرنل فریدی کی زبان میں حمید کو نصیحت بھی کرتے ہیں جیسے ’’حمید صاحب وہ بڑی عظیم عورت ہے اگر اپنے سینڈل کا سایہ بھی تمہارے سر پر ڈال دے تو تم فرشتہ ہوجاؤ۔‘‘
(سیاہ پوش لٹیرا)

حمید کے جملوں کی برجستگی اور چستی سے ابن صفی نے کئی ایک جگہ مزاح پیدا کیا ہے۔ جیسے ’’کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں‘‘ حمید چڑ گیا۔ ’’اگر بولیں بھی تو میرا کیا بگڑے گا‘‘ بوڑھے نے برا سا منہ بنا کر خشک لہجے میں کہا۔ اور حمید خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ (گارڈ کا اغوا)

ابن صفی نے حمید کی زبان سے خوبصورت جملے کہلوائے ہیں جو اپنے اندر معنی خیز احساس رکھتے ہیں ’’میرے خدا‘‘ حمید بڑبڑایا۔ ’’یہ چاندنی کا دھواں ہے یا اندھیرے کی داڑھی۔
(چاندنی کا دھواں، 1958)

حمید کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کی روانی اور دلکشی ملاحظہ فرمائیے ’’اس کا ذہن کسی بچے کی طرح چیخ پڑا۔معمولات زندگی کی یکسانیت بغیر کمائے ہوئے چمڑے کے جوتے کی طرح تکلیف دہ ہوگئی تھی۔تو پھر شاید یہ تبدیلی ۔۔۔؟ دفعتاً ایک بے ساختہ قسم کی مسکراہٹ اس کے چہرے کو دمکا گئی۔ اور وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا کہ کہیں کسی نے اس طرح خواہ مخواہ مسکراتے تو نہیں دیکھ لیا‘‘۔ (رلانے والی،1967)

ابن صفی نے حمید کی دلچسپ شخصیت میں مزید نیرنگی پیدا کرنے کے لئے دو جانوروں کے کردار بھی تخلیق کئے۔ یہ ندرت آمیز کردار قاری کو عرصہ دراز تک یاد رہتے ہیں۔ جیسے بغراخان جس کو ’’اندھیرے کا شہنشاہ‘‘ اور چوہیا جس کو ’’خطرناک دشمن‘‘ اور ’’جنگل کی آگ‘‘ میں بیان کیا گیا۔حمید کی مکمل کہانی کو ابن صفی نے ’’ٹھنڈی آگ‘‘ میں بیان کیا ہے۔

علی عمرانؔ اور ساجد حمید کے علاوہ قاسمؔ ،سلیمانؔ، جوزفؔ وغیرہ بھی ابن صفی کی تحریروں میں مزاح پیدا کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ ابن صفی کے اس قدر محنت سے تراشے ہوئے کردار ہیں جن پر مفصل مضامین لکھے جاسکتے ہیں۔

ہر ایک کی فطرت علاحدہ، ہر ایک زبان مختلف۔ قاسم ،حمید کے ساتھ گلکاریاں کرتا نظر آتا ہے۔قاسم کا کردار بھی عجیب وغریب ہے،بقول ابن صفی اس کی جسم کی نشونما کے سلسلے میں بے چاری عقل غذا بنتی رہی اور اخیر میں جسم ہی جسم رہ گیا عقل صاف ہوگئی۔اسی لئے وہ دوران گفتگو ضمنیات میں الجھ جاتا۔قاسم کو ’’برف کے بھوت‘‘ میں پہلی مرتبہ بیان کیا گیا،اور حمید سے اس کی ملاقات ’’زہریلا آدمی‘‘ میں ہوئی۔حمید میں مزاح کی حس بہت زیادہ ہے جب کہ قاسم اس کے بالکل برعکس ہے۔قاسم شادی شدہ ہے لیکن اس کا جوڑ نہایت نازک ہے گویا پہاڑ اور گلہری کا پیوند ہے۔عام لوگوں سے زیادہ کھانے والے قاسم کی بعض محرومیوں کے باعث ابن صفی نے اس کی زبان کو قدرے کھردرا بنادیا ہے۔ قاسم کے کردار کو ابن صفی نے بہت خوبصورتی سے نبھایا ہے۔اسٹیفنؔ لیکاک مزاح کے متعلق کہتا ہے کہ ’’یہ زندگی کی ناہمواریوں کی اس ہمدردانہ شعور کا نام ہے جس کا فنکارانہ اظہار ہوجائے۔‘‘اس کی بہترین مثال استاد محبوب نرالے اور قاسمؔ ہے۔

عمران کے نوکر سلیمان کا کردار بھی بڑا دلچسپ ہے جس کے ہاتھوں الو بن کر عمران بہت خوش ہوتا ہے،عمران کا باڈی گارڈ جوزفؔ ،سلیمان کے ساتھ اپنی شکستہ زبان میں ہنسی کے فوارے لٹاتا دکھائی دیتا ہے۔ان کے علاوہ ابن صفی نے کچھ سنجیدہ کردار بھی پیدا کئے جیسے انور، رشیدہ،آصف، ایرج عقرب، نیلم،جگدیش، ریکھا، سر سلطان ، رحمان،ثریا، ایکسٹو کی پوری ٹیم جیسے جولیا،صفدر،نعمانی،تنویر وغیرہ،جو ہمیں گلی کے کسی نہ کسی نکڑ پر چلتے پھرتے نظر آجاتے ہیں۔

کچھ مجرموں کے کردار بھی ابن صفی کے مشاق قلم کے شہکار ہیں جن میں کچھ اپنے اندر مزاح کی حس بھی رکھتے ہیں۔ جیسے سنگ ہی (نیلی لکیر)،تھریسیا (الفانسے)، فنچ (چمکیلا غبار)، ھمبگ دی گریٹ (ڈیڑھ متوالے)، نانوتہ (چاندنی کا دھواں)، ڈاکٹر ڈریڈ (زہریلے تیر)، جیرالڈ شاستری (موت کی چٹان)، ڈاکٹر نارنگ (لاشوں کا آبشار)، علاوہ ان کے بعض کردار ایسے بھی ہیں جن کی وجہ سے علی عمران کو مزاح پیدا کرنے کا موقعہ حاصل ہوجاتا ہے جیسے کیپٹن فیاض وغیرہ۔

نتیجہ:

ابن صفی کے ناول تھکے ذہن کو تراوٹ بخشنے کے لئے بار بار پڑھے جاتے ہیں، ان کتابوں کا بار بار پڑھا جانا انہیں کس زمرے میں شامل کرتا ہے۔؟ میرا احساس ہے کہ ابن صفی کے ناول جاسوسی ضرور ہیں لیکن مکمل طور پر جاسوسی نہیں بلکہ اپنے طرز بیان، تہہ دار پلاٹ، حس مزاح، زبردست تخلیقیت اور معنی خیز باتوں کی وجہ سے ادبیت کے زمرے میں شامل ہیں۔ابن صفی کا قلم ہمیشہ خوبصورتی اور دلکشی، رونق و رنگارنگی بکھیرتا ہے اسی لئے ان کا ہر ناول، خالص انسانی صورت حال کے مطابقت میں ہے۔

کتابیات:

1. دلیر مجرم از ابن صفی
2. Victor Gunn’s کی ناول "Ironsides Lone Hand"
3. سیاہ پوش لٹیرا از ابن صفی

4. آدھا بٹیر ازابن صفی
5. ڈاکٹر وزیر آغا، اردو ادب میں طنز ومزاح
6. مزاحیہ شاعری از تاج پیامی
7. افکار غالب از خلیفہ عبدالحکیم
8. Theory of Literature- Werrn and Wellek Page-9-10
9. ابن صفی (مضمون) از رئیس امروہی
10. آدھا تیتر ازابن صفی
11. پیاسا سمندر ازابن صفی
12. کالی تصویر ازابن صفی
13. جونک کی واپسی از ابن صفی
14. موت کی اندھی از ابن صفی
15. سہیل اقبال۔ الف لیلیٰ ڈائجسٹ جولائی 1972
16. علی سفیان آفاقی ''سرگذشت'' 2004
17. خونی فنکار ازابن صفی
18. ابن صفی (مضمون) از خالد جاوید
19. پاگل کتے از ابن صفی
20. انوکھے رقاص ازابن صفی
21. ہلاکت خیز ازابن صفی
22. پاگلوں کی انجمن ازابن صفی
23. اونچا شکار ازابن صفی
24. گارڈ کا اغوا ازابن صفی
25. چاندنی کا دھواں ازابن صفی
26. رلانے والی ازابن صفی
27. خطرناک دشمن ازابن صفی
28. زہریلا آدمی ازابن صفی
29. جنگل کی آگ ازابن صفی
30. اسٹیفن لیکاک اردو ادب میں طنز ومزاح کی روایت ڈاکٹر خالد محمود
31. ٹھنڈی آگ ازابن صفی
32. ابن صفی (مضمون) درانی
33. بقلم خود (مضمون) ازابن صفی

ڈاکٹر عزیز احمد عرسی، اسوسی ایٹ پروفیسر زولوجی، اسلامیہ کالج، ورنگل۔

ایشیا کا عظیم ناول نگار: ابنِ صفی

مظہر محمود

''میں اردو نہیں جانتی مگر برصغیر کے جاسوسی ناولوں سے واقف ہوں۔ یہاں صرف ایک ہی طبع زاد مصنف ہے۔ ابنِ صفی۔'' یہ قول شہرۂ آفاق جاسوسی ناول نگار اگاتھا کرسٹی کا ہے۔ جس نے انگریزی زبان میں 80 ناول تخلیق کیے تھے اور جن کی تقریباً تیس لاکھ کاپیاں فروخت ہو چکی تھیں۔ اگاتھا کرسٹی سے تین گنا سے بھی زیادہ ناولوں کے خالق اور اُن سے زیادہ تعداد میں فروخت ہونے والے اردو ناولوں کے مصنف ابنِ صفی تھے۔ اُن کے ناول ہندوستان اور پاکستان بیک وقت دو ملکوں سے ہر ماہ پابندی کے ساتھ شائع ہونے کے باوجود کئی بار بلیک میں بھی فروخت ہوتے تھے۔ بہت سی علاقائی زبانوں میں بھی اُن کے ناولوں کے ترجمے شائع ہوئے جنہیں بے پناہ عوامی مقبولیت حاصل ہوئی۔

ابن صفی ایک عرصے تک کمیونزم سے متاثر ہو کر سماجی برائیوں کے خلاف بھی لکھتے رہے۔ جدو جہد آزادی کے دوران اور اس کے بعد بھی ترقی پسندی سے ان کا رشتہ جوڑا جاتا رہا۔ ابنِ صفی کی اُن ابتدائی تخلیقات میں جو 1940ء کے آس پاس کے دور میں شائع ہوئیں، افسانے، طنز ومزاح اور شاعری سبھی شامل ہیں۔ انہوں نے بیسویں صدی کی پانچویں دہائی میں ناول نگاری کا آغاز کیا جو آخرِ عمر تک جاری رہا۔ اُن کا بنیادی کام جاسوسی دنیا کے تحت ہر ماہ شائع ہونے والے ناولوں کا ایک طویل سلسلہ تھا جو 125 کتابوں پر مشتمل بتایا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسرا سلسلہ جو علی عمران کے نہات دلچسپ اور پُر اسرار کردار سے تعلق رکھتا ہے 120/ کتابوں پر مشتمل

ہے۔ ان دونوں سلسلوں کو بے پناہ عوامی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ اِس طرح ابنِ صفی 245 ناولوں کے مصنف ہیں۔ ان کے یہ ناول 50 لاکھ سے زیادہ تعداد میں شائع ہو چکے ہیں۔

ابنِ صفی کے ناولوں میں جاسوسی کے حیرت انگیز کارنامے، تجسس، رومان اور مزاح کی آمیزش ہوتی ہے۔ ابتدائی دور میں ابنِ صفی نے جاسوسی ناول نگاری کے فن کو ایک چیلنج کے طور پر قبول کیا تھا۔ اس وقت تک ہندی اور اردو زبانوں میں جو جاسوسی کہانیاں موجود تھیں وہ مغربی ناولوں اور رسالوں کے تراجم کے دَم سے وجود میں آئی تھیں۔ اِن ترجموں کے توسط سے فحش نگاری اور فاسد جذبات کو برانگیختہ کرنے والا مواد بھی اردو میں داخل ہوا لیکن اس قسم کی چیزوں سے ابنِ صفی تاعمر اپنا دامن بچاتے رہے۔

اردو زبان و معاشرے میں داستان گوئی کی جو روایت رہی ہے اس کی اساسی خوبیاں شستہ و مؤثر زبان، ایک خاص قسم کا اندازِ بیان، منفرد کردار اور بہترین جزیات کے علاوہ حیرت انگیز واقعات کی پیشکش تھیں۔ جن کے بَل پر داستان گو اپنی دنیا کے متوازی ایک تخیلی دنیا تخلیق کر دیتے تھے اور داستان سننے والے اُس دنیا میں پہنچ کر انگشت بدنداں رہ جاتے تھے اور خوشی و سکون محسوس کرتے تھے۔

ابنِ صفی کو جیسا کہ ان کے قریبی احباب کا کہنا ہے اوائل عمری میں داستانیں پڑھنے کا ازحد شوق تھا۔ انہوں نے ''طلسم ہوش رُبا'' کی تمام جِلدیں کئی کئی بار پڑھی تھیں۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ اِن داستانوں کے مطالعے نے ابنِ صفی کو کئی سطحوں پر متاثر کیا ہوگا۔ اُن داستانوں سے ان کا ذہن غیر شعوری طور پر بہت کچھ ردو قبول کرتا رہا ہوگا اور جب وہ تخلیقی اظہار کے لئے راہیں تلاش کرنے لگے تو شاعری سے پہلے عشق کے باوجود وہ خود کو مکمل طور پر شاعری کے ساتھ وابستہ کرنے کی بجائے نثر نگاری کی طرف متوجہ ہوئے اور پھر جب جاسوسی ناول لکھنے لگے تو صنفِ داستان کی بنیادی خوبیاں غیر ارادی طور پر اُن کے ناولوں میں در آئیں۔ جس کے نتیجے میں وہ ایسے دلچسپ، مؤثر اور معنی خیز ناول لکھنے لگے۔

ان ناولوں نے قارئین کے ذہن و دل مسخر کر کے ابنِ صفی کو نہ صرف اردو کا ہر دل عزیز مصنف بلکہ ایشیاء کے عظیم ناول نگار کے مرتبے پر فائز کر دیا۔ ابنِ صفی نے کئی بے مثال اور کامیاب سائنس فکشن بھی لکھے۔ اُن کے پسِ پُشت بھی ''طلسم ہوش رُبا'' کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔

خود ابنِ صفی نے اپنے سائنس فکشن کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار اِن الفاظ میں کیا ہے۔ ''سائنس فکشن لکھنا آسان کام نہیں ہے! پھر بھی میں نے کوشش کی ہے کہ اپنے ذہین پڑھنے والوں کو کسی حد تک مطمئن کر سکوں!...... محیر العقول اور بعید از قیاس واقعات کو یکجا کر کے کہانی کی شکل دے دینا آسان ہے۔ لیکن ان کا جواز پیش کرنا ہی حقیقتاً اس طلسم ہوشربا کو سائنس فکشن میں تبدیل کرنا کہلاتا ہے اور تھوڑے وقت میں یہ ایک مشکل کام ہے! اس میدان میں انگریزی کے سب سے مشہور اور کامیاب مصنف ایچ جی ویلز کی تصانیف میں بھی اگر منطقی اور سائنسی استدلال کے ٹکڑے حذف کر دیئے جائیں تو وہ بھی سرتاپا طلسم ہوشربا بن کر رہ جائیں گی۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ ''طلسم ہوشربا'' بجائے خود ایک بہت بڑی پیشین گوئی رہی ہو! مثلاً فلاں جادوگر نے ایک گولہ مارا اور پورا شہر تباہ ہو گیا! اُس وقت کے سمجھدار لوگ بھی اس بنڈل بازی پر ہنسے ضرور ہوں گے مگر کیا آج آپ ایسے ہی گولے نہیں دیکھ رہے؟ ہیروشیما پر، اگر میری یادداشت دھوکا نہیں دے رہی، ایک ہی گولہ تو پڑا تھا! مگر آج کے ذہن کی تشفی کے لئے الکٹرون اور میلوٹرون وغیرہ کا چکر موجود ہے! آپ اگر آج ایسے گولوں کی کہانیاں بھی سنیں تو آپ کو ہنسی نہیں آئے گی! کیونکہ اس دور میں جب فضاء میں ذیلی سیارے چھوڑے جا رہے ہوں سب کچھ ممکن ہے؟ ویسے کہنے کا مطلب حقیقتاً یہ تھا کہ اگر کبھی کتاب پر دو ماہ کا وقت بھی مل سکا تو آپ کو دکھاؤں گا کہ سائنس فکشن کسے کہتے ہیں۔''

ابنِ صفی کو قدرت نے جو بے پناہ تخلیقی صلاحیتیں ودیعت کی تھیں ان کا اندازہ بادی النظر میں ان کے ناولوں کے عنوانات سے ہی لگایا جا سکتا ہے۔ جو عموماً غیر معمولی تخلیقی صلاحیتوں سے مملو نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر چند ناولوں کے عنوانات پر غور فرمائیں۔ طوفان کا اغوا، چیختی

چٹانیں، دیوانگی کا سمندر، سہ رنگا شعلہ، گیتوں کے دھماکے، ڈیڑھ متوالے، برف کے بھوت، ہوس کے پجاری وغیرہ وغیرہ۔

ڈاکٹر ایثار احمد صفی نے ابن صفی کی منظر نگاری سے متعلق اپنے ایک مضمون میں بجا طور پر لکھا ہے کہ: ابن صفی جب اپنی کسی کہانی کا پلاٹ ترتیب دیتے ہیں تو وہ مناظر و حالات کا بغور اور باریک بینی سے مشاہدہ کرتے ہیں، جس کو پڑھنے کے بعد قاری واقعات کے پس منظر میں کھو جاتا ہے۔

منظر کشی کے اصول کے تحت ایک تخلیق کار کو اس منظر کی تمام جزویات کا علم ہونا ضروری ہے، جس کے بارے میں وہ لکھ رہا ہوتا ہے۔ وہ اُس کو خوبصورتی سے بیان کرے تاکہ قاری کا ذہن اسے فوراً قبول کر لے۔ اسی طرح کسی کے مزاج اور کردار کے بارے میں بیان کرنے لگے تو اس مخصوص طبیعت کے لوگوں کے مزاج کا بغور مشاہدہ کر لے تاکہ کوئی بات متضاد نہ لگے، حتیٰ کہ اسے ان کے سوچنے کا انداز بھی پتہ ہو۔ یہ بات اس وقت زیادہ اہم ہوتی ہے جب وہ کسی ایک خاص نقطہ نگاہ کے لوگوں کا نقشہ کھینچنا چاہتا ہو، یا کسی خاص ملک کے لوگوں کا رہن سہن ظاہر کرنا چاہتا ہو۔ اس ضمن میں ذاتی طور پر ایڈلاوا سیریز کا حوالہ دینا ناگزیر سمجھتا ہوں۔ جس میں عمران ایک مشن پر اٹلی جاتا ہے۔ ان ناولوں میں جس خوبصورتی سے اطالوی معاشرے، مقامات اور لوگوں کی سوچ کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جو ان میں رہا ہو۔

جاسوسی دنیا اور عمران سیریز کے بنیادی کردار دنیا بھر میں گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ وہ اسپین، اٹلی، انگلینڈ، اسکاٹ لینڈ، پیسفک آئر لینڈ، زیزیبار، ساؤتھ افریقہ، ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور دیگر مختلف جگہوں کی سیر و سیاحت کرتے ہیں۔ اتنے متضاد مقامات کی جائے وقوع کی تفصیلات حیران کن حد تک صحیح پیش کرتے ہیں جبکہ وہ بذاتِ خود برصغیر ہند و پاک کے باہر کبھی بھی نہیں گئے تھے۔ انہوں نے اپنی کئی کہانیوں کا منظر نامہ اپنی تخیلی قوت کے بل پر ہی تخلیق کیا۔ ان کی تحریروں کے جادوئی شکنجے کی گرفت اتنی پُر کشش ہوتی ہے کہ تصوراتی مقامات قارئین کے دماغوں میں حقیقی بن جاتے ہیں۔ شکرال، کراغال، مقلاق، زیرو لینڈ اور کئی دوسرے تصوراتی

علاقے کے عوام اور ان کے تمدن سے ابنِ صفی کے شائقین بخوبی واقف ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کے شہروں میں واقع ڈانس باروں، میکدوں، نائٹ کلبوں اور ہوٹلوں کے نام ابنِ صفی کے ناولوں میں پائے جانے والے ایسے مقامات کی تتبع میں رکھے گئے ہیں۔ ایسے کچھ قابل ذکر مقامات دلکشا، فضا رو اور نیا گرہ، ٹپ ٹاپ، ہائی سرکل وغیرہ ہیں۔

ابنِ صفی کو کردار نگاری کے فن پر بھی مکمل عبور حاصل ہے۔ انہوں نے لاتعداد ایسے کردار خلق کئے ہیں جو اپنی منفرد خصوصیتوں کی وجہ سے قارئین کے ذہنوں میں مستقل جگہ بنا چکے ہیں۔ ان کے ناولوں کی مقبولیت میں بلا شبہ ان کرداروں کا بھی اہم حصہ رہا ہے۔ یہاں میں دعوے کے ساتھ یہ بات کہنا چاہوں گا کہ پورے اردو ادب میں کسی ایک مصنف نے اتنے زیادہ اور اتنے کامیاب و یادگار کردار خلق نہیں کئے جتنے تنِ تنہا ابنِ صفی نے کر دکھائے ہیں۔

ابنِ صفی کے تخلیق کردہ مقبول ترین مستقل کرداروں میں علی عمران، کرنل فریدی اور کیپٹن حمید مرکزی کرداروں کی حیثیت رکھتے ہیں ان کے علاوہ ابنِ صفی کے ناولوں کے ذیلی کردار بھی خاصے پر کشش اور دلچسپ ہوتے ہیں مثلاً قاسم اور جوزف جیسے مستقل کردار تو اپنا جواب نہیں رکھتے۔ ان کے علاوہ ابنِ صفی کے شرّی کردار بھی از حد توانا اور پر کشش شخصیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ایسے کرداروں کو ابنِ صفی کچھ ایسے غیر معمولی اوصاف سے مزین کر دیتے ہیں کہ قارئین اُن کو ناپسند کرنے کے باوجود اُن سے نفرت نہیں کرتے بلکہ ہمدردی رکھتے ہیں اور محض اُن انسانی خوبیوں کی وجہ سے ان کے لیے اپنے دل میں ایک نرم گوشہ محسوس کرتے ہیں۔ جیرالڈ شاستری، بوغا، تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا، فنچ اور سنگ ہی وغیرہ ایسے ہی چند شرّی کردار ہیں، بالخصوص جیرالڈ جو طاقتوروں کو ہی جینے کا حق دینے کے نظریہ پر عمل پیرا تھا۔ سنگ ہی حد درجہ ذہین و فتین اور نہایت پھرتیلا انسان ہے۔ جس کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے علی عمران اُسے نہ صرف اپنا انکل یعنی چچا تسلیم کر لیتا ہے اس سے سنگ ہی آرٹ کی تربیت بھی حاصل کرتا ہے۔

ابنِ صفی کے پرستار راشد اشرف نے اُن کی شخصیت اور فن سے متعلق مختلف گوشوں پر سیر حاصل تحقیق و تبصرہ کیا ہے۔ اپنے ایک مضمون میں ابنِ صفی کے بارے میں انہوں نے لکھا ہے

کہ ”ابنِ صفی کی نثر میں ادبی چاشنی کے ساتھ ساتھ مزاح کا عنصر کچھ اس طرح گندھ کر رہ گیا ہے کہ پڑھنے والوں کو اُن کے ناولوں میں بیک وقت ایک اعلیٰ پائے کی عمدہ نثر کے ساتھ ساتھ بہترین مزاح بھی پڑھنے کو ملتا ہے۔ پروفیسر فین تھیسن نے ابنِ صفی کا موازنہ اگاتھا کرسٹی سے کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”ابنِ صفی کی کتابوں میں دو اہم پہلو ایسے ہیں جو اگاتھا کرسٹی میں نہیں ہیں ایک تو طنز و مزاح۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کی کامیابی کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو ان کی زبان رواں ہے دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے ایسا کارنامہ انجام دیا جو شاید کسی اور نے انجام نہیں دیا۔ وہ یہ کہ انہوں نے مزاح اور سسپنس کو یکجا کیا۔ ایسا ہوتا ہے کہ اگر لوگ مزاح لکھتے ہیں تو اس میں سسپنس نہیں ہوتا۔ یعنی سسپنس اور مزاح کا ایک ساتھ ہونا میں نے کسی میں نہیں دیکھا۔ عموماً مزاح لکھتے وقت سسپنس ختم ہو جاتا ہے کیونکہ ہم یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ مذاق ہی مذاق ہے۔ جبکہ ابنِ صفی کے ہاں یہ دونوں ساتھ ہیں اور یہ میں نے کسی اور میں نہیں دیکھا۔“ راشد اشرف نے ابنِ صفی کے ناولوں کے ’پیش رسوں‘ (Forwords) کے حوالے سے بھی ابنِ صفی کا ادبی مقام متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ اُن کے بقول ”اردو کے عظیم ناول نگار ابنِ صفی کے انتقال کے بعد ان پر مضامین لکھنے والوں میں سے اکثر نے ابنِ صفی کی جاسوسی دنیا اور عمران سیریز کے ناولوں کے پیش رسوں کو مرتب کرنے کی خواہش کی۔ یہ حقیقت ہے کہ ابنِ صفی کی جملہ تصانیف 245 ناولوں کے ساتھ ساتھ ان کے پیش رس بھی اتنے دلچسپ ہوا کرتے تھے کہ قارئین کی ایک کثیر تعداد ان پیش رسوں کی منتظر رہا کرتی تھی۔ ابنِ صفی ان کے ذریعے نہ صرف اپنے قاری سے براہ راست رابطے میں رہا کرتے تھے بلکہ قارئین کے خطوط کو بھی باقاعدگی سے شامل کیا کرتے اور ان کے جواب دیا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان پیش رسوں میں بلا کی جاذبیت آتی چلی گئی اور بات محض خطوط کے جوابات تک محدود نہ رہی بلکہ اس کا دائرہ کار ملکی و غیر ملکی مسائل، حکایات، قانون کا احترام، مذہب، ادب اور بین الاقوامی سیاست جیسے موضوعات تک پھیل گیا۔“

ناقدانِ ادب جاسوسی ناولوں کو سنجیدہ اور اعلیٰ ادب میں شمار کرنے سے عموماً گریز کرتے ہیں لیکن ادب کا اچھا ذوق رکھنے والے قارئین کو ابنِ صفی کے تخلیق کردہ جاسوسی ناولوں

کے مطالعے سے باز رکھنے میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ حقیقت ہے قاضی عبدالودود جیسے بلند پایہ محقق جو بشمول غالب بڑے بڑے شاعروں اور ادیبوں کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیتے تھے وہ ابنِ صفی کے ناول بڑے شوق سے پڑھتے اور انہیں پسند کرتے تھے۔ اسی طرح شمس الرحمٰن فاروقی جیسے بے باک نقاد نے نہ صرف یہ کہ ابنِ صفی کے ناولوں کا مطالعہ کیا۔ بلکہ ان کے چند ناولوں کے انگریزی میں ترجمے بھی کیے ہیں۔ ابنِ صفی کا جادو سب کے سر چڑھ کر بولتا ہے۔

ایک زمانہ وہ بھی تھا جب اردو ادب میں مذہب مخالف رجحان اور پھر فحاشی کے رجحان کی وجہ سے ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا جس کے زیر اثر اردو معاشرے کے ثِقہ گھرانوں میں ناول و افسانے کسی حد تک شجرِ ممنوعہ کی حیثیت رکھنے لگے تھے۔ تاہم ابنِ صفی کے ناولوں پر کبھی کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی بلکہ ان کی مقبولیت دن بہ دن بڑھتی ہی رہی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ آج اکیسویں صدی میں جب لوگ ابنِ صفی کے کئی ہمعصر ناول نگاروں کے نام تک بھول چکے ہیں۔ ابنِ صفی پر مضامین لکھے جا رہے ہیں۔ ان کی حیات و کارناموں پر سیمینار منعقد کیے جا رہے ہیں ان کے ناولوں کے مختلف ایڈیشن شائع ہو رہے ہیں اور دوسری زبانوں میں بھی ان کے ترجمے ہو رہے ہیں۔ جہاں بھی اردو پڑھنے لکھنے اور بولنے والے پائے جائیں گے وہاں ابنِ صفی کے تذکرے کے بغیر اردو زبان کا ذکر نامکمل رہے گا۔

1960ء میں جب ابنِ صفی کا فن اپنے عروج پر تھا اور وہ ایک ناول نگار کی حیثیت سے شہرت و مقبولیت کی بلندیوں پر تھے کہ اچانک ان کے نئے ناولوں کی اشاعت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ نکہت پبلی کیشن والوں نے نہایت افسوس کے ساتھ اپنے قارئین کو یہ اطلاع دی کہ ان کا محبوب ناول نگار ابنِ صفی خللِ دماغ کا شکار ہو گیا ہے اور ذہنی طور پر اس قابل نہیں رہا کہ نئے ناول تصنیف کر سکے۔

اس خبر کی اشاعت نے ابنِ صفی کے مداحوں کو ایک بڑے صدمے سے دوچار کیا۔ وہ تاسف اور مایوسی میں مبتلا ہو گئے۔ اردو کے قلمکاروں میں ابنِ صفی سے چند برسوں پہلے سعادت

حسن منٹو اور مجاز لکھنوی بھی خللِ دماغ کے شکار ہوئے تھے۔ لیکن وہ کچھ عرصے بعد پوری طرح صحت یاب ہو گئے تھے اسی لیے ابنِ صفی کے قارئین نے امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا تھا۔

ابنِ صفی کی بیماری کی تشخص نے کافی وقت لیا بالآخر یہ پتہ چلا کہ وہ سیزوفرینیا نامی مرض میں مبتلا ہیں۔ یہ مرض منٹو اور مجاز کی دیوانگی کے عارضے سے بے حد مختلف نوعیت کا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں کروڑوں لوگوں میں شاذ و نادر ہی کوئی اس کا شکار ہوتا ہے۔ ابنِ صفی کے چاہنے والوں کے ہاتھوں سے امید کا دامن چھوٹنے لگا تھا مسجدوں میں ان کی صحت یابی کے لیے دعائیں مانگی گئیں اور درگاہوں پر ان کے منتیں مانی گئیں۔ ادھر ان کے عزیز و اقارب نے بھی علاج و معالجے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ یہ سلسلہ تقریباً تین سال تک چلتا رہا۔ اس اثنا میں ابنِ صفی لکھنا پڑھنا قطعی طور پر ترک کر چکے تھے۔

آخر وہ دن بھی آیا جب ان کے مداحوں کی بے لوث دعائیں، منتیں اور مرادیں پوری ہوئیں اور ابنِ صفی صحت یاب ہو گئے۔ مکمل طور پر صحت یابی کے بعد انہوں نے ''ڈیڑھ متوالے'' عنوان سے ایک نیا ناول لکھا جو عمران سیریز کے تحت خاص اہتمام سے شائع کیا گیا۔ اس موقع پر الہ آباد میں ایک شاندار تقریب منعقد کی گئی جس میں اس وقت کے وزیر داخلہ حکومتِ ہند جناب لال بہادر شاستری کے ہاتھوں ''ڈیڑھ متوالے'' کی رسم اجراء عمل میں آئی۔ یہ ناول اتنا مقبول ہوا کہ اشاعت کے فوراً بعد اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع کیا گیا۔ خللِ دماغ یعنی سیزوفرینیا سے مکمل طور پر چھٹکارے کے بعد ابنِ صفی پہلے ہی کی طرح پابندی کے ساتھ نئے ناولوں کی تخلیق کے کام میں ہمہ تن مصروف ہو گئے اور تقریباً سترہ برسوں تک بے تکان لکھتے رہے۔ اس عرصے میں انہوں نے مزید 115 ناول تصنیف کیے۔ علاوہ ازیں بے شمار سنجیدہ اور مزاحیہ مضامین اور غزلیں بھی تخلیق کیں جو برصغیر ہند و پاک کے مقتدر رسائل و جرائد میں شائع ہوتی رہیں اور اردو زبان و ادب کی بیش قیمت اور لازوال وراثت بن گئیں۔

جناب مظہر محمود، اسسٹنٹ اسٹیشن ڈائرکٹر، ڈی ڈی نیوز، نئی دہلی۔

ابنِ صفی کا ایک زندہ جاوید کردار: عمران

عبدالرؤف خوشتر

1947ء اپنے دامن میں سیاسی و ادبی آزادی لے کر آیا تو حقیقت پسندی اور رومانیت کی آڑ میں صالح قدروں کو بالائے طاق رکھ کر جنسی چٹخارے جو ادبی تخلیقات کا خوش نما دوشالہ اُڑھے نیم پختہ ذہنوں کے نوجوانوں کو وقتی طور پر سہی گدگدانے میں کامیاب تھے۔ اُس وقت کا معاشرہ داخلی درد و کرب سے دوچار تھا اور وہ ادیبوں کے طرف پر اُمید بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا کہ قلم کار اپنے مثبت اور تعمیری افکار کے ذریعہ سماج میں پھیلی ہوئی اخلاقی بدامنی و خلفشار کو دور کریں۔

اسرار احمد المعروف بہ ابنِ صفی اسی اہم ضرورت اور اپنے فرض سمجھتے ہوئی اس جنس زدہ ماحول اور اخلاقی گراوٹ کے منفی اثرات ور جحانات کو معاشرے سے دور کرنے کے لئے ایک تطہیری چیلنج کے ساتھ عزم قلم ہو کر اُردو عام قاری کا انحطاط پذیر ذوق بدلنے کے لئے جاسوسی ناول لکھنا شروع کئے ابن صفی سے قبل ترجموں کے علاوہ اردو سرّی ادب میں کوئی خاص تخلیقی سرمایہ نہ تھا۔ ابن صفی کے صاف ستھرے جنسی تلذذ و اخلاقی بے راہ روی سے مُبرّہ مُنزّہ دلچسپ ناولوں کی بدولت اُردو قارئین کا مطالعہ سنورتا اور نکھرتا گیا اور تین تین نسلوں اور عہد کو متاثر کیا۔ آج ہم بجا طور پر اس نایاب سرّی سرمائے پر فخر کر سکتے ہیں جو ابنِ صفی کے بے حد شگفتہ رواں زرخیز قلم کار ہیں منت ہے ابن صفی بلاشبہ اُردو جاسوسی ادب کی تحریروں کے موجد بھی ہیں اور خاتم بھی۔ انہوں نے سرّی ادب میں اپنی بلا کی ذہانت سے حیرت انگیز صلاحتیوں کے جو چراغ روشن کئے ہیں وہ عالمی جاسوسی ادب میں بھی ہمیشہ تابندہ و رخشندہ رہیں گے۔ اور یہ اعتراف بھی بلاتردد کرنا پڑتا ہے کہ ابن صفی نے اپنی عظیم تخلیقات سے مشرقی جاسوسی ادب کا دامن مالا مال کر دیا ہے اور صلہ میں ہر

دلعزیزی کی نئی بلندیوں کو چھولیا ہے۔ ابن صفی کا بہت زرخیز ذہن ایک بڑے مال یا ڈپارٹمنٹل اسٹور کی طرح تھا جس میں انسانی زندگی کے مختلف شعبۂ جات گوشوں پہلوؤں کے متعلق مُفصلِ وجامع معلومات ملتی ہیں۔ انہوں نے عصری موضوعات کو ہی نہیں بلکہ انسانیت کو آگے درپیش آنے والے مسائل ومصائب اور سائنسی خطرات کو اپنی معتبر تحریروں سے ااس خوبی سے آگاہ کیا کہ اس کی جزئیات سے سرشار اتنی مُفصّلِ ومُدلّل معلومات فراہم کی ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے کہ کیا یہ ایک فردِ واحد کا کارنامہ ہے۔

ابنِ صفی نے اپنی اِختراعی انوکھی پر اثر باوِقار اور معیاری تحریروں سے یہ ثابت کیا کہ جاسوسی ناول نویسی بھی ایک وسیع مطالعے گہرے مُشاہدے عمیق سوچ وفکر اور بے پناہ عصری وسائنسی معلومات کی متقاضی ہوتی ہے۔

عہد ساز ابن صفی کردار ساز مصنف تھے قوسِ قزح سے دل کش ودل فریب سات رنگوں پر مشتمل سات کردار جولیا تھریسیا صفدر فیاض جوزف سلیمان اور عمران ہیں تو ان سب سے دل آویز پرکشش اور پر اثر شخصیت خود عمران کی ہے جو اپنے نیک ارادے اور عمل اخلاق کردار کی پختگی معاملہ فہمی اپنے فرض ووطن کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگانے میں سب سے آگے رہنے کے سبب سب پر سبقت لے جاتا ہے پھر ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح نظام شمسی میں آفتاب کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور دوسرے سیارے اِس سے اثر پذیر ہو کر اس سے حرارت وتوانائی حاصل کرنے کے لئے اِس کے گردش کرتے ہیں ٹھیک اُسی طرح ابن صفی کے اس عمرانی سیرز کے نظام میں علی عمران کو مرکزی وکلیدی حیثیت حاصل ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ فیاض، جولیا، روشنی، صفدر، نعمانی، صدیقی، خاور، چوہان، تنویر، ناشاد، ظفر الملک، جمن عرف جیمسن، اپنے برے حالات اور وقت کی گردش سے نکلنے کے لیے عمران کے گرد چکر لگاتے رہتے ہیں۔

ابن صفی نے اگست 1955ء میں عمران سیرز کا پہلا ناول ''خوفناک عمارت'' لکھا اور آخری ناول'' آخری آدمی اکتوبر 1980 میں لکھا۔ اِس طرح عمران سیرز کے تحت جملہ 122 ناول لکھے گئے ہیں۔

ابن صفی اپنے اس انوکھے ومتفرد کردار عمران کو بزم میں خندہ حمید کی طرح اور رزم میں سنجیدہ فریدی کی طرح پیش کیا ہے۔

عمران جو ایم۔ ایس۔ سی۔، پی۔ ایچ۔ ڈی ہے یعنی اس کے پاس ڈگریوں کی فوج ہے۔ لیکن یہ مست موج اپنی ڈگریوں کو سرد خانہ میں ڈال کر ہر ایک سے اس بے تکلفانہ انداز میں ملتا ہے کہ سب اس کے شہدائی بن جاتے ہیں گویا اس چلبلے کھلنڈرانہ کردار کے توسط سے ابن صفی معاشرے پر طنز کر رہے ہیں کہ اب ہم اپنی ڈگریوں کے سائے میں چلتے اور تکبرانہ سانس لیتے رہتے ہیں۔ ہمارے قول وفعل پر ڈگریوں کا انانیت پسند سایہ پوری طرح مُسلط ہے یوں ان ڈگریوں سے پیدا شدہ خود پسندی کا ہالہ اور خود ساختہ حصار ہمیں دوسروں کے دلوں میں اترنے تو دوران سے ملنے سے بھی روکتا ہے لیکن ابن صفی کا یہ عجوبہ کردار عمران اپنی ساری ڈگریوں کی حد بندیوں سے چھلانگ لگا کر حماقتوں اور معصومیت کے ساتھ یوں جلوہ گر ہوتا ہے کہ خادم سلیمان سے لے کر حاکم سر سلطان سبھی اس کے گرویدہ نظر آتے ہیں۔ عمران کے کردار میں تنوع اور تہہ داری ہے جو اسے ابن صفی کے دوسرے سارے کرداروں سے ممتاز ومّمیز کرتی ہے معصوم ایسا کہ خواتین تک چٹکیوں میں اُڑا دیں لیکن جب وہ سنجیدہ ہو جاتا ہے تو بڑے بڑے خطرناک مجرموں کو تک پسینہ آتا ہے اس کا مجرموں کو زیر کا طریقہ کار اتنا عجیب ہے کہ وہ مروجہ قانونی چوکھٹے میں نہیں سماتا۔ اس لئے پولیس اسے مجرم اور مجرم اسے پولیس انفارمر سمجھتے ہیں اور اِس سے متنفر ہیں وہ اپنے بارے میں کہتا ہے کہ'' مجھے دوسو سال بعد لوگ سمجھ سکیں گے وقت سے پہلے پیدا ہو گیا ہوں''۔
(ملاحظہ ہو ناول خیر انہ لیش مطبوعہ اگست 1976ء)

عمران خاصہ دلچسپ ہمہ پہلو رنگا رنگ شخصیت کا نام ہے خود اِس کے چار روپ ہیں عمران ایکس ٹو، پرنس آف ڈھمپ اور رانا تہوار علی صندوقچی۔ ابن صفی نے عمران کے کردار کے ذریعہ نفسیات کے کتنے ہی پردے اور راز اُٹھائے ہیں۔ اور اِس تہہ در تہہ شخصیت کے توسط سے انسانی نفسیات کی پراسرار گھتیاں سلجھائی ہیں اس لئے عمران کا کردار اتنا جاذِب نظر اور جاذِب اثر لگتا ہے گوشت پوست کا کردار ہے اور ہمارے سامنے ابھی آ کر چیونگم پیش کرے گا۔ ابن صفی کے سحر انگیز قلم نے عمران کو اِس

کی ساری حماقتوں اور پرلطف بے ضرر حربوں کے ساتھ اِس طرح پیش کیا کہ اس قسم کا پُرکشش کردار اُردو ادب میں ملنا مُحال ہے، عمران کا، کردار اتنا معصوم پرلطف بے ضرر اور دلکش محسوس ہوتا ہے کہ صرف اس کے ساتھی اور ہم نوا ہی نہیں بلکہ اس کے مخالف کردار بھی اس کی ذہانت ذکاوت وشجاعت کے قائل نظر آتے ہیں۔ رُسوائے زمانہ وزمانہ وزنانہ سنگ ہی جس سے کئی حکومتیں لرزہ بہ اندام ہیں عمران کو بھتیجا ماننے پر مجبور ہے دیکھیئے وہ کس طرح عمران کو خراج تحسین پیش کرتا ہے۔

یقین مانیئے اگر وہ عورت ہوتا اور میں شادی کر لیتا تو روئے زمین میں ہماری اولاد سے زیادہ شاطر اور چالاک اولاد نہ ہوتی۔ (ناول نوں ریز تعادم دسمبر 1972ء)

معاشرتی وطبقاتی ناہمواریوں سے اُبھرے مختلف مزاج وقماش کے مختلف سطح اور ظرف کے کرداروں کے ساتھ عمران کا رویہ برتاؤ پیش قدمی ٹکراؤ تصادم اور پھر اِس کی صنفِ نازک کرداروں کے ساتھ شریفانہ خوش فعلیاں یہ سب عجیب سنتی خیز ہنگامہ اور بے حد دلچسپی کا ساماں پیدا کرتی ہیں اور ہمیں عمران کے ہمہ رنگ پہلو کی تہہ دار شخصیت کا بھرپور اندازہ ہو جاتا ہے پتہ نہیں ابن صفی کو اس جان دار شان دار تہہ دار اور پہلو دار کردار میں اتنے سارے دل آویز دلکش پرلطف پر پیچ فطرت وعادات کے اتنے سارے پرکشش دیرپا سماجی رنگ بھرنے اور اس کے پل پل میں بدلنے والی حرکات کا اتنے گہرے متحرک وفعال طور پر پیش کرنے اور تحریری جامہ پہنانے کے لئے کن کن دُشوار گذار پہلے ذہنی اور پھر قلمی مراحل سے گذرنا پڑا ہوگا۔

یہاں میں صرف ایک حوالہ دوں گا جو بڑا بلیغ وجامع ہے جس میں عمران کے برتر اخلاق وکردار کی حرمت وعظمت سمیٹ کر آئی ہے ناول تصور کی موت میں بُرے حالات میں پھنس کر روزا مکیس بُری بن جاتی ہے لیکن وہ عمران کے منفرد اچھوتے اور چونکا دینے والے غیر معمولی کردار کو سلام پیش کرتے ہوئے اس کے والد رحمان صاحب سے کہتی ہے۔

''وہ بہت عظیم ہے اس لئے کہ وہ کسی کی بے بسی کا فائدہ نہیں اُٹھاتا۔ میں اسے ہمیشہ یاد رکھوں گی' روز ابولی رحمان صاحب کی آنکھوں میں عجیب سی چمک لہرائی جسے احساسِ فخر کے اظہار کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا''۔ (تصویر کی موت 1973ء)

ایک روزا میکسی ہی نہیں وہ سب لڑکیاں جن کا سابقہ عمران سے پڑتا ہے عمران کے کردار کی پاگیزگی حرمت اور عظمت کے قائل ہو کر اس سے بے حد متاثر ہوتی ہیں کیوں کہ عمران خلوت ہو یا جلوت اِن لڑکیوں کے ساتھ عزت واحترام سے پیش آتا ہے اور آگے چل کر یہی لڑکیاں اس کو مجرم کی نشان دہی کرنے میں معاون ومددگار ثابت ہوتی ہیں ناول آتشی بادل (مطبوعہ 1966ء) میں نرس گریٹر ووڈ کی حادثہ میں اچانک موت سے صفدر سعید بے حد رنجیدہ افسردہ اکیلا ملول ہو جاتا ہے ٹھیک اُسی وقت عمران موالی فراہم سے بچھڑ کر بھی ہشاش بشاش نظر آتا ہے عمران کے اس صبر وضبط اور بھلانے والے کردار سے متاثر ہو کر صفدر عمران کو یوں خراج تحسین پیش کرتا ہے۔

''عمران صاحب میں آپ تک نہیں پہنچ سکتا''۔ (ناول آتشی بادل)

ایک صفدر کیا ہم دیکھتے ہیں کہ عمران سیریز کا کوئی دوسرا کردار عمران کے کردار کی رفعتوں بلندیوں تک نہیں پہنچ پایا۔

اُس پرکشش کردار کی کرشمہ سازیاں دیکھئے کہ تھریسیا، بمبلبی آف، بوہیمیا یعنی ٹی۔ تھری۔ بی کہلانے والی خطرناک شاطر ومکار عورت جسے سے سارا یوروپ تھرا اُٹھتا ہے۔ جس کے ماتحیئن جیالے مرد بھی اِس کے آگے نظریں جھکائے ہوئے ادب کے ساتھ اسے میڈیم کہتے ہیں یہ عمران پر عشق ہے اور صرف ایک بار اس سے تھریس سننے کے لئے بے تاب وبے قرار ہے روشی جو جانتی ہے کہ ایکس ٹو عمران ہی ہے اسے مذاق میں طوطا کہتی ہے اور اِس کا گھر بسانے کے لئے کوشاں وسرگرداں ہے جولیا اگر اسے کی فرقت میں آنسو بہاتی ہے تو اس کی قربت میں اسے کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے کبھی اس کے لئے بے تاب ہوتی ہے تو کبھی نفرت کرتی ہ اور اسے خوش مزاج درندہ کہتی ہے (ملاحظہ ہو ناول نادیدہ ہمدرد مطبوعہ 1979ء) لیس۔ پی فیاض اس سے ہمیشہ خفا خفا رہتا ہے مگر برابر اس کے گھر کے چکر لگا لگا کر اسکے ذریعہ مجرموں تک پہنچ کر اپنے کیس حل کروا کے اسے اپنی ترقی کا زینہ بناتا رہتا ہے اس کا باڈی گارڈ محافظ نوبل جوزف جو دائم الخمر ہے اور یومیہ چھ بوتلیں شراب پیتا ہے اس کے لئے بے حد چوکنا اور فرض شناس اور اس کے لئے موت کے کنویں

میں بھی چھلانگ لگا سکتا ہے گھریلو خانساماں اور خادم سلیمان جو اس کے غیر موجودگی میں اس کا سوٹ پہن کر موج مستی کرتا رہتا ہے اپنے اس مالک کے لئے بڑے مالک یعنی رحمان صاحب کا گھر چھوڑ دیتا ہے ظفر الملک اس خبطی کے لئے اپنے چچا کی کروڑوں کی جائیداد آرام و آسائش کی زندگی ترک کر کے مرغ و ماہی چھوڑ کر اس کے ساتھ دھکے کھانا پسند کرتا ہے۔ جمن عرف جیمسن جو کلاسیکی ادب کا دلدادہ ہے اسکے لئے کتابی مطالعہ چھوڑ کر اس پر لطف تہہ دار و پر پیچ شخصیت کے مطالعہ کو ہی ترجیح دیتا ہے۔

غرض ہم دیکھتے ہیں کہ اس بھرپور جامع کردار کے توسط سے ابن صفی نے غیر متوازن معاشرہ کا قلمی احاطہ کیا ہے اس طرح ہم عمران کو اُردو دوسری ادب کا بے حد بے مثال و منفرد کردار کہہ سکتے ہیں۔ سردست اس قدر آور شخصیت کو ناپنے کا ہمارے پاس کوئی پیمانہ نہیں ہے تو مجبوراً اس شعر کا سہارا لینا اور حوالہ دینا پڑ رہا ہے شاید ایسے ہی لافانی و لاثانی کردار کے لئے یہ شعر کہا گیا ہے۔

لگا سکا نہ کوئی اِس کے قد کا اندازہ
وہ آسماں ہے مگر سر جھکائے بیٹھا ہے

عمران کے مخلص بے ریا و بے آمیز کردار میں زمانہ بھر کا درد و کرب سمیٹ کر آیا ہے عمران جس سے باپ بہن بہت خفا اور ناراض ہیں اور گھر بدر کیا گیا ہے ماں کا پیار جس کے لئے بچپن کا خواب سا لگتا ہے اس کے باوصف کردار کی حرمت اور اخلاقی عظمت ذہنی کشادگی و دل داری دیکھئے کہ وہ خود پیار و شفقت سے محروم رہ کر بھی سب کو پیار بانٹ رہا ہے۔

آج اگر عبدالرحمٰن بجنوری زندہ رہتے تو سنگ ہی کہ اس اکلوتے اور بالجبر بھتیجے علی عمران کے تعلق سے بھی یہی کہتے جو برسوں پہلے اُنہوں نے ہم سب کے چچا مرزا غالبؔ کے انمول دیوان کے متعلق کہا تھا کہ ''کیا ہے جو یہاں نہیں ہے زندگی کا کونسا نغمہ ہے جو اس ساز پر گایا نہیں گیا ہے۔''

عبدالرؤف خوشترؔ، سابق پرنسپل، گورنمنٹ کالج، گلبرگہ۔

ابن صفی کے زندہ جاوید کردار

عمران عاکف خاں

کرداروں کے بغیر کوئی فن پارہ ناول، افسانہ، کہانی اور داستان ناقص و ناتمام رہتی ہے۔ یعنی کردار کسی بھی فن کی روح اور جان ہوتے ہیں اور جب ابن صفی کے کردار ہوں تو کہنے ہی کیا۔ ابن صفی کے کرداروں پر حقیقت کا گمان ہوتا ہے کیوں کہ ان کے نام ہمارے اپنے جیسے ہی نام ہیں۔ عمران، صفدر، تنویر، چوہان، خاور، ثریا، رحمان صاحب، فیاض، سلیمان، احمد کمال فریدی، حمید، انور، رشیدہ، نیلم، قاسم، جگدیش، امر سنگھ اور ریکھا اکثر مستقل اور چند ایک شاہکار ناولوں کی طرح یادگار، مثبت و منفی اور ذہن سے چمٹ جانے والے کردار۔ ایک ایک کر کے گنتے جائیں کسی بھی طرح یہ نام اجنبی، غیر مانوس اور دیو مالائی نہیں لگیں گے۔ نامور صحافی، حسن کمال اپنے مضمون ''وہ منظر یاد آتا ہے'' میں لکھتے ہیں:

''ابن صفی نے ہمیں (کرداروں کی) ایسی دنیا سے متعارف کرا دیا تھا جو خیالی ہوتے ہوئے بھی حقیقی بن چکی تھی۔'' (ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ: ص94)

ابن صفی کے برعکس دوسرے مصنفین نے جو کردار استعمال کیے ہیں وہ ہمارے لیے اجنبی اور غیر مانوس ہیں۔ مشتری۔ مہ لقا۔ امبرین۔ صارم۔ نادرہ۔ مہاوش۔ مہناز۔ انارکلی۔ ثمریں۔ افسوں۔ تزانیہ۔ عمرو عیار۔ بے دام۔ ماہ رخ۔ تبریز۔ تاثیر۔ آباد۔ وغیرہ ایسے نام ہیں جن کا ہمارے معاشرے میں وجود ہی نہیں ہے اور یہ زبان پر بھی ثقیل ہیں۔

ابن صفی کے کردار ہمارے ہی ہم نفس اور ہم نوا ہیں۔ جنھیں دنیاوی انسانوں سے بلا تفریق مذہب و ملت، رنگ و نسل، زبان و بیان، ملکی و غیر ملکی ہر ایک سے انسانیت کی بنیاد پر ہمدردی

ہے۔ نیز ان کے اندر جسارت، جرأت، ذہانت، شجاعت، ہمت، حوصلہ مندی، دیانت، امانت، انسانیت، احساس ذمےداری، ہوش مندی، حاضر دماغی اور عفت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ ابن صفی کے ناولوں کے ورق ورق میں ان کی خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔

''پرنس وحشی'' میں حمید کی کیفیت دیکھیے!

''روم نمبر بارہ میں پہنچتے ہی اس کی عقل گدی سے خارج ہوگئی۔ مغربی طرز کے ساز بج رہے تھے.....اور ڈیڑھ درجن نیم عریاں لڑکیاں چاروں طرف تھرکتی پھر رہی تھیں...

''ارے باپ رے...!'' حمید نے آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ لیے اور چلتے چلتے رک کر اس طرح کانپنے لگا جیسے کوئی سردی کھایا ہوا بکری کا بچہ ہو....ساتھ ہی وہ بڑبڑائے جارہا تھا۔ ''اے خدا تو نے میرے باپ کے گناہ پچھلے سال ہی معاف کر دیے ہوں گے۔ اب میرے گناہ بھی معاف کر دے....ایکس کیوز می پلیز...مائی گاڈ!''

''کیا بکواس ہے!'' پرنس نے اس کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیا۔

''سردی لگ رہی ہے.....یور ہائی نس!'' حمید ہاتھ جوڑ کر گڑگڑایا۔ ''ایسی جگہوں پر اکثر مجھے نمونیہ ہوگیا ہے!'' (پرنس وحشی: جاسوسی ادب۔ ج24 ص182)

وطن اور اہلیان وطن بلکہ پوری دنیا کی سلامتی اور حفاظت کے لیے وہ اس وقت بھی بیدار رہتے ہیں جب لوگ اپنی بلند و بالا، عالی شان اور آسمانوں سے باتیں کرنے والی عمارتوں میں خواب خرگوش میں مست ہیں۔

''پتھر کا خون'' میں رحمان صاحب فیاض کی سرزنش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''تم فرض کی ادائیگی سے پیچھے ہٹ رہے ہو۔ اگر عمران مجرم ہے تو وہ نہ تو رحمان کا بیٹا ہوسکتا ہے اور نہ تمہارا دوست۔ سمجھے۔'' (پتھر کا خون: جاسوسی ادب۔ ج9 ص83)

ابن صفی کے ان زندہ جاوید کرداروں کی عظیم خوبیاں اور بھی ہیں جنھوں نے انسانیت کے بڑے بڑے دعویداروں کو حیران کر دیا۔ وہ عیش وطرب اور نشاط کے مقامات جہاں اعلا طبقے کے لوگ مدہوش ہوکر ٹھمکے لگاتے ہیں ان مقامات پر یہ عفیف، دوشیزاؤں سے زیادہ شرمیلے، شراب

جیسی ام الخبائث لعنت سے سخت متنفر، صرف ٹھنڈے پانی پر اکتفا کرتے ہیں۔ شراب سے متعلق ان کے نظریے کا اندازہ ''دوسری آنکھ'' کے اس مکالمے سے لگایا جاسکتا ہے:

''تم نے بتایا نہیں کہ رات میں کون سی پیتے ہو؟''

''بھینس والی''

''کیا مطلب!''

''ڈیڑھ پاؤ گرم دودھ پی کر سو جاتا ہوں!''

''احمق'' وہ مسکرائی۔

''کیا سچ مچ نہیں پیتے...؟''

اس نے انکار میں سر ہلایا۔

''بڑی عجیب بات ہے!''

میری دانست میں تو پینا ہی بڑی عجیب بات ہے!''

''کیوں؟''

''اچھے بھلے آدمی کی مدہوشی۔ مدہوشی جو خود اپنے اوپر مسلط کی جائے حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔'' (دوسری آنکھ: جاسوسی ادب۔ ج25 ص136)

''موروثی ہوس'' میں جب حمید بے ہوش ہوجاتا ہے اور ناصر و شاہدہ اسے برانڈی پلانے کا منصوبہ بناتے ہیں تو اس وقت قاسم کہتا ہے:

''نام بھی مت لینا....ورنہ ہوش میں آتے ہی مجھے قتل کر دے گا!''

''میں نہیں سمجھا؟''

''کہتا ہے کہ گدھی کا پیشاب، شراب سے افضل ہے۔ جب گدھی کا پیشاب نہیں پیتا تو شراب کیوں پیؤں؟'' (موروثی ہوس: جاسوسی ادب۔ ج53 ص311۔312)

ابن صفی کے یہ تمام کردار عام انسانوں کے جیسے ہونے کے باجود اپنے وقت کے انسانوں سے بلند قد و قامت، بلند آہنگ، عادات و اطوار میں سب سے جدا، معاملات فہمی میں سب سے انوکھے اور یگانہ ہیں۔ وہ منفی ہوں یا مثبت، قانون ساز ہوں یا قانون شکن، اچھے ہیں تو

اچھائیوں کی بلندیوں پر براجمان ہیں اور برے ہیں تو برائیاں ان پر ختم ہوتی ہیں۔ افضال احمد صاحب اپنے مضمون ''ابن صفی'' میں تحریر کرتے ہیں:

''(اگر) غور کریں تو آپ کو ابن صفی کے تمام کرداروں میں ایک خاص بات نظر آئے گی۔ وہ سب کے سب عام قامت انسانی سے بڑھ کر ہیں۔ ذہین تو ایسے کہ روئے زمین پر ان کا کوئی جواب نہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ قیامت ہے۔ ایک فتنہ ہے۔ وہ عمران و حمید ہوں کہ فریدی و لیونارڈ، سنگ ہی ہو کہ تھریسیا بمبل بی۔ سب ذہانت میں عام انسانوں سے سوا ہیں اور اگر یہ نیک ہیں تو پھر یہ فریدی، حمید و عمران ہیں۔ برے ہیں تو سنگ ہی تھریسیا بمبل بی شیطانی مخلوق کی علامت ہیں۔ ان دو اقسام کے دیو قامت کرداروں کے درمیان چراغ مصطفوی اور شرار بولہبی کی ازلی آویزش جاری رہتی ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ یہ کردار عام انسانوں سے ملتے جلتے ہونے کے باوجود عام انسانوں کے مقابلے زیادہ بلند و بالا اور بلند آہنگ ہیں۔''

(ملخصا۔ ابن صفی: بحوالہ ڈائجسٹ نما: ج248 ص150)

یہ ایسے کردار ہیں جو قاری کے ذہن سے چپک جاتے ہیں اور ان کی حرکات، ہدایات، جرائم کے تئیں جذبۂ نفرت، ٹھکیلیاں، ایک ایک بات یاد آتی ہے اور دیر تک آتی جاتی ہے۔ اس وقت تو انتہا ہو جاتی ہے جب ابن صفی کا قاری ان سے محبت کرتے ہوئے ان کے ڈائیلاگ، فقرے اور جملے عملی زندگی میں استعمال کرتا ہے اور ان کی پاکیزہ خصلتوں کو خود میں محسوس کرتا ہے، بلکہ انھیں اپنا آئیڈیل بنانے کی آرزو کرتا ہے، ان جیسا بننے کی تمنا کرتا ہے۔ ڈاکٹر سید احمد قادری اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

''.....ان ساری خوبیوں نے مجھے کرنل فریدی کا فین بنا دیا اور شعوری لاشعوری طور پر میں خود کو ان کی شخصیت میں ڈھالنے لگا.....(میں) سوچا کرتا کہ میں بڑا ہو کر کرنل فریدی بنوں گا اور ملک و قوم اور سوسائٹی کے کوڑھ کو ان کے کیفر کردار تک پہنچاؤں گا۔'' (ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ۔ ص155)

ہندوستان میں ابن صفی کے متعلق سنجیدہ بحث کے بانی ڈاکٹر خالد جاوید اپنے مضمون ''ابن صفی: چند معروضات'' میں تحریر کرتے ہیں:

''1952 سے لے کر 1980 تک اٹھائیس برس کی مدت میں وقت کے گذرنے کا احساس اور تبدیلی کے عمل کا سراغ ابن صفی کی تحریروں میں صاف طور پر اپنی جھلک پیش کرتا ہے۔ جس نے بھی ابن صفی کے ناولوں کا بغائر مطالعہ کیا ہے وہ یہ محسوس کر سکتا ہے کہ فریدی کی سنجیدگی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ حمید کا کھلنڈرا پن آہستہ آہستہ ایک خوش طبعی یا بذلہ سنجی میں بدل جاتا ہے۔ عمران کی ابتدائی زمانے کی حماقتیں عمر بڑھ جانے کے ساتھ ساتھ کم ہوتی جاتی ہیں اور اخیر کے ناولوں تک آتے آتے تو اس کی تمام مضحکہ خیز حرکتیں ایک اکتاہٹ اور اداسی کا سراغ بھی دیتی ہیں۔''

(اردو میں پاپولر لٹریچر، روایت اور اہمیت۔ ص93-94)

جس طرح ہر انسان میں کوئی نہ کوئی فطری کمزوری ہوتی ہے اسی طرح ابن صفی کے کرداروں میں بھی کمزوریاں ہیں۔

''**حمید**'' کی کمزوری ہر خوبصورت لڑکی ہے۔ وہ ان کے لیے کتا، بندر، لٹو، مسخرہ دیوانہ، نہ جانے کیا کیا بن جاتا۔ یہ سب گورکھ دھندے وہ صرف ان کی قربت پانے کے لیے کرتا ہے۔ اس میں بدنیتی یا ہوس کا شائبہ تک نہیں ہے۔ کیونکہ وہ بھی ابن صفی کے منجملہ کرداروں کے جیسا ہے جنھیں حلال سے محبت اور حرام سے سخت نفرت ہے۔

حمید کی ایک اور کمزوری سانپوں کا خوف ہے۔ وہ اگر دور سے بھی سانپ دیکھ لیتا ہے تو اس کی گھگی بندھ جاتی ہے۔ بالخصوص اندھیرے میں تو اس کی روح ہی فنا ہو جاتی ہے۔ بقول ابن صفی:

''یہ اس کی بہت بڑی کمزوری تھی جس سے وہ بچپن سے اب تک پیچھا نہیں چھڑا سکا تھا۔'' (سینکڑوں ہم شکل: جاسوسی ادب۔ 39 ص411)

''**قاسم**'' کی کمزوری اس کی موٹی عقل، موٹی عورتیں، کھانا اور ''چپاتی بیگم'' ہے۔ جسے وہ گلہری بھی کہتا ہے۔ کھانا تو اس کی زندگی ہے۔ اگر کسی دن کھانا نہ ملتا تو ساری دنیا اس کی

نگاہوں میں بے رنگ اور بے مقصد ہو جاتی ہے۔ حالات کیسے بھی ہوں' آگ وخون کا ماحول ہو یا قیامت کا سماں بھوک کے آگے قاسم کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ ''سینکڑوں ہم شکل'' میں جب ڈاکٹر دوبے کے ہم شکل اس کی کوٹھی میں آ آ کر ہلاک ہوتے ہیں اور پورے گھر میں افراتفری مچ جاتی ہے ایسے ہوش ربا حالات میں بھی اسے کو بھوک کا احساس رہتا ہے۔۔ چنانچہ وہ بھوک کی بے تابی کا ذکر کرتے ہوئے اپنی بیوی سے کہتا ہے:

''ارے مرغئی ہو گی تمہاری بھوک! میری تو زندہ ہے....خانا لگواؤ میز پر ورنہ میں تمہاری بوٹیاں تل کر کھاؤں غا! میرے ٹھینگے پر ہے لاش واش.....کیا میں اس سالے کو بلانے غیا تھا۔ کل بھی آ قر مر گیا.....آج بھی آ قر مر گیا....واہ....ایسی کی تیسی کوئی کب تک بھوکا رہے۔'' (سینکڑوں ہم شکل: جاسوسی ادب۔ ج39 ص388)

''**فیاض**'' کی کمزوری خواتین اسٹینو ہیں' جنھیں وہ بقول عمران ''روز بدلتا ہے۔'' ابن صفی نے اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''فیاض کی حسن پرستی عمران پر اظہر من الشّمس تھی۔ وہ ہر دوسرے تیسرے دن اسٹینو بدلتا تھا۔'' (پتھر کا خون: جاسوسی ادب۔ ج9 ص12)

فیاض کی ایک اور کمزوری اس کا اپنی بیگم سے ڈرنا ہے۔ ان ہی کمزوریوں کے سبب وہ عمران کے ہاتھوں بار بار بلیک میل ہوتا ہے اور ایسے ایسے راز اگل دیتا ہے جو خاص محکمۂ سراغرسانی کے ''حقوق'' ہوتے ہیں۔ عمران انھیں لے اڑتا ہے اور اپنی ٹیم میں تیس مار خاں بن جاتا ہے۔

''**انسپکٹر آصف**'' کی تمام کمزوریوں سے انور واقف ہے نیز وہ اسے 'محکمے کا سب سے بڑا رشوت خور' کہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے نام سے انسپکٹر آصف کانپ جاتا ہے۔ انور بھی اس کمزور پوائنٹ کا خوب فائدہ اٹھاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ آصف کا نام لے کر وہاں بھی درانہ وار داخل ہو جاتا ہے جہاں پولیس کے امتناعی احکام نافذ ہوتے ہیں۔ اس طرح اس کا مقصد فریدی کی مدد کرنا اور اپنے اخبار ''**اسٹار**'' کا پیٹ بھرنا ہوتا ہے۔

''**تھریسیا**'' جوزیرولینڈ کی حکمران ہے اور اس کی تعمیر و توسیع کے مسلسل منصوبے

بناتی رہتی ہے۔ اس کی کمزوری عمران ہے۔ وہ عمران کی دشمن ہے مگر جذبۂ دل دشمنی کو میٹھا سا رنگ دے دیتا ہے۔ وہ جولیا سے کم عمران کی دیوانی نہیں ہے۔ وہ عمران کے منہ سے بس یہی سننا چاہتی ہے کہ ''اسے اس کا ہلکا سا خیال رہتا ہے۔'' پھر اس پر چاہے آرے چل جائیں اسے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ وہ عمران کے آگے بچھ جاتی ہے۔ ''پیاسا سمندر'' میں اس کا والہانہ قربان ہونے اور فنائیت کا انداز بہت خوب ہے۔ ایک جگہ جب عمران نے اس سے ''تھریس'' کہا تو اس کی جاں نثاری تصورات سے نکلنے کو بے تاب ہو جاتی ہے۔

''عمران ڈارلنگ۔'' وہ آنکھیں بند کیے ہوئے رک رک کر بولی۔ ''اس لہجے میں خلوص نہیں ہے مگر تھریس! آج تک کسی نے مجھے اتنی بے تکلفی سے مخاطب نہیں کیا۔ میرا لیڈر ہیف ڈریک بھی مجھے مادام کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔ اف کتنی حلاوت ہے اس بے تکلفانہ لہجے میں۔ اس طرز تخاطب میں۔ عمران میں پیاسی ہوں۔ اسی طرز تخاطب کی پیاسی ہوں.....''

(پیاسا سمندر: جاسوسی ادب: ج12 ص149)

مگر عمران پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ تھریسیا کے الفاظ و احساس میں اس کے دل پر پاؤں رکھ کر آگے بڑھ جاتا ہے.... تھریسیا مایوس ہو جاتی ہے اور اس کی بے رخی دیکھ کر وہیں زہر کھا لیتی ہے۔

اسی طرح اور بھی کردار ہیں جن میں کوئی نہ کوئی کمزوری تھی۔ کمزوریاں ہونا کوئی عیب نہیں ہوتا یہ تو انسانی زینت ہوتی ہیں اور اس کی پہچان۔ ابن صفی کے کرداروں میں یہ خوبیاں تھیں جو انھیں جیتا جاگتا اور زندہ انسان ثابت کرتی ہیں۔

ابن صفی کے کرداروں کے حقیقی ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ مجرموں کو پکڑنے کے وہی طریقے استعمال کرتے ہیں جو معروف اور رائج ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی ان سے غلطیاں بھی سرزد ہو جاتی ہیں اور مجرم سامنے ہونے کے باوجود صاف بچ نکلتا ہے۔ ''ہمزاد کا مسکن'' میں فریدی دھوکا کھا کر اپنی غلطی کا اعترف کرتے ہوئے انور سے کہتا ہے:

''.....مجھ سے سرغنہ کے سلسلے میں زبردست غلطی ہوئی تھی!''

''کیسی غلطی؟''

''وہ میرے سامنے تھا لیکن میں اسے ایک غیر اہم آدمی سمجھتا رہا....''

(ہمزاد کا مسکن: جاسوسی ادب۔ ج57 ص345)

یہ زندہ جاوید کردار مجرموں کے تئیں ہمدردی کا جذبہ بھی رکھتے ہیں۔انھیں مجرم سے نہیں جرم سے نفرت ہے۔چنانچہ ان کے ذریعے انجام دیے جانے والے جرائم پر تو ان کے دل رو پڑتے ہیں۔''خطرناک بوڑھا''میں فریدی افسوس کرتے ہوئے کہتا ہے:

''میں جب بھی کسی مجرم کو قانون کے حوالے کرتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ کیا اب ہمیں مجرموں سے پناہ مل جائے گی۔کیا مجرموں کو سزا دینے سے وہ برائی مٹ جائے گی جس میں مبتلا ہو کر یہ پھانسی کے تختے کی طرف آتے ہیں۔اب تک کروڑوں قاتل سزائے موت پا چکے ہوں گے لیکن کیا اب قتل نہیں ہوتے۔کیا مجرموں کی تعداد کم ہو گئی ہے....؟'' (خطرناک بوڑھا: جاسوسی ادب۔ ج11 ص62۔63)

اسی طرح ''بے چارہ شہ زور''میں عمران کہتا ہے:

''.......اس شخص کے لیے میرا دل رو رہا ہے۔کاش اس کے انتقامی جذبے نے انفرادی رنگ اختیار کرنے کے بجائے ایسی تحریکوں کا ساتھ دیا ہوتا جو ظلم اور جبر کے نظام کو مٹا دینے کے لیے کام کر رہی ہیں!''

(بے چارہ شہ زور: ڈائجسٹ نما۔ ج248 ص144)

''خون کا دریا'' کا یہ اقتباس بھی ملاحظہ کیجیے جس میں فریدی ڈاکٹر ضرغام جیسے جرائم پیشہ شخص کے بچائے جانے پر افسوس کرتے ہوئے کہتا ہے:

''بہر حال یہ میری پہلی شکست ہے۔''

''شکست کیوں؟''ڈی آئی جی نے کہا:''اگر حکومت بیچ میں نہ آجاتی تو تم نے سارے عقدے حل ہی کر لیے تھے۔''

''مجھے عقدوں سے زیادہ بے گناہوں کی جانوں کا خیال رہتا ہے۔وہ غریب لڑکی بھی ماری گئی اور اتنا فضول خون بہا....اس لیے کہ مجرم ایک بادشاہ ہے۔''

(خون کا دریا: جاسوسی ادب۔ ج14 ص313)

اس واقعے کے بعد فریدی عرصے تک غمگین رہتا ہے۔

اسی طرح وہ ''سانپوں کے مسیحا''میں ڈاکٹر چنگیزی کے روح فرسا مظالم کا انکشاف کرنے کے دوران حمید کے ایک سوال کے جواب میں کہتا ہے:

''ہاں حمید صاحب! آدمی جب درندگی پر اتر آتا ہے تو جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔کیا تم نے کبھی کسی کتے کو دوسرے کتے کا گوشت کھاتے دیکھا ہے۔''

(سانپوں کا مسیحا: جاسوسی ادب۔ ج51 ص۔287)

شاہکار ناول ''خطرناک لاشیں'' کے اختتام پر کھلنڈرا اور بے فکرا عمران انسانوں کی تخریبی جدت' انسانیت کش ایجادات اور ان کی تباہ کاریوں پر ماتم کرتے ہوئے آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔اس ہیجانی وقت میں اس کے منہ سے اس طرح کے درد انگیز جملے نکلتے ہیں:

''میرا دل چاہتا ہے کہ یہیں سڑک پر ناچنا شروع کر دوں!''

''اگر آپ ایسا کر بیٹھے تو میں تو اسے دیوانگی کہوں گا عمران صاحب!''

''تم دیوانوں کی سی باتیں کر رہے ہو صفدر۔اگر تمہیں کبھی کوئی ہوش مند آدمی مل جائے تو مجھے اس کے پتے سے ضرور آگاہ کرنا میں اسے کسی عجائب گھر میں رکھوا دوں گا تا کہ دیوانے اسے دیکھ کر محظوظ ہو سکیں۔اگر میں سڑک پر ناچنا شروع کر دوں تو تم مجھے دیوانہ کہو گے لیکن لاشوں پر ناچنے والے سورما کہلاتے ہیں۔انھیں اعزاز ملتے ہیں.....ان کی چھاتیاں تمغوں سے سجائی جاتی ہیں!''

(خطرناک لاشیں: جاسوسی ادب۔ ج15 ص64)

یہ کیفیات اسی وقت پیدا ہوتی ہیں جب سینوں میں حساس دل دھڑکتے ہیں اور یہی انسانیت و زندگی کی علامتیں ہیں۔اگر کوئی دل ''حس'' سے عاری ہو' معاشرتی برائیوں پر نہ روئے' ملک پر منڈلاتے خطرات کا ادراک نہ کرے اور دنیا کو تباہی کے دہانے لیجانے والی مشینوں' ایجادات' سوچوں اور منصوبوں پر ماتم نہ کرے وہ جن' پری' مافوق الفطرت حیوان یا کچھ اور تو ہو سکتا ہے انسان نہیں ہو سکتا۔

یہ خوبی بھی ابن صفی کے کرداروں کو جیتا جاگتا انسان ثابت کرے گی کہ ان میں ہنسنے ہنسانے، فلسفہ بگھارنے، مجرموں کے گناہوں پر افسوس کرنے، کلبوں، ہوٹلوں، پارکوں، بیچوں پر گھومنے، لانگ ڈرائیونگ کرنے، اٹھکیلیاں کرنے، ساتھیوں کو دق کرنے اور انھیں نیچا دکھانے جیسی عادتیں موجود ہیں۔ یہ ہی خوبیاں ایک انسان کامل میں پائی جاتی ہیں۔ وہ حالات کی سنگینوں، معاشرے کی بے راہ رویوں اور لوگوں کی تخریبی سوچ پر بھی بے لاگ تبصرے کرتے ہیں اور ہاں! صرف تبصرے کر کے مسائل کو کھلے زخموں کی طرح نہیں چھوڑتے بلکہ ان کا علاج، مداوا، تدارک اور انسداد کے طریقے بھی تلاش کرتے ہیں۔

دیو مالائی کردار ایسی باتیں کبھی نہیں سوچ سکتے ایسا صرف وہی سوچ سکتے ہیں جو زندگی سے بھرپور ہوتے ہیں۔ مجھے کہنے دیجیے کہ ابن صفی کے کردار نہ صرف زندہ ہیں بلکہ زندوں کے بھی امام ہیں۔

ابن صفی ایسے زندہ جاوید کردار پیش کر کے اپنے معاصرین سے آگے نکل گئے اور ایشیا کے محبوب ترین مصنف بن گئے۔

عمران عاکف خاں، اسلامک بک سروس، پٹوڈی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی میں بطور معاون مدیر خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اقوالِ ابن صفی

ملنسار اطہر احمد

ابن صفی کو مفکر، دانش ور، جاسوسی ناول نگار کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ وہ کائنات اور انسان سے وابستہ تمام معاملات پر نہایت ہی سنجیدگی اور گہرائی سے غور و فکر کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کی جاسوسی ناولوں میں جا بجا ان کے دانشوارنہ افکار و خیالات کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔

اقوالِ ابن صفی کے بارے میں غور فکر کرتے ہوئے سب سے پہلے میرے ذہن میں یہ سوال آیا کہ کیا فکشن کے کرداروں کی آپسی گفتگو اور مکالموں کو منصف کے اقوال سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔ اس سوال کا سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ فکشن نگار کرداروں کا خالق ہوتا ہے اور کرداروں کے افعال و اقوال میں منصف کی ہی شخصیت کا پرتو جھلکتا ہے۔ لہذا فکشن کے کرداروں کی باتوں کو مصنف کے اقوال سے منسوب کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ دراصل یہ سوال میرے ذہن میں آنے کی وجہ بھی خود ابن صفی کی جاسوسی ناولوں کا بیانیہ ہے۔ ان کے بیانیہ کی یہ بڑی خوبی ہے کہ وہ کبھی اپنے افکار اور کسی بھی موضوع سے متعلق اپنی رائے کا براہ راست اظہار نہیں کرتے بلکہ اس کام کے لئے وہ اپنے تخلیق کردہ کرداروں کو وسیلہ بناتے ہیں۔ ان کے بیانیہ کی دوسری بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ کرداروں کے توسط سے اپنے افکار اور خیالات کو بلا موقع و محل اپنے قارئین پر زبردستی تھوپتے نہیں، بلکہ مناسب موقع و محل اور صحیح صورت حال کا انتظار کرتے ہیں تا کہ درکار صورتحال از خود کہانی کے بطن سے جنم لے۔ چنانچہ ان کے ناولوں میں ابن صفی کی شخصیت پس منظر میں ہوتی ہے اور پیش منظر میں ان کے کرداروں سے ملاقات ہوتی ہے۔ ان کے افکار جاننے، ان

کی باتیں سننے کا موقع ملتا ہے۔ان باتوں میں یقیناً ایسی کئی باتیں ہوتی ہیں جنہیں بغیر کسی پس وپیش کے اقوال کے خانے میں رکھا جا سکتا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قول سے مراد ہے؟ قول سے مراد وہ مقولہ بیان جس میں حکمت، پند ونصیحت اور تنبیہ کا پہلو ہو۔انسانی زندگی کی کوئی آفاقی صداقت بیان کی گئی ہو جس میں انسان کے انفرادی اور اجتماعی تجربے اور مشاہدے کا نچوڑ ہو۔

''اقوال ابن صفی''...... بظاہر یہ موضوع آسان اور انتخاب کی ذمہ داری تک محدود لگتا ہے لیکن قول اور اقتباس میں امتیاز کریں تو انتخاب کا یہ کام کسی قدر کٹھن محسوس ہوتا ہے۔ جہاں تک ابن صفی کا سوال ہے تو انسانی فطرت، انسانی معاشرہ، جمہوری نظام، عورت اور مرد کی جداگانہ فطرت اور ان کی نفسیات، معاملاتِ عشق اور عشق کے سلسلے میں عورت اور مرد کے رویوں اور سوچ میں فرق اور دانشمندی اور حماقت کے بارے میں متعدد اقوال موتیوں کی طرح ان کی جاسوسی ناولوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔

آیئے، سب سے پہلے انسانی فطرت کے حوالے سے ان کے اقوال پر نظر ڈالیں۔

انسانی فطرت کے ایک بہت ہی اہم اور بنیادی وصف کی جانب اشارہ کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں ''دنیا کا ہر آدمی دوسرے پر اپنی برتری ضرور جتانا چاہتا ہے'' (ڈاکٹر ڈریڈ)۔ چنانچہ اس فطری خواہش ہی کا نتیجہ ہے کہ ''ہر آدمی اپنی راہ کا کانٹا ہٹا دیتا ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے'' اس فطری عمل کی توضیح کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں'' کبھی اس فعل کی حیثیت انفرادی ہوتی ہے اور کبھی اجتماعی۔ اجتماعی حیثیت کو ہم قانون کہتے ہیں'' (کچلی ہوئی لاش)۔ دوسروں پر برتری کی آواز میں آدمی اپنی راہ کا کانٹا ہٹا کر ذاتی آسودگی کا طلبگار رہتا ہے''ہم سب ذاتی آسودگی چاہتے ہیں ہر معاملہ میں! لیکن حالات کے ساتھ ہی آسودگی حاصل کرنے کا طریقہ کار بھی بدلتا رہتا ہے''۔ (نیلے پرندے) بے مطلب اور بے معنی گفتگو کے مقابلے میں خاموشی سونا ہوتی ہے لہذا ابن صفی کہتے ہیں ''اِدھر اُدھر کی باتوں میں آدمی ہمیشہ ننگا ہو جاتا ہے......تم اِدھر اُدھر کی باتوں میں غیر شعوری طور پر اپنی کردار کی جھلکیاں دکھاتے چلے جاؤ گے'' (رائفل کا نغمہ)

ابن صفی کی تمام جاسوسی ناولوں کا بنیادی موضوع جرائم کی دنیا ہے۔ وہ جرائم کے اسباب اور معاشرہ میں اس کے مختلف محرکات پر غور وفکر کرتے ہیں۔ان کی روک تھام اور اصلاح معاشرہ کے ضمن میں مختلف نظام ہائے حیات کے حوالے سے گفتگو کرتے ہیں۔آدمی کی سرشت، انسانی معاشرے، جرائم اور جمہوری نظام کے حوالے سے ابن صفی کے حسبِ ذیل اقوال بھی ملاحظہ فرمایئے۔ان اقوال سے ابن صفی کی دانشوری اور دروں بینی کا احساس ہوتا ہے۔ یہ اقوال اپنے سیاق وسباق میں معنوی اعتبار سے اہم ہیں اور ساتھ ہی کیفیت کے اعتبار سے ان اقوال میں فلسفیانہ، مصلحانہ اور طنزیہ رنگ جھلکتا ہے۔

1. ''آدمی کتنا ہی بدل جائے لیکن نسلی خصائل کبھی نہیں بدلا کرتے''۔ (گیت اور خون)
2. ''ہر آدمی سے اس کی زندگی میں کوئی نہ کوئی کمینہ پن ضرور سرزد ہوتا ہے، خواہ وہ کتنا ہی دامن بچائے''۔ (لڑکیوں کا جزیرہ)
3. ''جانور مستقبل سے بے نیاز ہوتا ہے اور آدمی مستقبل کے لئے مرا جاتا ہے''
4. ''مزاج کا جدی پن عقل سلیم کو ہڑپ کر جاتا ہے''۔ (خوشبو کا حملہ)
5. ''بڑھاپے کا خیال آدمی کو اور زیادہ بوڑھا کر دیتا ہے''۔ (خطرناک جواری)
6. ''ہر آدمی بے خبری اور خوف کی حالت میں ہمیشہ اپنی مادری زبان بولتا ہے''۔ (جہنم کی رقاصہ)
7. ''مشتعل دماغ کے لوگ سازشیں کر سکتے اور نہ ہی کسی سازش کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ سازش کے لئے دماغ کا ٹھنڈا ہونا ضروری ہے''۔ (آخری آدمی)
8. ''آدمی اسی وقت مر جاتا ہے جب اس کے قدم خود فریبی کی طرف اٹھتے ہیں''۔ (رائفل کا نغمہ)
9. ''حرام خوری آدمی کو سنگدل بنا دیتی ہے''۔ (پُراسرار وصیت)
10. ''تعلیم کا غلط استعمال اور انسانی خواہشات کا حدِ اعتدال سے آگے بڑھنا انسان کو گمراہ کر سکتا ہے''۔ (مصنوعی ناک)
11. ''شہنشاہیت میں تو ایک نالائق سے دوچار ہونا پڑتا ہے لیکن جمہوریت میں نالائقوں کی

ایک پوری ٹیم وبالِ جان بن جاتی ہے۔ایک نالائق سے پیچھا چھڑانا آسان ہے لیکن پوری ٹیم سے نپٹنا مشکل ہو جاتا ہے‘‘۔(بھیانک جزیرہ)

12. ’’جو بھی اپنی حدود سے تجاوز کرے گا دشواری میں ضرور پڑے گا‘‘۔ (مونالیزا کی نواسی)

13. ’’جس معاشرے کے افراد مستقبل کی طرف سے مایوس ہو جاتے ہیں وہیں جرائم کی گرم بازاری بھی ہو جاتی ہے‘‘۔ (گارڈ کا اغوا)

بقول علامہ اقبال ’’وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ‘‘۔ بلاشبہ ابن صفی نے اپنی جاسوسی ناولوں میں چند بہترین اور ناقابلِ فراموش نسوانی کردار تخلیق کئے ہیں۔مرد کے مقابلے میں وجودِ زن، اس کی فطرت اور نفسیات سے متعلق ابن صفی نے اس قدر کثرت سے اپنے افکار، تاثرات اور احساسات کا اظہار کیا ہے کہ صرف عورت کے حوالے سے ان کے اقوال کا الگ سے جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ان کا ماننا ہے کہ ’’عورت ایک ایسی ضرورت ہے جس سے پیچھا چھڑانا محال ہے‘‘ (بے گناہ مجرم) ان کے ایک بہت ہی مقبول اور دلچسپ کردار حمید کے اعصاب پر ہمیشہ عورت سوار رہتی ہے۔چنانچہ ایک موقع پر ناول ’’خطرناک بوڑھا‘‘ میں فریدی حمید سے کہتا ہے ’’دن رات عورت عورت چلانا اور چیز ہے اور عورت کی فطرت کا مطالعہ اور چیز......عورت سے قریب رہ کر تم ہرگز عورت کو نہیں پہچان سکتے کیونکہ تمہاری جذباتیت جو عورت کے قرب کی وجہ سے جاگ اٹھتی ہے تمہیں اس کی فطرت کا مطالعہ نہیں کرنے دیتی۔وہ اس کی کمزوریوں کو حسن اور آرٹ کا رنگ دے کر ان کی پردہ پوشی کرتی ہے۔‘‘

گو عورت سے متعلق ابن صفی کے افکار و خیالات سے اختلاف کی گنجائش ہے تاہم عورت کے بارے میں ان کے چند منتخب حسبِ ذیل اقوال کو پڑھ کر یہ شدید احساس ہوتا ہے کہ عورت اور اس کی نفسیات کا ابن صفی نے بہت ہی گہرائی سے مشاہدہ اور مطالعہ کیا تھا۔ان اقوال میں فلسفیانہ رنگ گہرا نظر آتا ہے۔

1. ’’عورتوں میں غلام بنانے کی خواہش مردوں سے زیادہ ہوتی ہے‘‘۔ (اندھیرے کا شہنشاہ)

2. ’’عورتوں جمالیاتی حس کی تسکین کا باعث نہیں بن سکتی‘‘۔ (دھواں اٹھ رہا تھا)

3. ’’کسی مرد کے متعلق عورتوں کی چھٹی حس فوراً اعلان کر دیتی ہے کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے‘‘

4. ’’دنیا کی کوئی عورت ڈرپوک نہیں ہوتی۔وہ صرف اداکاری کے لئے پیدا ہوتی ہے‘‘۔ (مناروں والیاں)

5. ’’دنیا کی کوئی عورت بدصورت نہیں ہے، ہر عورت حسن کا کوئی نہ کوئی پہلو دبائے بیٹھی ہے‘‘۔ (ایش ٹرے ہاؤز)

6. ’’عام طور پر عورتیں ایسے مرد کو پسند کرتی ہیں جو جلدی سے قابو میں آجائے‘‘۔ (ایڈلاوا)

7. ’’ہر عورت مردون سے ہر وقت صرف اپنے متعلق کچھ سننا چاہتی ہے‘‘۔ (تجوری کا راز)

8. ’’ہر عورت کی فطرت میں مامتا کا کچھ نہ کچھ جز وضرور ہوتا ہے اور یہ مامتا اس وقت بڑی شدت سے جاگ اُٹھتی ہے جب وہ کسی ایسے مرد کو تکلیف میں دیکھتی ہے جس کا اس سے کطھ تعلق ہو‘‘۔ (خطرناک بوڑھا)

عورت کے مقابلے میں مرد کی فطرت اور نفسیات سے متعلق ابن صفی کی جاسوسی ناولوں میں اقوال کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔

1. ’’دنیا کے سارے مرد بیوی کی موجودگی میں بھی کسی دوسری عورت کے خواب دیکھتے رہتے ہیں‘‘۔ (کالے چراغ)

2. ’’ذہن سے ذہن مرد کے رشتے، ان کے درمیان فطری کشش، معاملاتِ عشق اور عشق کے سلسلے میں عورت اور مرد کے رویوں اور سوچ میں فرق کے بارے میں بھی ابن صفی نے لکھا ہے۔

1. ’’ہر عاشق کو اس کی محبوبہ پُراسرار معلوم ہوتی ہے‘‘۔ (کالے چراغ)

2. ’چاہنے والوں سے محبوبوؤں کی بات چھپی نہیں رہتی۔وہ ہر وقت ان کے متعلق سوچتے رہتے ہیں اور ان کے بارے میں سب کچھ جاننا چاہتے ہیں‘‘۔(رقاصہ کا قتل)

ابن صفی کے دواہم دانشمند کردار فریدی اور عمران ہیں۔ بالخصوص پرُ اسرار، دلچسپ اور ارادتاً احمق نظر آنے والے کردار عمران کے حوالے سے انہوں نے دانشمندی اور حماقت کے بارے میں بار بار اپنے خیالات ک اظہار کیا ہے جن میں تلخی کا عنصر ہے۔اس ضمن میں ان کے پانچ قول پیشِ خدمت ہیں۔

1. ''دوسروں کو الو بنانے کا سائنٹفک طریقہ یہ ہے کہ خود الوّ بن جاؤ''۔ (پرُ اسرار چیخیں)
2. ''بےوقوف نظر آنے والے بڑے خطرناک ہوتے ہیں''۔ (خطرناک جواری)
3. ''آج کی حماقت کل کا فلسفہ کہلاتی ہے''۔ (مناروں والیاں)
4. ''وہ اول درجہ کا بےوقوف ہوتا ہے جو عقلمند معلوم ہو''۔ (بحری یتیم خانہ)
5. ''حماقت کا احساس ہوجانا دانشمندی کی علامت نہیں ہے۔ دانش مند وہ ہے جو مسلسل حماقتوں کا مرتکب ہوتا چلا جائے حتیٰ کہ لوگ اسے سچ مچ دانش مند تسلیم کریں۔ بھلا حماقت کا احساس ہوجانے کے بعد پچھتاوے کے علاوہ اور کیا ہاتھ آتا ہے''۔ (ایش ٹرے ہاؤز)

ابن صفی کی جاسوسی ناولوں کی ایک اہم خوبی ان کا پرکشش اور والہانہ اسلوب ہے۔ طرز تحریر میں روانی، بے ساختگی اور برجستگی ہے۔وہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ خیالات کو سمیٹتے ہیں۔اختصار کی اس خوبی کی وجہ سے پرُمغز، فکر انگیز اور دلنشیں اقوال ابن صفی کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ملنسار اطہر احمد' اسسٹنٹ ڈائرکٹر' آکاش وانی' بنگلور۔

صفاتِ ابنِ صفی

قائد حسین کوثر

اپنی پوری ادبی زندگی میں ابن صفی اردو کے تنقید نگاروں پر جگہ جگہ چوٹ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔وہ اردو تنقید سے سخت نالاں تھے۔وہ چاہتے تھے کہ ادب کے سنجیدہ لوگ ان کی تحریروں کا نوٹس لیں لیکن ان کی زندگی میں کسی نے ان کی قلمی کاوش پر ایک جملہ بھی نہیں لکھا۔ ہرچند کہ تمام بڑے بڑے ادیب وشاعر، مذہبی وسیاسی رہنما، ادب وآرٹ سے وابستہ لوگ ان کی ناولوں سے اکتساب لطف کرتے اور ان کے ہر ناول کا بےصبری سے انتظار کرتے لیکن ان کا اعتراف کرنے میں ہمیشہ ہچکچاتے رہے۔

ابن صفی کی موت پر یونیورسٹی کی سطح پر درس وتدریس سے وابستہ افراد میں سب سے پہلا مضمون جناب مجاہد حسین حسینی نے سپرد قلم کیا تھا۔ جناب مجاہد مہاتما گاندھی پوسٹ گریجویٹ کالج، ممبئی میں اردو کے لیکچرر کے عہدے سے تب ریٹائر نہیں ہوئے تھے۔ان کا مضمون ''میرے استاد-ابن صفی'' کانپور سے نکلنے والے ماہنامہ 'کاوش جدید' میں جون 1980ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا۔کسی حد تک یہ تاثراتی مضمون زیادہ تھا اور اس میں ابن صفی کی شخصیت کو انہوں نے ایک ایسے شفیق استاد کی حیثیت سے یاد کیا تھا جس نے ہائی اسکول تک یادگار حسینی ہائر سکنڈری اسکول الہ آباد میں انہیں پڑھایا تھا۔

جناب حسینی نے اس مضمون میں ابن صفی کی ذہانت اور ظرافت سے پرُ شخصیت کا خاکہ کھینچتے ہوئے اعتراف کیا تھا کہ انہوں نے جاسوسی ناولوں کے ذریعہ اردو ریڈر شپ کے فروغ دینے کا جو بےمثل کارنامہ تنہا انجام دیا ہے، وہ بہت سے ادارے مل کر بھی نہیں کر سکتے تھے۔

ہمارا حلقہ ادب یعنی ادب سے جڑے سنجیدہ لوگ، بالخصوص تنقید نگار ابن صفی اور دوسرے مقبول عام مصنفوں کی طرف شائد اتنی جلد متوجہ نہ ہوتے اگر 2006ء میں، اردو اکادمی، دلّی نے 'پاپولر ادب' کے موضوع پر باقاعدہ کل ہند پیانے کا سیمنار منعقد نہ کیا ہوتا۔ ابن صفی اور دوسرے مقبول عام رائیٹروں کی بازیافت کا سارا سہرا دلّی اردو اکادمی دلّی کی اس مستحسن کوشش کے سر جاتا ہے۔ اس سمینار کے بہانے ان لوگوں پر بھی گفتگو کے اچھے دور کا آغاز ہو جو، عوامی مقبولیت کا پیمانہ بن چکے ہیں۔

2006ء کے مذکورہ سیمنار کے بعد اردو ادب میں عوامی مقبولیت حاصل کرنے والے ان مصنفین کے نام ادب احترام سے لینے کا دور شروع ہوا جنہیں سن کر ہمارے تنقید نگار پہلے برا سا منھ بنا کر ناک بھوں سکوڑ لیتے تھے۔ اب ہم ابن صفی کے ساتھ دوسرے معاصر مقبول عام مصنفوں مثلاً اکرم الہ آبادی، اظہار اثر، عارف مارہروی کا نام ادب سے لینے پر مجبور ہیں۔ ہر چند کہ اس ضمن میں کچھ ناموں پر ابھی تک کسی نے توجہ نہیں دی ہے مثلاً لکھنؤ کے مسعود جاوید اور الیاس سیتاپوری۔

یہ سچ بھی ہے کہ ابن صفی کا ہر ناول اپنے اندر ندرت کا عجب وغریب خزانہ لے کر سامنے آتا کہ اسے محض ایک بار پڑھنے سے سیری نہیں ہوتی بلکہ جب تک بار بار نہ پڑھ لیا جائے تب تک چین نہیں پڑتا۔ ابن صفی نے فریدی حمید سیریز اور عمران سیریز میں جو مستقل کردار مصروف عمل دکھائے ہیں، وہ ہماری دنیا کے جیتے جاگتے نظام کا حصہ ہیں۔ انہوں نے اپنے کرداروں کو مافوق الفطرت یا طلسماتی قوتوں والا انسان نہیں بنایا بلکہ ایک عام سا انسان دکھایا ہے۔ انہوں نے اپنے کرداروں کو ہمیشہ فاتح بھی نہیں دکھایا بلکہ معمولی معمولی مجرموں سے شکست کھاتے ہوئے بھی دکھایا لیکن انجام کار سچ کو فاتح کی حیثیت سے ضرور پیش کیا ہے۔

مستقل کرداروں کے علاوہ ابن صفی اپنے ہر ناول میں کسی نہ کسی انوکھے اور برلے کردار کو ضرور پیش کرتے اور اس کا استدلال فلسفۂ زندگی کے کسی شعبۂ سے ڈھونڈھ لاتے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ابن صفی بنیادی طور پر فلسفہ کے آدمی تھے۔ ان کے عزیز دوست شبنم نقوی کے مطابق اسرار

نے انٹرمیڈیٹ سے ہی فلسفۂ کی کتابیں پڑھنا شروع کر دی تھیں اور فلسفۂ کی زیادتی نے ہی انہیں دیوانگی کی منزل تک پہونچا دیا تھا۔ صرف فلسفہ ہی نہیں جنسیات اور نفسیات کا بھی انہوں نے گہرا مطالعہ کیا تھا جس کا اظہار جگہ جگہ ان کی تحریروں میں ہوا ہے۔ وہ انگریزی کے فکشن خاص طور پر سائنس فکشن کو بہت شوق سے پڑھتے۔ ابن صفی نے اپنی متعدد ناولوں میں سائنس فکشن کے وہ نمونے پیش کئے ہیں جن پر ابھی حال میں بحث شروع ہوئی ہے۔ مثلاً خلاء میں ونڈ شیلڈ قائم کرنا۔ انہوں نے سائنس داں ڈاکٹر داور کا کردار 'بے آواز سیارہ' میں پیش کیا اور خلاء کار مادہ کے جس کانسپٹ پر بحث کی ہے وہ اب ہمارے سامنے آیا ہے۔

فنون لطیفہ کے تمام گوشوں مثلا موسیقی، رقص، آرٹ، فلم، جرنلزم ...ایسا کون سا شعبہ ہے جہاں ابن صفی اپنی بھر پور ذہانت اور مثبت فکر کے ساتھ فنون لطیفہ کے نام پر پھیلائی گئی لایعنیت پر بھر پور تنقید نہیں کرتے۔

فن کے نام پر لایعنیت پھیلانے والوں پر جس مزاحیہ انداز میں ابن صفی نے گرفت کی ہے، اس کا کوئی نمونہ پورے اردو ادب میں کمیاب ہے۔ صرف آرٹ ہی نہیں، فنون لطیفہ کے تمام شعبوں ان کی گہری نظر تھی جس کا بیان جاسوسی دنیا کے صفحات پر جگہ جگہ ملتا ہے۔

ناول 'جونک کی واپسی' میں ابن صفی کے قلم سے نکلا ہوا مندرجہ ذیل جملہ کسی مقبول عام شعر کی طرح لوگوں کو ازبر ہو گیا ہے:

"......حکومتوں سے سرزد ہونے والے جرائم، جرائم نہیں، حکمت عملی کہلاتے ہیں۔
جرم تو صرف وہ ہے جو انفرادی حیثیت سے کیا جائے"

اب آیئے اس سوال پر گفتگو کی جائے کہ اگر ابن صفی عباس حسینی کے تقاضہ ہائے مسلسل کو ٹھکرا دیتے اور جاسوسی ادب تخلیق نہ کرتے تو وہ کیا کرتے؟ ان کی ادبی حیثیت کیا ہوتی؟

اس سوال پر میری رائے ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ الہ آباد کی سطح کے ایک ممتاز شاعر کی حیثیت سے اپنی جگہ بنا پاتے اور چھوٹے چھوٹے مزاحیہ خاکے یا طنز بھری عبارتیں لکھنے والے مزاح نگار طغرل فرغان کی حیثیت سے کچھ دنوں تک یاد کئے جاتے اور پھر بھلا بھی دئے جاتے۔

اس یقین کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جاسوسی دنیا کے کرداروں کی زبان سے وہ سماج کے سیاسی مذہبی لوگوں اور زندگی کے تمام شعبوں پر ہر قسم کی چوٹ کرنے کے لئے آزاد ہیں۔ بیانیہ کے لئے جس وسیع تناظر کی ضرورت ہوتی ہے وہ جاسوسی دنیا کے صفحات پر انہیں پوری طرح فراہم ہے۔

مثلاً اردو تنقید سے بری طرح نالاں ابن صفی نے 'جونک کی واپسی' کے اختتامی جملوں میں اردو کے تنقید نگاروں کو ابن صفی نے بڑی آسانی کے ساتھ محض ایک جملہ میں نپٹا دیا۔ عمران جولیا کو سنگ ہی کے بارے میں بتاتے ہوئے اس کی موجودگی کو کسی بڑے خطرہ کا پیش خیمہ قرار دیتا ہے تو جولیا اس سے پوچھتی ہے۔

"پھر تم اب کیا کروگے؟"

جواب میں عمران کہتا ہے۔ "اردو ادب کا کوئی نامور نقاد بن کر جاسوسی ناول نویسوں کو گالیاں دیتا پھروں گا"

ادبی پیرائے میں ابتذال کی منزلوں سے سر بچا کر گزر جانا ہر قلم کار کے بس کی بات نہیں۔ خاص طور پر ماں بہن کی گندی گالیوں کو ادبی پیرائے میں بیان کرنا۔ یہ کام مشتاق یوسفی نے انجام دیا ہے لیکن یوسفی کے بعد اور کون؟ اس سوال کا جواب خالص ادب میں مشکل سے ملے گا لیکن تفریحی ادب کے صفحات پر اگر آپ نے ابن صفی کو پڑھا ہوگا تو یہ کام انہوں نے اتنی آسانی سے انجام دیا ہے کہ طبیعت دنگ رہ جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو ایک مثال 'جونک کی واپسی' سے:

دنیا کے انتہائی خطرناک مجرم سنگ ہی کو زندہ دیکھ کر عمران حیرت کا اظہار کرتا ہے اور دونوں کے درمیان مکالمہ بازی ہوتی ہے، عمران سنگ سے پوچھتا ہے......

"زیرولینڈ کہاں ہے"

جواب میں سنگ ہی نے جو کچھ بھی کہا اس سے اس کی ماں کی روح ضرور شرمندہ ہوئی ہوگی اور عمران ہنس کر بولا "ناممکن"

اس چھوٹے سے اقتباس سے دو باتیں بالکل واضح ہیں۔ ابن صفی نے طنز و مزاح کے جو پھول کھلائے ہیں، وہ ان کا اپنا خاصہ تھا۔ دوئم یہ کہ ایک انتہائی گھٹیا اور گندی گالی کو ادبی پیرائے

میں بیان کرنا ان کے قلم کے لئے کوئی مسئلہ نہ تھا۔ ابتذال کی دشوار گذار منزل سے سر بچا کر گذر جانے کا ہنر وہ خوب جانتے تھے۔ ان کے متعدد ناولوں میں یہ ہنر اس طرح سامنے آتا ہے کہ طبیعت دنگ رہ جاتی ہے۔

کسی فنکار کی شخصیت کا تجزیہ کبھی بھی اس کے فن کے تناظر میں نہیں کرنا چاہیے۔ ابن صفی کی شخصیت کا تجزیہ کرنے کیلئے میں نے ان کے فن کو بنیاد نہیں بنایا بلکہ ان کے عزیز ترین دوستوں عباس حسینی، عباس شکیل جمالی اور شبنم نقوی سے کئی نشستوں میں طویل گفتگو کی اور اس نتیجہ پر پہونچا کہ ابن صفی ایک معتدل انسان ہونے کے ساتھ ساتھ ٹرانسپیرنٹ شخصیت کے مالک تھے۔ ستمبر 1979ء میں الہ آباد میں میرا قیام ایک ہفتہ تک رہا۔ اتفاق سے نوراللہ روڈ پر، میرے دوست کا گھر مرحوم عباس حسینی کے مکان سے بیحد قریب تھا۔ عباس حسینی کا کہنا تھا کہ جب انہوں نے جاسوسی دنیا کی اشاعت کا خاکہ تیار کرکے ابن صفی کو جاسوسی ناول لکھنے کی ترغیب دی تو انہوں نے شروع شروع میں اسے ہنسی میں ضرور ٹالا لیکن مسلسل تقاضوں کے بعد اچانک ایک دن سنجیدہ ہوگئے۔ سال دو سال میں بس وہ کبھی کبھار ہی سنجیدہ ہوتے اور جب ایسا کچھ ہوتا تو پھر وہ کچھ ایسا کر دکھاتے کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ جاتے۔

جاسوسی ادب کی راہ میں ابن صفی کی شاعری سب سے بڑا روڑا تھی۔ یہ وہ دن تھے کہ جب الہ آباد کے ادبی حلقوں میں بحیثیت شاعر انہیں ٹھیک ٹھاک Response مل چکا تھا۔ لہٰذا وہ اس سوال کو لے کر خاصے پریشان تھے کہ اگر جاسوسی ادب میں لگ گئے تو شاعری کا کیا ہوگا؟ بہر حال...... دس پندرہ دن کے بعد، جب عباس حسینی کا اصرار مسلسل جاری رہا تو ابن صفی نے کمالِ صرفِ جاسوسی ادب ہونے کا فیصلہ کرلیا۔

"ہم لوگوں کے درمیان کرداروں کو لے کر کافی سوچ بچار ہوا۔ مثلاً جاسوس کا نام کیا ہو، اس کی ٹیم کیسی ہو، کسی شہر کا نام لیا جائے یا نہیں۔ کیا رومانس اور نسوانی کردار کے بغیر کام چل سکتا ہے؟ یہی سب باتیں پیش بحث تھیں اور پھر جاسوسی دنیا کا جب پہلا شمارہ بطور تجربہ زوردار پذیرائی کے ساتھ سامنے آیا تو ہم سب کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا" عباس حسینی نے بتایا......

''ہمارے درمیان بزنس کو لے کر کوئی تحریری یا زبانی معاہدہ کبھی نہیں ہوا۔ شروع میں ہم نے گھاٹا اٹھایا اور پھر جلد ہی برابر پر چھوٹے۔ پھر وہ دور آیا کہ کاروبار ترقی کے راستوں پر رواں دواں ہوا مگر اسرار نے کبھی مالی معاملات میں حساب کتاب نہیں کیا، جو میں نے اسے دے دیا، اس نے گنے بغیر جیب میں رکھ لیا۔''

پیسہ اپنے ساتھ Problems لے کر آتا ہے۔ خاص طور پر دوستی کے درمیان جب یہ نا معقول شے در آتی ہے تو طرفین میں اختلاف ہونا لازمی بن جاتا ہے۔ عباس حسینی کا کہنا تھا کہ ادارۂ نکہت سے بغض و عناد رکھنے والے بعض حاسدوں نے ابن صفی کو خوب خوب ورغلایا اور یہاں تک کہا کہ اگر وہ اپنا ذاتی پبلشنگ ہاؤس قائم کرنا چاہیں تو ان کی بھرپور مدد کی جائے گی۔ اس آفر کو ردّ کرنا آسان نہ تھا مگر ابن صفی کے نزدیک عباس حسینی کی دوستی اتنی قیمتی شئے تھی کہ وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔

'جاسوسی دنیا' کے تاریخی خاص نمبر 'ڈیڑھ متوالے' مطبوعہ نومبر ۱۹۶۳ء میں ابن صفی نے اپنی اور عباس حسینی کی دوستی کے حوالہ سے منافقین کو خوبصورت پیرائے میں جواب دیتے ہوئے اس افواہ کی تردید اپنے مخصوص مزاحیہ انداز میں کی تھی کہ ان کے اور عباس حسینی کے درمیان اختلافات ہو گئے ہیں۔ ابن صفی نے ایسے حاسدوں کا مضحکہ اڑاتے ہوئے لکھا تھا ''ایک درجن ناول تو میں عباس حسینی کی صرف ایک مسکراہٹ پر قربان کر سکتا ہوں''

عباس حسینی اور دیگر دوستوں کا بیان ہے کہ ابن صفی ایک عام آدمی کی زندگی جینے کے قائل تھے۔ ان کی شخصیت بے حد شفاف (Transparent) تھی۔ اعتدال ان کے مزاج کا خاصہ تھا۔ تعیش سے پُر زندگی کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ اکثر بیڑی کو سگریٹ پر ترجیح دیتے۔ ایک بار ایک دوست پینے پلانے کیلئے ضد پر اڑ گئے۔ ابن صفی نے بے حد معصوم انداز میں کہا ''جس دن میرے منھ سے دودھ کی بُو آنا بند ہو جائے گی، اس دن سے پینا چالو کر دوں گا اور انشاءاللہ...... پہلا پیگ تمہارے ساتھ......''

اس سوال کے جواب میں کہ ابن صفی نے ترک وطن کا فیصلہ کیوں کیا...... شکیل جمالی مرحوم نے بے حد تفصیل کے ساتھ تقسیم کے بعد کے ہندوستان کی تصویر کھینچتے ہوئے کہا کہ عدم تحفظ کا

احساس، قدم قدم پر تعصب، مسلسل فسادات اور کانگریس کے اندر ہندوتو وادی لیڈروں کے آگے مسلمان لیڈروں کی بے بسی و بے حسی نے ابن صفی کو بہت مایوس کیا اور انہوں نے بادلِ ناخواستہ ترک وطن کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہر چند وہ پاکستان کے سیاسی حالات بالخصوص مہاجروں کے ساتھ ہو رہے برتاؤ سے بھی خاصے پریشان تھے لیکن انہیں یقین تھا کہ یہ منظر نامہ مستقبل میں تبدیل ہوگا۔ ابن صفی بنیادی طور پر خدا پرست تھے اور ہر اس فرد کی عزت کرتے تھے جو بلیور ہو۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں متعدد مرتبہ تقدیر پر یقین کا اظہار کیا ہے۔

مرحوم عباس حسینی نے کام کی ایک بات یہ بتائی کہ ابن صفی Ambitious بالکل نہیں تھے۔ ایک متوسط طبقہ کے فرد کی طرح آسان اور معتدل زندگی جینا چاہتے تھے۔ عباس حسینی سے جب ان کی آخری ملاقات ہوئی تو انہیں اپنی موت کا اسّی فیصد یقین ہو چلا تھا۔ لہٰذا انہیں اس بات کا خاصہ افسوس تھا کہ جب ان کی زندگی میں ہی ان کے کرداروں کی مٹّی پلید کی جا رہی ہے تو آگے کیا ہوگا۔

مرحوم شکیل جمالی سے گفتگو کے درران میں نے ابن صفی کے علالت / پاگل پن کی بابت تفصیل سے جاننا چاہا تو انہوں نے بتایا کہ کثرتِ مطالعہ سے ان کی نیند اڑ گئی تھی۔ وہ مسلسل چار چار دن جاگتے اور پڑھتے رہتے۔ خواب آور دوا کے ہائی ڈوز سے چند گھنٹوں کی نیند بمشکل انہیں نصیب ہوتی۔ مختل دماغی کے باوجود وہ کبھی متشدّد نہیں ہوئے۔ خاموش رہتے یا پھر اپنے آپ سے بات کرتے۔ فلسفہ کی کتابیں ان کے ذاتی کلکشن میں زیادہ تھیں۔ آرتھر کانن ڈائل اور اگاتھر کرسٹی کا پورا کلکشن ان کے پاس تھا۔ اس کا مسلسل مطالعہ ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

مرحوم شبنم نقوی سے میری ملاقات قیام الہ آباد (94-1993 تا 99-1998) کے دوران ہفتہ میں ایک بار ضرور ہوتی۔ مرحوم نیّر عاقل کی دواؤں کی دوکان Orient Chemist پر دوپہر میں محفل جمتی اور اکثر شبنم نقوی اس میں شریک ہوتے۔

''اسرار تھوڑا ہٹ کے تھا''، شبنم نقوی نے کہا ''شاعری بھی کچھ ایسی کرتا کہ لوگ یا تو ہنستے یا پھر چونک پڑتے''۔

شبنم نقوی نے اسرار ناروی سے طویل دوستی کے پچاسوں واقعات مجھے سنائے جن کا لب ولباب یہ ہے کہ ظرافت ابن صفی کے مزاج کا بنیادی عنصر تھا۔ ابن صفی کو بطور ہیرو راج کپور اس لئے پسند تھا کہ 'آوارہ'۔ 'شری ۴۲۰' جیسی فلموں میں اس نے ایک عام آدمی کو روتے بسورتے ہوئے نہیں پیش کیا بلکہ وہ اپنی مفلسی سے لذّت کا اکتساب کرنے کی حتی الامکان کرشش کرتا ہے۔

ہندوستان شائع ہونے والی ابن صفی کی تمام کتابوں کے آغاز میں عباس حسینی مرحوم ایک سے ڈیڑھ یا دو صفحات پر مشتمل اداریہ ہمیشہ سپرد قلم کرتے رہے جبکہ پاکستان سے شائع ہونے والی کتابوں کا اداریہ بعنوان 'پیش رس' خود ابن صفی لکھتے تھے۔

ظاہر سی بات ہے کہ جو اہمیت ابن صفی کے قلم سے نکلے ہوئے 'پیش رس/اداریہ' کی ہے ،وہ عباس حسینی کے اداریہ کی نہیں ہو سکتی۔ اپنے 'پیش رس' میں ابن صفی با قاعدہ ناول کے Content کے ساتھ اس ذہنی کیفیت اور کرداروں کی بابت کچھ نہ کچھ اہم گفتگو ضرور کرتے جبکہ عباس حسینی ابن صفی کے پورے ناول پر کچھ ہلکے ہلکے اشارے کرتے اور بطور خاص ناول کے کرداروں پر کچھ نہ کچھ ایسی گفتگو کرتے جو قاری کی آتش شوق کو بھڑکانے میں معاون ثابت ہوتی۔ اس لحاظ سے عباس حسینی کا اداریہ اپنی الگ نوعیت کا حامل ہوتا اور ابن صفی کا اداریہ الگ اہمیت کا۔

بقول شبنم نقوی ابن صفی نے جاسوسی ناول لکھنے سے پہلے کئی دن تک اردو اور انگریزی کی ڈکشنریوں کو پڑھا اور بہت سے نوٹس تیار کیے۔ اپنے تیار کردہ نوٹس کی بنیاد پر انہوں نے دوستوں سے تبادلہ خیال کیا اور پھر کافی سوچنے سمجھنے کے بعد جاسوسی دنیا کے صفحات پر انگریزی کی ترجمہ شدہ اصطلاحات کا استعمال کرنے میں یا براہ راست انگریزی کے استعمال میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کی۔ تصور کیجئے کہ قریب ساٹھ سال پہلے، ادب میں انگریزی لفظوں کو فارسی رسم الخط میں لکھنے والے کتنے لوگ ملیں گے۔ ابھی پچّیس سال پہلے جب ممتاز مفتی نے اردو میں بے تکان انگریزی لفظوں بلکہ جملوں کو ادا کرنا شروع کر دیا تو ان پر خاصی تنقید ہوئی۔ ادب کے ایک مولوی نما بیوروکریٹ نے اپنے مضامین سے با قاعدہ ایک مہم چلا دی کہ ناگزیر حالات کے علاوہ ادب میں

انگریزی کا استعمال 'حرام' سمجھا جائے۔ دہلی کے ایک سرکاری ماہنامہ کے ایڈیٹر نے تو با قاعدہ اس پر طویل قسم کا اداریہ سپرد قلم کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ انگریزی کا غیر ضروری استعمال کرتے ہوئے ہم اردو دشمنی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ابن صفی نے ہمیشہ بڑی سے بڑی انگریزی اصطلاح یا انگریزی جملہ کو ایزاِٹ از اردو میں اس طرح فِٹ کر دیا کہ انگریزی زبان اردو میں Dissovle ہو گئی۔ ابن صفی کی ذات بھی کچھ ایسی تھی کہ اپنے من پسند دوستوں کی محفل میں پہنچ کر اپنے آپ کو اس پر تکلف پورے ماحول میں اس طرح Dissovle کر دیتے کہ جہاں ہر دوست کی آواز دوسرے دوست کے سر سے ہم آہنگ ہو کر ان کی اپنی آواز بن جاتی۔ ایسے میں وہ اپنے اس شعر کی مجسّم تصویر بن جاتے۔

جو کہہ گئے وہی ٹھہرا ہمارا فن اسرآر
جو کہہ نہ پائے، نہ جانے وہ بات کیا ہوتی

قائد حسین کوثر، انفارمیشن افسر، محکمہ اطلاعات، رابطہ عامہ، اتر پردیش ہیڈ کوارٹر، سوچنا بھون۔

ابنِ صفی اور سِرّی ادب

ابومتین

اِبن صفی اُدودنیا کے ایک عظیم فنکار اور سرّی ادب کے معمار ہیں۔ لیکن ان کی خداداد صلاحیت یوں ہی نکھر کر سامنے نہیں آئی بلکہ ان کو بنانے اور سنوارنے میں بچپن کا سازگار ماحول بھی بہت حدتک مددگار رہا ہے۔ پھر اِلہ آباد کی ادبی سوسائٹی نے بھی ابن صفی کو نکھارنے میں اہم رول ادا کیا تھا نکہت کلب کے یاران طریقت کو بھی اس سلسلے میں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اِلہ آباد کے قیام میں آپ کو جن ادب دوستوں سے سابقہ پڑا وہ سب اپنے وقت کے اعلیٰ فنکار رہے ہیں یعنی جمال رضوی (شکیل جمالی) سید مجاور حسین (ابن سعید) اور راہی معصوم رضا (شاہد اختر) فراق گورکھپوری وغیرہ۔

سِرّی ادب کا میدان نیا تھا، اُردو میں اِس کی کوئی زیادہ روایات نہ تھیں۔ انگریزی ادب سے منتقل ناولوں کی بات ہی کچھ اور تھی۔ ان میں مغرب سے مشرق کا بعد ہے۔ اِبن صفی نے اُردو میں پہلی جاسوسی کہانی لِکھ کر اِس کا آغاز کردیا تھا۔ سرّی ادب کے اِس معمار نے جاسوسی کہانیوں کی ابتداء ''دلیر مجرم'' سے کی تھی۔ اس پہلے ناول میں حمید اور فریدی کا ابتدائی تعارف بھی شامل ہے۔ دلیر مجرم کے ساتھ ہی ان کا قلمی نام ابن صفی قرار پایا۔

جس دَور میں اِبنِ صفی نے یہ ناولیں لکھنی شروع کی تھیں اس وقت اُردو ادب میں جنسیت کو مرکزی اہمیت حاصل تھی اس کے بغیر تفریح کا تصوّر بھی محال تھا۔ ایسے پر آشوب دَور میں انہوں نے واضح طور پر اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ وہ موجودہ بھیڑ چال سے کوئی واسطہ نہیں رکھیں گے

اور مثالی ادب کی تخلیق کے ذریعہ معاشرے کی اِصلاح کا بیڑہ اٹھائیں گے۔ اِبنِ صفی فن اور فکر میں فن کو فوقیت دینے کے قائل ہیں۔ فن دراصل قاری کی توجہ کو کہانی کی طرف مرکوز رکھنے کا کام کرتا ہے۔ اگر اِبنِ صفی اس کو کم اہمیت دے کر مقصد اور فکر کو حاوی کرنے کی کوشش کرتے تو وہ جاسوسی کہانی بننے کے بجائے وعظ یا تقریر بن کر رہ جاتی۔ اسی لیے اِبنِ صفی اپنے سسپنس کے فن کے ذریعہ کہانی کو پُراثر بنا کر آگے بڑھاتے چلے جاتے ہیں اور اِس کے بین السطور حیاتِ انسانی کے اہم مسائل کو پیش کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے کسی لاگ و لپیٹ کے بغیر صاف اعتراف کیا ہے کہ تفریح طبع کے لیے لکھے جانے کے باوجود ناولوں میں مقصدیت کی شمولیت لازم رہی ہے۔

پہلی ناول ''دلیر مجرم'' سے لے کر ''آخری آدمی'' کی ادھوری ناول تک ابن صفی نے جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ سِرّی ادب کی دنیا میں سنہری حرفوں سے نقش کرنے کے قابل ہے۔ وہ پیدائشی ادیب تھے اس لیے عابد رضا بیدارؔ نے اِبنِ صفی کی کہانیوں کو نئے زمانے کی طلسم ہوش ربا قرار دیا ہے۔ اِبنِ صفی کی وجہ سے اُردو ادب میں ایک نئی صنف کا اضافہ ہوا ہے۔ داستانوی ادب کے تخیّل کو نئے قالب میں ڈھالا گیا تھا۔ یہ ناول پہلا ہونے کے باوجود بعد کی ساری ناولوں کے ساتھ پوری مطابقت رکھتا ہے، کہ اِبنِ صفی کا قلمی نام اور سرّی ادب دونوں کا آغاز ایک ساتھ ہوا تھا۔ ''دلیر مجرم'' کے شائع ہونے کے بعد ناول کی مانگ اس قدر بڑھی کئی ایڈیشن شائع کرنے پڑے تھے۔

اِبنِ صفی کی 249 ناولوں میں صِرف آٹھ ناول انگریزی ناولوں کے پلاٹ پر لکھے گئے ہیں۔ یہ اِبنِ صفی کے فن جاسوسی ادب پر مضبوط گرفت ہونے کی دلیل ہے۔ ابن صفی کے ناولوں کا چرچا بھی اس قدر رہا کہ غیر اُردوداں حضرات بھی اس کے لیے اُردو سیکھنے لگے۔ عمران سیریز کے دو ناول ''آتش داں کا بت'' اور ''جڑوں کی تلاش'' میں اِبنِ صفی نے جرائم کو انفرادی سے بین الاقوامی انداز کی رسہ کشی میں تبدیل ہوتے دکھایا ہے۔ سوسائٹی میں جو لوگ اچھی پوزیشن کے حامل ہوتے ہیں وہ ان غیر ملکی سازشوں کے جال میں پھنس کر اپنے ملک کو نقصان پہنچانے کی جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ اِن ناولوں میں اِبنِ صفی نے ان کے رازوں کا پردہ فاش کردیا ہے۔

’’زیرولینڈ‘‘ کی خیالی دنیا اِبنِ صفی کے ذہنی اپج کی عمدہ مثال ہے یہ طاقت کی تنظیم ذہانت کو مرکزی حیثیت دیتے ہوئے سائنس اور ٹکنالوجی کے ذریعہ دنیا کی تمام طاقتوں کو چیلنج کرتی رہتی ہے۔ عالمی حکومت کا قیام اور اس کی راہ میں آنے والی خفیہ تنظیموں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے لیے ساری دنیا میں سازشوں کا جال پھیلاتی جاتی ہے۔ بڑے بڑے ملکوں کے سفید پوش عہدے دار بھی اندرونی زیر زمین تنظیم کی رکنیت حاصل کرکے اس کے لیے کام کرتے رہتے ہیں اور کسی پر یہ ظاہر نہیں ہوتا یہ نادان زیرولینڈ کے احکامات پر بے چوں و چرا عمل درآمد کرتے رہتے ہیں۔ ناول ’’ریگم بالا‘‘ میں ایک کردار کی زبانی زیرولینڈ کے بارے میں یوں تعارف کروایا گیا ہے۔ ’’ان کے وسائل لامحدود ہیں۔ سائنسی ترقی میں وہ ساری دنیا کو پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ چاند پر جا کر کنکر پتھر بٹورنے سے بھی بہت آگے ہیں‘‘۔ طاقت کی اس تنظیم کے ایجنٹوں میں نانوتہ کا سحر انگیز کردار اور اس کے ساتھ بوغا کا نادر کردار الفانسے اور سنگ ہی اور تھریسیا (T3B) کے کارناموں سے ناول کو بھر دیا گیا ہے۔ اِبنِ صفی نے اس میں لیزر، کیمیائی ہتھیاروں کے علاوہ حیاتیاتی ہتھیاروں کی بھی نشان دہی ہے۔ اسی طرح نفسیاتی جرائم کی نشان دہی کے لیے عمران سیریز کے تین ناول ’’علامہ دہشت ناک‘‘ ’’فرشتے کا دشمن‘‘ اور ’’بے چارہ شہ زور‘‘ میں قابلِ مطالعہ ہیں۔ ان میں وطن فروشی، اقتصادی جرائم، غداری وغیرہ موضوع کو کھل کر یہاں بیان کیا گیا ہے۔

اِبنِ صفی کی تصانیف میں تقریباً ہر ناول کی اپنی علیحدہ خصوصیات ہیں۔ حمید فریدی سیریز کا ناول ’’زمین کے بادل‘‘ میں حمید فریدی کے ساتھ عمران کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس ندرت میں بھی نرالی شان ہے۔ اِسی طرح ناول ’’ٹھنڈی آگ‘‘ میں حمید کی خودنوشت کہانی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ عمران سیریز کی ناولوں میں ’’لاشوں کا بازار‘‘ کی کہانی بھی عمران کا انگلینڈ میں تعلیم پانے کے دوران سنگ ہی سے پہلی ملاقات کا ذِکر ہے۔ بعد کی کہانیوں میں سنگ ہی عمران کا چاچا بن کر بھتیجے سے نبرد آزما ہوتا رہا ہے۔ یہ اِبنِ صفی کی ذہانت ہی ہے کہ انہوں نے اپنے کرداروں کو ایک بار جس حیثیت سے تعارف کروایا پھر اس کے بعد اس میں بال برابر بھی

فرق نہ آنے دیا۔ فریدی حمید سیریز کے ’’گارڈ کا اغوا‘‘ ناول میں جرائم کی کثرت کی نفسیاتی وجوہات بتانے کے لیے ایک جملے میں حقیقت بیان کردی ہے، ’’جس معاشرے کے لوگ مستقبل کی طرف سے مایوس ہوجاتے ہیں وہیں جرائم کی گرم بازاری بھی ہوجاتی ہے‘‘۔ ناول کے دلچسپ پلاٹ میں مکالموں کے ذریعہ اصلاحِ معاشرہ کی طرف رہنمائی کا یہ اچھوتا انداز صِرف اِبنِ صفی کا کارنامہ ہے۔ اپنے قارئین کی ذہنی تربیت کا اِس سے بہتر اور کیا سامان ہوسکتا تھا۔

سِرّی ادب کے عام مصنفین اس کے سوا کوئی دوسرا مقصد نہیں رکھ سکتے کہ اس کے ذریعہ قارئین کو دِل لبھانے کا سامان فراہم کیا جائے۔ سِرّی ادب کا بنیادی نکتہ تجسس قائم رکھنا ہوتا ہے۔ جرائم کی پر پیچ دنیا میں تفتیش کا عمل محویت پیدا کرتا ہے۔ ان کی کہانیاں اس قدر متنوع ہوتی ہیں کہ قارئین پڑھتے ہوئے انجام جاننے کے لیے بے چین رہتے ہیں۔ اِبنِ صفی زمانہ شناس تھے تبھی تو انسانی اقدار اور اخلاقیات کی بہت پاسداری کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی ان سے روگردانی نہیں کی اس کی مثال شیطانی جھیل کی اس تحریر میں مل جاتی ہے، جس میں انہوں نے برملا اپنے خیالات پیش کردیے ہیں ملاحظہ ہو: ’’وہ بیٹھ ہی رہے تھے کہ ایک جوڑ اتھرکتا ہوا اپنی میز سے اٹھا اور رقص کے فرش پر چلا آیا۔ کچھ دیر تک صِرف وہی دونوں ناچتے رہے پھر دوسروں نے بھی ان کی تقلید شروع کی اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا فرش بھر گیا۔ سائرہ منہ دبائے ہنس رہی تھی آپ ہنس رہی ہیں؟ حمید بولا ’’واقعی مجھے ہنسنا نہیں چاہیے‘‘ وہ ایک بیک سنجیدگی اختیار کرکے بولی۔ ’’رونے کا مقام ہے یہ لڑکیاں جو کل تک پردے میں رہتی تھیں آج یہاں سینکڑوں مردوں کی موجودگی میں کتنی بے حیائی سے اپنے جسموں کو حرکت دے رہی ہیں۔‘‘

ناول ’’پیاسا سمندر‘‘ کا ایک کردار ڈاکٹر داور کی زبانی یہ فلسفیانہ تبصرہ بھی بہت اہمیت کا حامل ہے جس میں خودی کا عرفان خوبی سے پیش کیا گیا ہے ملاحظہ ہو: ’’آدمی کتنا پیاسا ہے اور کس طرح اس کی پیاس بڑھتی ہی رہتی ہے اور وہ کس طرح خارج میں اپنے لیے تسکین اور آسودگی تلاش کرتا ہے۔ مگر کیا کبھی اسے تسکین حاصل ہوتی ہے؟ کبھی آسودگی ملتی ہے؟ بلکہ وہ کسی سمندر ہی کی

طرح موج در موج آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔کبھی چٹانوں کو کاٹتا ہے اور کبھی پہاڑوں میں رخنے پیدا کر کے ان کے پرخچے اڑا دیتا ہے۔اپنی بے چینی کی وجہ وہ خود ہے اور اپنی تسکین کا سامان بھی اپنے ہی دامن میں رکھتا ہے مگر وہ دوسروں کی پیاس تو بجھا دیتا ہے خود اپنی پیاس بجھانے کا سلیقہ نہیں رکھتا۔تم اسے پیاسا سمندر کہہ سکتی ہو جو پانی ہی پانی رکھنے کے باوجود ازل سے پیاسا ہے اور اس وقت تک پیاسا ہی رہے گا جب تک کہ اسے اپنا عرفان نہ ہو جائے۔''

قانون کے احترام کے سلسلے میں ناول ''لاش کا بُلاوا'' میں ایک مکالمہ ہے: ''میں کہتا ہوں اگر تم قانون کو ناقص سمجھتے ہو تو اجتماعی کوششوں سے اِسے بدلنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے ؟اگر اس کی ہمت نہیں ہے تو تمہیں اِس قانون کا پابند رہنا پڑے گا۔''

انہوں نے ایک ناول ''دھواں ہوئی دیوار'' کے پیش رس میں لکھا ہے ''میں تو اللہ کی ڈکٹیٹر شپ کا قائل ہوں۔اِس میں اس کی گنجائش نہیں ہوتی کہ جتنے پگ کا نشہ ہو ویسا ہی بیان داغ دیا۔آپ کسی اِزم وِزم میں پڑ جانے کی بجائے اسلام کو سمجھنے کی کوشش کریں سارے اِزم محض وقتی حالات کی پیداوار ہیں اور کسی اِزم کی دشواری کسی زمانے میں دوسرے اِزم کی پیدائش کا سبب بنتی ہے۔اسلام کے علاوہ کوئی بھی اِزم حرف آخر ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔اِسلامی نظامِ حیات آج بھی قابل عمل ہے۔لیکن اس کے لیے انفرادی طور پر ایمان دار بننا پڑے گا اور یہ بے حد مشکل کام ہے۔پس یہ میرا سیاسی رجحان ہے۔''

اِبنِ صفی نے ناولوں میں مستقبل کے سائنس و ٹکنالوجی کے ذریعہ پیش ہونے والی ایجادات کو پیش کر کے قارئین کو حیران کر دیا ہے۔انہوں نے ریموٹ کنٹرول، روبوٹ، موبائل فون، کمپیوٹر اور ٹیلی ویژن وغیرہ کو بین الاقوامی خفیہ تنظیموں کی طرف سے پیش کر کے ایک طرح کی پیش گوئی کر دی تھی تا کہ ان کے عام ہونے کا پیام دیا جا سکے۔ دشمن ملکوں پر ان مصائب کو لاگو کرنا بھی اِبنِ صفی کی پیش گوئی میں شامل تھے۔آندھی و طوفان پیدا کرنا، زلزلے لانا، برف باری کروانا، وباؤں کو پھیلانا اور سمندری طوفان پیدا کرنا وغیرہ بھی ان مجرموں کے لیے آسان

بتایا گیا ہے۔اِبنِ صفی نے اپنے ناول ''ٹھنڈا سورج'' میں اِس طرح کی ماحولیاتی تبدیلیاں پیدا کرنے کا خیال پیش کیا ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُس وقت ان کے زرخیز ذہن نے ایجادات کے وقوع پذیر ہونے کا خیال آ چکا تھا۔

ابنِ صفی کے زمانے میں معاشرتی ناولوں کا چلن عام تھا۔ان میں بتدریج فحاشی اور بے راہ روی کا رجحان بھی زور پکڑتا جا رہا تھا۔قارئین کو ذہنی عیّاشی میں مبتلا کر کے پیسہ کمانے والے ناول نگار قارئین کو جنس زدگی کی طرف لے جا رہے تھے۔اِن حالات میں ابنِ صفی نے مقصدیت کو اپنا طرّہٴ امتیاز رکھا۔قانون کا احترام پیدا کرنا ہی سب سے بڑا مشن قرار دیا تھا۔سرّی ادب کے تجسّس کو خشک ماحول سے نکال کر طنز و مزاح کی دلچسپ دنیا میں داخل کرنے کا سہرا ابنِ صفی کے سر ہے ورنہ نہ صِرف اردو بلکہ دوسری زبانیں بھی فن کی اس رنگینی سے عاری رہیں۔مزاح کی چاشنی اور زبان کی بے ساختگی اور روانی سے مزین کر کے ابنِ صفی نے ادب کو ایک نیا معیار عطا کیا ہے۔ مِزاح اور سسپنس کو یکجا کرنے کا کارنامہ صِرف ابنِ صفی سے ہی ممکن تھا اور انہوں نے کر دیا۔

ابنِ صفی نے حیات انسانی کے ہر شعبے پر اپنی رائے کو واضح کیا ہے اور جاسوسی کہانیوں کو ان کا وسیلہ بنایا ہے۔ان کی ہمہ جہتی کی صفت بے نظیر تھی کسی اور مصنف میں یہ خوبیاں نہیں ملتیں۔وہ شعبہٴ حیات کی تمام جہتوں میں اِصلاح کے متمنّی تھے۔

اُردو کے سرّی ادیبوں نے باضابطہ کوئی مربوط و مبسوط کام نہیں کیا ہے۔ابنِ صفی سے قبل بھی کچھ ناول نگاروں اور افسانہ نویسوں نے جاسوسی کہانیاں لکھی تھیں لیکن بڑے پیمانے پر کوئی پذیرائی نہیں ہو پائی تھی ورنہ یہ کہانیاں بھی فروغ پاتیں اور پھیل کر ادب میں اپنا مقام پیدا کر لیتیں تو اس سے اتنا فائدہ تو ضرور ہوتا کہ جاسوسی ادب کا شمار بھی ادبِ عالیہ میں ہو پاتا۔اس طرح ابنِ صفی کی آمد تک ان کا رشتہ ہموار ہو جاتا اور آج جو شکایت پیدا ہو چلی ہے وہ نہ ہوئی ہوتی۔ابنِ صفی نے جاسوسی کہانیوں کے لیے ایک تاریخی رکردار ادا کیا ہے۔ جاسوسی ادب ہی کو سرّی ادب میں شمار کیا جاتا ہے۔چنانچہ زمانہٴ قدیم سے جو بھی کہانی قتل کی واردات پر تفتیش کے لیے لکھی جاتی رہی

ہے وہ سرّی ادب میں شمار ہوتی ہے، پھر مجرمانہ واردات کی روک تھام اور اس واردات کی تحقیق کے لیے جو بھی لکھا جاتا ہے ان سب کو سرّی ادب میں شامل سمجھنا چاہیے۔ جہاں تک طلسم ہوش ربا اور اس جیسی کہانیوں کا سوال ہے یہ سب تخیلی دنیا کی پیداوار ہوتی تھیں۔ سسپنس اور تجسس ان کہانیوں کی بنیادی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ اس لحاظ سے ''امیر علی ٹھگ'' کی سوانح حیات کو بھی سرّی ادب کا جزء سمجھنے میں کوئی قباحت نہیں۔ اس میں فن ٹھگ کے مخصوص طریقۂ کار پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کا کردار امیر علی سینکڑوں لوگوں کو بلا تخصیص جوان، بچے، بوڑھے سبھی کو اپنے پھندے سے موت کے گھاٹ اتارتا چلا گیا تھا۔ یہ کتاب بھی سرّی ادب کا حصّہ سمجھی جاسکتی ہے۔

ابنِ صفی سے قبل جن قلم کاروں نے اپنے فن کو اس راہ میں لگایا تھا ان میں ہادی رسوا، تیرتھ رام فیروز پوری، طالب اِلہٰ آبادی، فدا علی خنجر، احمد اللہ خاں، بی ایس نسیم، سید شہنشاہ احسن کے نام ملتے ہیں۔ چیدہ چیدہ ناولوں اور افسانوں کو لکھنے والے کئی موضوعات پر طبع آزمائی کرتے رہتے ہیں اُن میں کبھی مزہ بدلنے کے لیے جاسوسی کہانیاں بھی لکھتے رہے۔ اس طرح کی کوششوں کو جاسوسی ادب کے دائرے میں لا کر ابنِ صفی سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اُن کی ان جاسوسی کہانیوں کو یقیناً جاسوسی کہا جاسکتا ہے لیکن ادبِ عالیہ تک ان کی رسائی نہیں ہو پاتی۔ بلکہ یہ کہنے میں مبالغہ نہیں رہا کہ یہ وہ کہانیاں ہوتی تھیں جو تفریحِ طبع کے علاوہ ذہنی عیاشی تک کے زمرے میں داخل ہو جاتی ہیں۔ اکرم الہٰ آبادی، اظہار اثر اور راہی معصوم رضا (جو آفتاب ناصری کے نام سے جاسوسی ناول لکھتے تھے) کے علاوہ انجم عرشی اور عارف مارہروی نے بھی جاسوسی کہانیوں میں طبع زاد ناول منظر عام پر لانے کی جدوجہد کی تھی۔

معروف نقاد پروفیسر عبدالمغنی نے ''اُردو ادب میں دانشوری کی روایت'' کے عنوان سے لکھے اپنے ایک مضمون میں ابنِ صفی کے بارے میں لکھا ہے کہ ''جاسوسی ناول نگاری میں ابنِ صفی انگریزی میں شرلاک ہومز کے خالق کونن ڈوائل کی سطح پر ہیں''۔

ابنِ صفی نے اپنی ناولوں کو جس شعور کے ساتھ تحریر کیا تھا اِس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب ان سے جاسوسی ناول لکھنے کی وجہ دریافت کی گئی تھی تو اس انٹرویو لینے والے کو نفسیات کا ایک اہم اصول پیش کر کے خاموش کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ اِنسانی جبلّتوں میں بہت اہم جبلّت Instinct Of Curiosity ہوا کرتی ہے۔ یہی تجسّس کی جبلّت ہے جس سے انہوں نے فائدہ اٹھا کر انسانی زندگی کے لیے تعمیری ادب کو بین السطور میں پیش کرنے کا فریضہ انجام دیا ہے۔ اِس قدر شعوری کوشش کے بعد ابنِ صفی کا مقام متعین کرنے والوں کو کوئی اشتباہ نہیں ہونا چاہیے۔

ابومتین، وظیفہ یاب ٹیچر۔ ایم اے (اُردو)، بی ایڈ، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد۔

ابن صفی کی کثیر الجہت فنکارانہ شخصیت: ایک جائزہ

سلیمان خان

اسرار ناروی، طغرل فرغان، پرکاش سکسینہ، سنکی سولجر، عقرب بہارستانی اور ابن صفی، یہ چھے لگ الگ افراد نہیں، بلکہ ایک ہی انسان کے چھے مختلف پہلو، اور وہ نام ہیں جنہیں خود اس انسان نے مختلف مواقع پر اختیار کیا اور دنیا نے جب اس کو یاد کرنا چاہا تو، مایہ ناز ادیب، عظیم شاعر، مصور جذبات، ایک افسانہ نگار، ایک دانشور، ایک صحافی، ایک مؤلف، ایک نقاد، ایک نثار، ایک ناول نگار، جاسوسی دنیا کا خالق، اردو میں جاسوسی ادب کا بانی، اردو زبان کا محسن، انسان دوست، انسانیت نواز، امن کا پیمبر، غریبوں کا ہمدرد اور پتا نہیں اس کی ہمہ جہت شخصیت کو اجاگر کرنے کے لئے کتنے الفاظ اور القاب کا استعمال کیا گیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابن صفی صرف ایک انسان تھے، خود پسندی و خودنمائی کے عیوب سے پاک، تکلف و تصنع سے مبرا، سیدھے سادھے مگر ایک نمائندہ اور مکمل انسان۔

محترمہ ساحرہ سحر نے ایک بار ابن صفی سے ملاقات کی تھی اور ان کے انتقال پر اپنی ڈائری میں جو تاثرات تحریر کئے ہیں ان کو ملاحظہ فرمائیں۔

''ان سے ملاقات کرتے وقت میں بے حد مرعوب اور خوفزدہ تھی کہ میں ان سے ملنے جا رہی ہوں جو بہت اونچے اور بلند مرتبہ کے انسان ہیں۔ یہ وہ عظمت کے نشان ہیں جنہوں نے فریدی، عمران، صفدر، حمید، طاہر، انور، روشی، جولیانا، جوزف، جیم، قاسم، سلیمان، جیسے محبوب علامتی کرداروں کو جنم دیا، تخلیق کیا۔ پھر تھریسیا، سنگ ہی، جابر، جیرالڈ شاستری، بوغا، نانوتہ، ریما، ڈاکٹر

سلیمان، سربنتھال، ڈاکٹر نارنگ، گارساں، فنچ کے علاوہ دوسرے ایسے کردار بھی تخلیق کئے جن کی ریشہ دوانیاں قاری کو ان سے نفرت پر مجبور کردیں، مگر پھر وہ پڑھنا بھی انہی کو چاہے۔ پھر طلسم ہوشربا سے بڑھ کر 'زیرولینڈ' اور ہوشربا 'تاریک وادی' کی بنیاد ڈالی۔ میرا خیال تھا کہ وہ بھی جنگجو، غصہ ور اور سرخ سرخ آنکھوں والے کوئی انسان ہوں گے۔ مگر وہ تو اتنے حلیم، شفیق، منکسر المزاج، معصوم اور خاموش طبع نظر آئے کہ انہیں دیکھ کر میں مبہوت رہ گئی۔ نہ کسی قسم کا غرور، نہ خود پسندی اور خودنمائی اور نہ ہی اپنے مشہور ہونے کا تکبر۔ مجھے ان کے دھیمے دھیمے خوب صورت انداز گویائی میں وہ شیریں الفاظ آج بھی یاد ہیں، جو انہوں نے میرے سر پر شفقت بھرے ہاتھ رکھ کر کہے تھے، اور مجھے بیٹی کہا تھا۔'' 1؎

دشمنوں کے ساتھ بھی آپ کا معاملہ مہربانی و خیر خواہی کا ہوتا تھا، اس سلسلہ میں مرزا حیدر عباس بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے ابن صفی کے ساتھ فراڈ کیا، ابن صفی نے مقدمہ کر دیا، اس آدمی کو سزا ہوگئی۔ جب معلوم ہوا کہ اس کے بیوی بچوں کا کوئی سہارا نہیں ہے تو انہیں اپنے پاس سے وظیفہ دینا شروع کر دیا۔ 2؎

ابن صفی بحیثیت شاعر: ابن صفی کے اندر چھپا ہوا شاعر بچپن ہی سے اپنے معاشرہ کو گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ایک طرف تو برطانوی حکومت کی داستانِ ظلم رقم ہو رہی تھی تو دوسری جانب اس ظلم و جبر کے خلاف ہندوستانی عوام کی طرف سے تحریک آزادی کی جدوجہد پورے عروج پر تھی، ایک طویل اور بے پناہ قربانیوں سے پر جدوجہد کے بعد جب ہندوستان کے افق پر آزادی کا سورج طلوع ہوا تو جہاں ایک طرف آزادی کی خوشیاں تھیں تو دوسری طرف فرقہ پرستی کا وحشتناک اور ننگا ناچ۔ اسرار ناروی عرف ابن صفی کے جذبات شعری قالب میں ڈھل ڈھل کر ابلنے لگے اور ابن صفی بالکل کم عمری ہی میں شعر کہنے لگے۔ مشتاق احمد قریشی رقم طراز ہیں:

''......جب اسرار ناروی کا شاعرانہ شعور بیدار ہوا، ان کا دردمند دل زلف گرہ گیر کے نغمے نہیں الاپ سکا۔ دھرتی لہولہان تھی اور مرہم ناپید، آدمی وحشتوں کا شکار ہو چکا تھا، اسرار ناروی کا کرب شعر میں ڈھل کر سامنے آنے لگا۔ ؎

فروغ آتش گل ہی چمن کی ٹھنڈک ہے
کبھی تو اکڑی ہوئی گردنوں میں خم آئے
مسیح کون ہے سارے ہاتھ آلودہ
لہو لہان ہے دھرتی کہاں سے مرہم آئے 3

آزادیٔ وطن نے ابن صفی کے ذہن پر خوشی اور غم کا ملا جلا تأثر رقم کیا تھا۔ ان کے اندر کا شاعر ایک طرف تو اس بات پر خوش تھا کہ ملک کو آزادی مل گئی، لیکن دوسری طرف تقسیم کے نام پر ہونے والی خون ریزی اور تباہی و بربادی کو دیکھ کر ان کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ اس وقت لکھی گئی آپ کی ایک نظم کا لہجہ طنزیہ ہے۔ ؎

آزادی کی دیوی آئی، خوشیاں آج مناؤ نا
اے دکھیارو آنسو پوچھو ، میں کہتا ہوں گاؤ نا
بھول ہی جاؤ فاقہ کش ہو، گھر گھر دیپ جلاؤنا

لیکن اسرار ناروی کا اصل کلام وہی ہے جس میں ان کے دل کا درد اور خون جگر سیاہی بن کر نکلا ہے۔ ؎

بھوکے ہی سو جاتے ہیں کھیتوں کے مزدور یہاں
اونچے محلوں کے معمار فٹ پاتھوں پر سوتے ہیں
اس کی کوکھ ہی زخمی نہیں اندھیروں سے
ہے آسماں کے بھی سینے میں آفتاب کا زخم
آدمی کیوں ہے وحشتوں کا شکار
کیوں جنوں میں کمی نہیں ہوتی
مکر و ریا ہو مسند شاہی کے گردا گرد
صدق و صفا کا پھر تو مقدر صلیب ہے
دل کے سارے زخم سمیٹے شام سے چپ چپ بیٹھے ہیں
رات گئے ایک تارا ٹوٹا جانے کیوں مسرور ہوئے

ابن صفی نے شروع میں اپنے ماموں حضرت نوح ناروی سے اصلاح لی، اس کے بعد فراق گورکھپوری، سلام مچھلی شہری اور وامق جونپوری کے ساتھ بیٹھ کر نظمیں سنانے لگے۔ ان کے استاد ڈاکٹر سید اعجاز حسین ان کی شاعری کے معترف تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب ''ملک ادب کے شہزادے'' میں ابن صفی کا تذکرہ کیا ہے۔ ڈاکٹر سید اعجاز حسین، اسرار ناروی کی شاعری کی طرف سے عدم توجہی کے باعث ان سے ہمیشہ ناراض رہے۔ ان کے بقول ابن صفی نے اسرار ناروی کو قتل کر دیا تھا۔ 4

اسرار ناروی کا جتنا بھی کلام دستیاب ہے اس کا اگر جائزہ لیں تو احساس ہوتا ہے کہ اگر انہوں نے شاعری کو سنجیدگی سے اپنایا ہوتا تو وہ اس میدان میں اپنا ثانی نہ رکھتے۔

افسانہ نگاری کے میدان میں: شاعری سے پہلے اسرار ناروی نے افسانہ نگاری شروع کی تھی۔ آٹھ سال کی عمر میں ''طلسم ہوشربا'' کی تمام ساتوں جلدیں پڑھ لینے اور اس کے بعد دوسری کئی اور ناولیں اور داستانیں پڑھ کر آخر میں عذرا اور عذرا کی واپسی کی چاٹ نے اس چھوٹے سے بچہ کے اندر چھپے ہوئے داستان گو کو جگا کر رکھ دیا تھا۔ چنانچہ اسرار ناروی نے ساتویں درجہ میں پڑھنے کے زمانہ ہی میں پہلی کہانی لکھ ڈالی۔ کہانی کا نام تھا ''ناکام آرزو''، یہ کہانی رسالہ ''شاہد'' میں شائع ہوئی جس کے مدیر عادل رشید تھے۔ ابن صفی کے انداز تحریر کو دیکھ کر انہیں مغالطہ ہوا کہ شاید یہ کوئی بزرگ ہیں، اس لئے انہوں نے کہانی کے ساتھ کچھ اس طرح کا کیپشن چھاپ دیا۔ ''نتیجہ فکر مصور جذبات حضرت اسرار ناروی''۔ اس کے بعد گاہے گاہے ان کی کہانیاں ہفت روزہ ''شاہد'' میں شائع ہوتی رہیں، ان میں زیادہ تعداد رومانی کہانیوں کی ہوتی تھیں۔ 5

ابن صفی نے بہت کم افسانے لکھے لیکن ان کے افسانوں کے مطالعہ سے یہ بات اجاگر ہوتی ہے کہ وہ اصلاحی مقصد کی چھاؤں میں اپنے فن کی پرورش کرتے ہیں۔ ''ایک رات'' ابن صفی کا ایک پرمغز افسانہ ہے جس میں انہوں نے مغربی تہذیب کے پروردہ سرمایہ دارانہ ذہنیت کی لعنتوں کو بڑے ہی اچھوتے انداز میں واضح کیا ہے۔ بقول جناب حسن علی خان، انہوں نے اس (مغربی تہذیب) کے ایک تاریک پہلو کو اپنے مخصوص انداز میں بڑی خوبصورتی سے بے نقاب کیا ہے۔ 6

اس افسانے کا اہم کردار خان بہادر صاحب، مغربی تہذیب کے پروردہ ہیں، ان کا رہن سہن سب اسی کا غماض ہے، خان بہادر صاحب کو اپنی پالتو اسپنیئل کتیا بے حد عزیز ہے، جب گلی کا ایک آوارہ کتا اس کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور اس کو خراب کرنے کے درپہ ہو جاتا ہے تو خان بہادر صاحب اس کی حفاظت کے لئے نصیرا کی نیندیں کئی دنوں تک کے لئے حرام کر دیتے ہیں اور آخر کار انہیں اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک کہ نصیرا اس آوارہ کتے کو گولی مار کر ختم نہیں کر دیتا۔ افسانے کا اختتام بڑا چونکا دینے والا ہے۔ جس رات نصیرا کتے کا شکار کرتا ہے اور خان بہادر صاحب بے حد مسرور ہوتے ہیں اسی وقت ان کی بیٹی ایک غیر مرد کے ساتھ آدھی رات کو گھوم پھر کر گھر میں داخل ہوتی ہے اور اپنے باپ سیاپنے اس ساتھی کا تعارف کراتی ہے، نصیرا فوراً رائفل سیدھی کر لیتا ہے، اسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے خان بہادر صاحب کہیں گے۔ ''ابے مار''... مگر خان بہادر صاحب نے قدرے جھک کر (اس آدمی سے) ہاتھ ملاتے وقت صرف دانت نکال دیئے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ پالتو کتیا کو کتے سے بچانے کی اتنی فکر کے خود کی اور نوکر کی نیندیں حرام لیکن، بیٹی کو کسی غیر مرد کے ساتھ دیکھ کر دانت نکال دیں۔[7]

اس افسانے کا مقصد مغربی تہذیب کی خرابیوں کو واضح کرنا اور اس بری بیماری سے معاشرہ کو پاک کرنا ہے۔ اسی کے ساتھ افسانے کی کئی باتیں قابل غور اور توجہ طلب ہیں، ابن صفی نے اس میں اس دور میں انگریزی قوم کی ذہنیت کو بھی واضح کیا ہے اور ہندوستانی قوم کو جس حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اس پر بھی اپنے مخصوص انداز میں چوٹیں کی ہیں۔ یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''ایک ہم انسان ہیں کہ جوتوں کے ڈر سے ''طواف کوچہ جاناں'' سے توبہ کر لیتے ہیں ....ایک وہ کتا تھا کہ گولیوں سے بھی خوف نہیں کھاتا تھا۔ اسی لئے تو گورے لوگ کتوں کو اس قدر عزیز رکھتے ہیں اور کالے آدمیوں سے نفرت کرتے ہیں۔ کالے آدمی جو اسپنیئل کتیا کے لئے ایک دیسی کتے کا خون نہیں کر سکتے........ کالے آدمی جنہیں سردی لگتی ہے...... کالے آدمی جنہیں ایک مہذب کتیا کے لئے اپنی راتوں کا خراب ہو جانا کھل جاتا ہے .... خان بہادر کالے نہیں تھے، انہیں اسپنیئل کتیا عزیز تھی اور دیسی کتوں سے نفرت کرتے تھے۔[8]

ابن صفی کا ایک اور افسانہ ہپی مراد ہے، جس میں انہوں نے معاشرہ میں پائے جانے والے، غریبی و امیری کے فرق اور اس کے نتیجہ میں ہونے والی چور بازاری و رشوت خوری اور انسان دشمنی جیسے خبیث معاشرتی امراض کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ پوری کہانی دلوں کو جھنجھوڑنے والی ہے، طوالت کے خوف سے ہم یہاں اس کا اختتامی حصہ نقل کرنا چاہتے ہیں:

''آپ ایک بار کہہ رہے تھے کہ آپ پیرزادے ہیں''۔

''ہاں۔ ہاں۔ میں اپنے علاقے کے گدی نشیں کا بیٹا ہوں۔ اور والد صاحب کے بعد میں ہی گدی سنبھالوں گا''۔

''پھر آپ اپنے علاقے کے لئے کیا کریں گے؟''

''رشد و ہدایت کے علاوہ کیا کروں گا''۔

''اس کے باوجود بھی آپ کے علاقے کے مسلمان، مسلمانوں ہی کے ہاتھوں قتل ہوتے رہیں گے۔ پرانی خاندانی رنجشیں رنگ لاتی رہیں گی اور آپ بیٹھے دم بخود دیکھا کریں گے۔ جیسے آپ کے والد صاحب دیکھتے رہتے ہیں''

مولوی صاحب نے چھڑی اٹھائی اور مراد سر جھکا کر بولا ''اتنا ماریئے کہ آج میں مر ہی جاؤں ورنہ مجھے جانے دیجئے، میں اپنا کام کروں اور آپ اپنے رشد و ہدایت میں لگ جائیں''۔

مولوی صاحب نے چھڑی ایک طرف رکھ دی اور اداس آنکھوں سے ہپی کو دیکھتے رہے۔ پھر ان کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے قطرے رخساروں پر ڈھلک آئے۔[9]

جناب ابن صفی کے افسانے بہت کم ہیں لیکن ان چند افسانوں کے تجزیہ سے بھی ان کی تحریروں میں ایک فن کار کے درد مند دل، سماجی عناصر و عوامل اور محرکات و مسائل کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ ابن صفی کے افسانوں میں سماجی مسائل کی عکاسی ملتی ہے۔ ابن صفی کے افسانے ان کی تخلیقی رعنائیوں کے ساتھ ادب کا صحیفہ نظر آتے ہیں۔

طنز و مزاح نگاری: ابن صفی نے جب عملی دنیا میں قدم رکھا اور 1947ء میں جریدہ ''نکہت'' سے وابستہ ہوئے تو افسانوں کے ساتھ مزاحیہ و فکاہیہ مضامین بھی لکھنے لگے۔ اس کے لئے انہوں نے

سنکی سولجر اور طغرل فرغان کے فرضی نام اختیار کئے اور بے شمار مزاحیہ مضامین لکھ ڈالے۔ ان مضامین کا مقصد بھی تعمیری اور اصلاحی تھا۔ چنانچہ اس میں بھی انہوں نے اس وقت کے معاشرہ کے سلگتے مسائل کو اپنے ان مزاحیہ مضامین کا موضوع بنایا۔ ابن صفی کے مزاحیہ مضامین پر مبنی ایک مجموعہ انہوں نے اپنی زندگی ہی میں ''ڈپلومیٹ مرغ'' کے عنوان سے شائع کیا تھا۔ ادارہ کتاب گھر نے ایک اور مجموعہ ''شیطان صاحب'' کے نام سے مرتب کر کے اردو کارنر ڈاٹ کام پر آن لائن شائع کیا ہے۔ اس کے پیش لفظ میں حسن علی خان رقم طراز ہیں:

''اگرچہ یہ مضامین ابن صفی نے طویل عرصہ قبل ''طغرل فرغان'' کے نام سے لکھے تھے مگر ان میں جھلکنے والا کٹیلاپن اور زہریلاپن آپ کے لئے خوشگوار حیرت کا باعث ہوگا۔ یہ تحریریں پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے موجودہ دور کے لئے ہی لکھی گئی ہوں۔ ادیب کی خوبی ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ آنے والے دنوں کو محسوس کرے، ابن صفی میں یہ خوبی بدرجہ اتم موجود تھی''۔ 10

ابن صفی نے مستقل طنز و مزاحیہ مضامین بھی لکھے اور اپنے جاسوسی ناولوں میں بھی طنز و مزاح کا پہلو پیدا کیا۔ یہ بھی ان کی انفرادیت کا ایک اہم پہلو ہے، اس ضمن میں انہوں نے خود اپنے طنز و مزاح کے متفرق مضامین کے مجموعے ڈپلومیٹ مرغ کے پیش رس میں لکھا تھا:

''طنز و مزاح میرا فن نہیں بلکہ کمزوری ہے۔ کمزوری اس لئے کہ میں صاحب اقتدار نہیں ہوں۔ صاحب اقتدار و اختیار ہوتا تو میرے ہاتھ میں قلم کے بجائے ڈنڈا نظر آتا اور میں طنز کرنے یا مذاق اڑانے کے بجائے ہڈیاں توڑتا دکھائی دیتا۔ الحمدللہ کہ میری یہ کمزوری قوم کی عافیت بن گئی اور قوم بلا سے واہ واہ نہ کرے، اسے ہائے ہائے تو نہیں کرنی پڑے گی۔'' 11

فراران کی سب سے پہلی طنزیہ تخلیق ہے اور آب وفات کی وجہ تخلیق پر روشنی ڈالتے ہوئے ابن صفی لکھتے ہیں:

''مولانا آزاد کے پیروں کی خاک میرے سر پر.... اس اضحوکہ کا مقصد ''آب حیات'' کی تضحیک نہیں.... طالب علمی کے زمانہ میں ایک ایسے بزرگ کو چڑانے کے لئے یہ

حرکت سرزد ہوئی تھی، جنہیں ''آب حیات'' کا جنون تھا..... کوئی تذکرہ ہو ''آب حیات'' حیرت انگیز طور پر ٹپک پڑے گی.... پھر آپ بیٹھے سوچا کیجئے کہ آخر بینگن کے بھرتے کے درمیان ''آب حیات'' کا پہلو کہاں سے نکل آیا۔'' 12

اردو میں سرّی ادب کا بانی: اردو میں جاسوسی ناول نگاری کے حوالے سے ابن صفی کا نام سب سے نمایاں ہے۔ 1920ء سے 1950 کے درمیان اردو میں جاسوسی ناول نگاری انگریزی اہل قلم کی مرہون منت تھی۔ اس دوران جتنا بھی جاسوسی مواد اردو ادب میں پیش کیا گیا وہ سب انگریزی سے ترجمہ شدہ تھا یا پھر انگریزی ناولوں کو ہندوستانی تہذیب کا جامہ پہنایا جاتا تھا۔ اردو ادب میں طبعزاد جاسوسی ناولوں کی ابتداء کا سہرا ابن صفی ہی کے سر ہے۔ اس سے قبل اردو میں صرف منشی تیرتھ رام فیروزپوری کے تراجم پائے جاتے تھے یا دو تین ناول ظفر عمر کے۔ جاسوسی ناول ابن صفی کے لئے بھی نئی چیز تھی اس لئے ابتداء میں انہیں بھی انگریزی کے دامن میں پناہ لینی پڑی۔ ابن صفی کے مطابق ان کے آٹھ ناولوں کے یا تو پلاٹ انگریزی سے لئے گئے ہیں یا ان کا ایک آدھ کردار باہر سے آیا ہے۔

ابن صفی کے ناولوں کا سب سے بڑا وصف ان کی آفاقیت ہے۔ جاسوسی دنیا اور عمران سیریز میں انہوں نے کبھی بھی یہ ظاہر ہونے نہیں دیا کہ ان کے کردار کس ملک سے تعلق رکھتے ہیں۔ ناولوں میں سب کچھ تصوراتی ہے، لیکن پڑھنے والا اسے حقیقت سمجھنے پر مجبور نظر آتا ہے۔ ان کے کردار بظاہر عام انسان ہوتے ہیں مگر ان کی خصوصیات حقیقت سے ماوراء بھی نظر آتی ہیں، تاہم ان کرداروں کی چال ڈھال، بول چال، رویوں اور طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسانی نفسیات کو ابن صفی نے کس قدر باریکی سے جانچا ہے۔ یوں یہ فرضی کردار جیتے جاگتے انسان نظر آتے ہیں، شاعر و ادیب آئندہ پیش آنے والے حالات و واقعات کا ادراک رکھ سکتا ہے، اس کا ثبوت ابن صفی کے یہ جاسوسی ناول ہیں۔ انہوں نے تیس۔ چالیس سال قبل دہشت گردی کے اتنے بڑے نیٹ ورک دکھائے تھے جو آج جیتی جاگتی حقیقت ہیں۔ 13

اس کے علاوہ ایک ناول ''طوفان کا اغوا'' میں ابن صفی نے ایک مشینی آدمی (فولادی) کا تخیلاتی تصور پیش کیا تھا، اس کے تقریباً دس سال بعد روسیوں نے اس تصور کو ان کی تھیوری پر کام

کرتے ہوئے حقیقت بنادیا، آغازِ تخلیق میں ان کے بالکل وہی فنکشن تھے، جو ''طوفان کا اغواء'' میں ابن صفی نے بتائے تھے۔ 14؎

ابن صفی نے تقریباً ڈھائی سو کے قریب جاسوسی ناول لکھے، لیکن ان کی خصوصیت ہے کہ ہمیشہ ہر ناول میں نیا اور اچھوتا پن پایا جاتا ہے۔ خود ابن صفی نے اپنے ایک ناول کے پیشرس میں تحریر کیا تھا کہ۔ ''تقریباً ایک سو بیس کہانیاں اب تک لکھ چکا ہوں، لیکن آپ ایسی دو کہانیوں کے نام نہیں لے سکیں گے، جن کے پیش کرنے کے انداز میں آپ کو یکسانیت نظر آتی ہو۔ 15؎

اختتامیہ: ابن صفی کا اسلوب نگارش نہایت ہی سلیس، دلچسپ و دلکش اور نکھرا ہوا ہے، چاشنی والی اور اچھی خاصی زبان مگر بے حد رواں اور عام فہم، پھر اس میں لفاظی اور حاشیہ آرائی کم، رفتار واقعات اور ارتقائے واقعہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا، برجستہ و بے ساختہ جملوں کا سیل رواں جاری، سادگی اور شانِ الفاظ کا بھی ایسا ملاپ کہ دل مسرور ہو جاتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملے، خوبصورت استعارے، محاوروں کا برمحل اور درست استعمال اور صاف ستھری زبان ان کی پہچان ہے۔ ابن صفی نے صرف چٹخارے دار کہانیاں نہیں لکھی، بلکہ ان کے پاس ایک واضح مشن تھا اور وہ اصلاحی ادب کے سب سے بڑے داعی کے طور پر سر سید احمد خان، مولانا محمد علی جوہر، علامہ اقبال اور مولانا ابو الکلام آزاد کی فکری جانشینی کے مستحق تھے۔ ابن صفی کے ناولوں میں علمی حوالوں کی بہتات ہوتی ہے اور ساتھ ہی وہ اپنے معاشرہ کی مکمل نمائندگی بھی کرتے ہیں، انہوں نے اپنے پڑھنے والوں کی رائے کو ہمیشہ اہمیت دی۔

ابن صفی ایک عظیم شاعر بھی تھے، منفرد افسانہ نگار بھی، انہوں نے طنز و مزاح کے میدان میں بھی خوب گھوڑے دوڑائے اور جاسوسی ناولوں کے ذریعہ اردو کو ایک نئے صنف ادب سے روشناس کرایا۔ اس سب کے باوجود ابن صفی اردو ادب میں مقام حاصل کرنے کی مسابقت سے کوسوں دور رہے۔ انہوں نے کبھی نہ اس کی خواہش کی نہ کوشش۔ اگرچہ کہ ابن صفی کا سب سے بڑا کارنامہ اردو میں طبعزاد جاسوسی ناولوں کی ابتداء ہے، لیکن ادب عالیہ کا زعم رکھنے والے اس بات کو فراموش کر دیتے ہیں کہ ابن صفی صرف جاسوسی ناول نگار ہی نہیں تھے بلکہ وہ، شاعر، افسانہ نگار،

انشاء پرداز اور ناقد بھی تھے۔ علاوہ ازیں جاسوسی ادب کو ادب کے زمرہ سے خارج کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے۔ جہاں تک ابن صفی کے جاسوسی ناولوں کا سوال ہے، زبان و بیان اور مقصدیت کے اعتبار سے بھی وہ اردو ادب کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہیں، افسوس کہ اردو کا یہ عظیم محسن، جس نے بلا مبالغہ لاکھوں لوگوں کو اردو پڑھنے کا عادی بنایا، ہزاروں کو صحیح اور بامحارہ اردو بولنا سکھایا اور بہتوں کو اردو لکھنا سکھا کر اردو ادب کے سرمایہ میں مزید اضافہ کا ذریعہ بنا، آج اس کے ادبی مقام کے تعیین پر بحثیں ہوتی ہیں۔

مراجع:

1. جناب تنویر عادل نجمی۔ اردو زبان کے محسن ابنِ صفی۔ ماہنامہ فلم ایشیا کراچی، جولائی 1988ء
2. جناب راشد اشرف۔ بیاد ابن صفی۔ نئے افق، آگست 2010ء۔ صفحہ ٦٦
3. جناب مشتاق احمد قریشی۔ روزنامہ جنگ کراچی، 25 جولائی 1986ء
4. شکیل صدیقی۔ ابن صفی۔ پاکستانی پوئنٹ ڈاٹ کام
5. ایضاً
6. شیطان صاحب، از ابن صفی، ادارہ کتاب گھر، اردو کارنر ڈاٹ کام
7. ایضاً 8. ایضاً
9. ہپی مراد۔ از ابن صفی، ڈائجسٹ نما نمبر 287، کتاب والا، دہلی
10. حسن علی خان۔ پیش لفظ۔ شیطان صاحب۔ ابن صفی، ادارہ کتاب گھر، اردو کارنر ڈاٹ کام
11. پیشرس۔ ڈپلومیٹ مرغ۔ ابن صفی، حلقہ احباب ادب، کراچی، 1975ء
12. آب وفات۔ از۔ ابن صفی، ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ، مرتب۔ محمد عارف اقبال، اردو بک ریویو، نئی دہلی، 2013ء
13. آصف ملک۔ اردو کے صاحب طرز جاسوسی ناول نگار: ابن صفی۔ سنڈے ایکسپریس میگزین، 27/جولائی 2003
14. اردو زبان کے محسن ابنِ صفی۔ جناب تنویر عادل نجمی۔ ماہنامہ فلم ایشیا کراچی، جولائی 1988ء بحوالہ بیاض محترمہ ساحرہ سحر
15. ابن صفی۔ ہیروں کا فریب۔ نومبر 1959ء وادی اردو ڈاٹ کام

سلیمان خان؛ بنگلور میں بطور صحافی سرگرم ہیں۔

ابن صفی عوام وخواص کی نظر میں

شیراز احمد انصاری

ابن صفی کے ناول اظہار کی اپنی جمالیات کی بنا پر ادبی ہیں، جنھیں ادب کے نام نہاد لوگ ادب میں شامل نہیں کرتے۔ یہاں عوام وخواص کی تنقید کی روشنی میں سابقہ تعصّبات سے بالاتر ہو کر دیانت داری کے ساتھ ان باتوں کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کر سکیں گے، جہاں ماضی کی ہماری تنقید نہیں پہنچ سکی ہے۔ جہاں تک ہمارے ادب کا سوال ہے آج تک کوئی ایسا پیمانہ نہیں بنا جس پر فن پارے کو جانچا جا سکے کہ کون سا فن پارا ادب کے لائق ہے اور کون نہیں۔ سبھی نقاد اپنی اپنی نظر سے ادب کو پرکھتے رہے اور ادب کی نیّا کو کھیتے رہے۔ ڈاکٹر یعقوب یاور اپنے ایک مضمون میں تحریر کرتے ہیں:

''ہمارے ناقدین خود ہی اس بات کو لے کر مذبذب (Confused) ہیں کہ کس تحریر کو ادب کہنا چاہیے اور کسے ادب نہیں کہا جا سکتا۔ شاید اسی لیے ماضی کا تقریباً ہر ناقد اپنے طور پر ادب کی تعریف وضع کرتا نظر آتا ہے اور اپنی ذاتی پسند اور ناپسند کو بنیاد بنا کر یا زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھتے ہوئے جس نثر پارے کو چاہتا ہے ادب کہہ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے رد کر دیتا ہے۔'' (ادب کے تقاضے اور ابن صفی از یعقوب یاور، ص 1)

یہاں ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ کیا واقعی ابن صفی اس تنقیدی محاذ میں پھنس کر زخمی ہوئے تھے یا ان کی تحریر ادب کے لائق نہیں تھی۔ اس بات کا تعین جدید وقدیم نقاد اور عوام وخواص کی فکر کے آئینے میں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ڈاکٹر یعقوب یار نے اپنے مضمون میں ابن صفی کی ادبی تخلیقات کے بارے میں احتشام حسین کی رائے نقل کی ہے:

''اگرچہ میں اسے حقیقت سے فرار کا ادب مانتا ہوں لیکن اگر رسالہ میرے ہاتھ لگ جاتا ہے تو شروع سے آخر تک پڑھ ڈالتا ہوں۔ میری بیوی تو باقاعدگی سے پڑھتی ہے''

یہاں احتشام حسین ایک طرف اعتراف کر رہے ہیں، دوسری جانب حقیقت سے فرار کا ادب قرار دے رہے ہیں۔ ایک بات قابل غور ہے کہ وہ اس کی تائید کرتے ہیں کہ ابن صفی کے ناولوں میں ایک طرح کی چاشنی ہوتی ہے، اگر ایسا نہیں ہوتا تو ایک مشہور مارکسی تنقید نگار اور اس کی بیوی اتنی پابندی سے مطالعے کا اہتمام نہیں کرتے۔ جس زمانے میں ابن صفی جاسوسی ناول لکھ رہے تھے ہندوستان اپنی تحریک آزادی کے انجام پر آنسو بہا رہا تھا۔ جب اردو ادبیات میں ترقی پسند تحریک اپنی آخری سانس لے رہی تھی اور ادب کے لیے کسی نئے سہارے کی تلاش کا عمل جاری تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب دنیا دو عظیم جنگوں سے ملے دکھ کا بوجھ اپنے کندھوں پر محسوس کر رہی تھی اور راحت اور سکون کی متلاشی تھی۔ ایسے میں کسی بھی ادیب کا سب سے بڑا فریضہ اپنے قاری کو سکون و اطمینان فراہم کرنا تھا۔ جو انہوں نے اپنی بساط بھر کیا۔

مجنوں گورکھپوری فرماتے ہیں:

''ابن صفی کے ناولوں میں بڑی حد تک اطمینان بخش خصوصیت یہ ہے کہ ان میں زبان کا معیار قائم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ خصوصیت ادب کے اعلیٰ میزان پر پوری اترتی ہے مگر پھر بھی ابن صفی اپنے افسانوں میں زبان کی دلکشی اور تھوڑی بہت ادبی چاشنی قائم رکھنے میں کامیاب رہتے ہیں۔ اس کو تسلیم کرتے ہوئے بھی ان سے کچھ شکایتیں باقی رہتی ہیں۔ مثلاً وہ بلا وجہ بعض ترکیبیں ایجاد کرتے ہیں جو نہ صرف غیر ضروری ہوتی ہیں بلکہ بے معنی بھی۔ ایک ترکیب سے ابن صفی کو بڑا شغف معلوم ہوتا ہے 'تشویش کن' جس سے ان کا کوئی ناول خالی نہیں ہوتا بلکہ بعض ناول میں تو ہر صفحے پر اسی ایجاد سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔''

(مجنوں گورکھپوری، اردو میں جاسوسی افسانہ، بحوالہ ادب کے تقاضے اور ابن صفی از ڈاکٹر یعقوب یاور، ص 5)

مجنوں گورکھپوری بھی ادب کو لے کر تذبذب میں نظر آ رہے ہیں۔ وہ ابن صفی کی زبان کو اطمینان بخش بتاتے ہوئے ادب کی چاشنی کا بھی اعتراف کر رہے ہیں۔ باوجود اس کے یہ کہنا

کہ یہ خصوصیت ادب کے اعلیٰ میزان پر پوری نہیں اترتی محتاط تنقیدی رویہ ہے۔ جہاں تک ابن صفی کے ناولوں میں زبان کا سوال ہے دلکش اور معیاری زبان کا استعمال کیا گیا ہے۔ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''سیتل گھاٹی سنسان پڑی تھی۔ چونکہ پچھلی رات کو مزید برف باری نہیں ہوئی تھی اس لئے صرف نشیب ہی کی زمین میں تھوڑی بہت برف نظر آرہی تھی یا پھر چٹانوں کے رخنے برف سے پرُ تھے۔ وہ دونوں چٹانوں کا سلسلہ پار کر کے دوسری طرف پہنچے اور پھر انہوں نے قاسم کی آواز سنی جو عربی میں کچھ پڑھ رہا تھا۔''

(برف کے بھوت از ابن صفی ،فریدی حمید سیریز، ص55)

موضوع کے سلسلے میں لوگوں کا اعتراض ہے کہ ابن صفی نے حقیقت بیانی سے انحراف کیا۔ان کے جاسوسی ناول انسانی زندگی کے اقدار میں کسی طرح بھی ممد و معاون ثابت نہیں ہوتے۔ احتشام حسین نے یہاں تک کہہ دیا کہ ہم اسے حقیقت سے فرار کا ادب مانتے ہیں۔لیکن ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ابن صفی کسی خاص نصب العین کے تحت جاسوسی ناول لکھ رہے تھے۔عوام کی حمایت کا دم بھرنے والی ترقی پسند تحریک میں اس وقت تک باہمی خلفشار در آیا تھا اور اس سے وابستہ لوگ ادب کی فکر کرنے کے بجائے اپنی اپنی بقا کی جدوجہد میں مصروف ہو گئے تھے،سیاست اور مذہب میں جور ساکشی ہورہی تھی،اس میں ایک وقت ایسا بھی آ گیا تھا جب ادب کو بھی سیاست کی عینک سے دیکھا جانے لگا تھا۔ایسی حالت میں صرف اپنی تحریروں کے پیچ و خم میں الجھے، گوشہ نشین ابن صفی اس سیاسی عینک سے کچھ زیادہ پرکشش نظر آرہے تھے۔ان کا مقصد وہ نہیں تھا جو اس عہد کے لوگ چاہتے تھے۔اس لیے اس وقت کے نقادوں کی نظر میں ایسے ادیب جو ان کے موافق نہیں لکھ رہے تھے ان کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔بغور دیکھیں تو ابن صفی خود اپنی ذات میں ایک باضابطہ تحریک تھے،ایسی تحریک جو کسی خارجی تحریک سے زیادہ مستحکم، زود رس اور ثابت قدم تھی۔

ادب کسی محدود دائرے کا نام نہیں ہے۔اس میں ہر طرح کے موضوع کی گنجائش موجود ہے،بشرطے کہ اظہار میں ان لوازم کا خیال رکھا گیا ہو،جنہیں ہم ادبی جمالیات کے نام سے تعبیر

کرتے ہیں اور جسے تخلیق ادب کے لیے ضروری تصور کیا جاتا ہے۔ادب کے اخلاقیات میں بہر حال اس چیز کی اجازت نہیں ہوتی جو مخرب اخلاق ہوں، تمدن پر ضرب لگاتی ہوں، تہذیبی اقدار کی بقا کے لیے خطرہ کھڑا کرتی ہوں یا جس میں انسانیت کو ضرر پہنچانے کے امکانات پوشیدہ ہوں۔ جس طرح کے موضوعات اور زبان کا ذکر کیا گیا اس سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا ابن صفی نے اپنے قارئین کو اردو کا گرویدہ نہیں بنایا ؟، کیا انھوں نے غیر اردو داں طبقے کو اردو کی شیرینی کی جانب متوجہ نہیں کیا؟، کیا انھوں نے لوگوں کی روزمرہ زبان کو بہتر اور فصیح نہیں بنایا؟، کیا انھوں نے ہندوستان میں اردو کی گرتی ہوئی دیوار کو سہارا نہیں دیا، کیا انھوں نے اپنی تحریروں سے ایک باوقار اور صالح معاشرے کی تشکیل میں حصہ نہیں لیا، کیا مختلف وجوہ کی بنا پر جاری و ساری سطح عشق و عریانیت اور فحاشی کے سیلاب کو کامیابی سے نہیں روکا، کیا انھوں نے تفریحی ادب کے متلاشیوں کی تسکین کا صحت مند سامان فراہم نہیں کیا؟، کیا وہ ایک رجحان ساز ادیب نہیں تھے؟، کیا انھوں نے اپنے ناولوں میں زندہ جاوید کردار تخلیق نہیں کیے؟ اگر ہم ان میں سے کسی بات سے انکار نہیں کر سکتے تو پھر ابن صفی کی تحریروں میں وہ کون سی کمی یا خامی ہے جو ان کو دوسرے عہد ساز ادیبوں کی صف میں کھڑا ہونے میں مانع ہے۔آیئے دیکھتے ہیں کہ دوسرے ناقدین کیا کہتے ہیں۔کرسٹینا اوسٹرہیلڈ کے مطابق:

''اس میں شک نہیں کہ لوگ ابن صفی کے ناول تفریحی مشغلے کے طور پر پڑھتے تھے تا کہ ایک بے کیف زندگی سے باہر نکل کر سنسنی اور تفریح سکون محسوس کر سکیں۔ان کہانیوں میں انھیں پر آسائش زندگی، حسین عورتیں یا مرد، بڑی کاروں ،اقتدار اور دوسروں پر اختیار اور بدی پر نیکی کی فتح کے خواب سچ ہوتے دکھائی دیتے تھے۔ وہ خطرناک حالات کی سنسنی کا اور اعمال (منشیات و شراب نوشی کی کثرت اور ناجائز جنسی تعلقات) کی متصورہ اور ممنوع لذتوں کا تجربہ کر سکتے تھے، جو ویسے ہمیشہ برے کرداروں سے وابستہ ہوتے تھے اور جن کا واضح اور تفصیلی بیان کبھی نہیں کیا جاتا تھا......ابن صفی کی تحریروں میں بعض آدرش اسی بالواسطہ انداز میں تشکیل پاتے ہیں۔''

(کرسٹینا اوسٹرہیلڈ ،ادب ساز، دہلی، جنوری تا جون 2008)

ایک پاکستانی ادیب ابن صفی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''ابن صفی کا شمار گو کہ پاپولر فکشن رائٹر میں ہوتا ہے اور انھوں نے عمر بھر جاسوسی ناول لکھے لیکن ان جاسوسی ناولوں میں ان کی زبان پر جو دسترس ظاہر ہوتی ہے اور جوان کا انداز تحریر ہے، اسی بدولت انھیں اردو ادب میں ایک ممتاز مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اردو ادب میں موضوعات کو داخلی اور خارجی کیفیات تک محدود کر دیا گیا ہے، جب کہ دوسری زبانوں کے فکشن میں ہر طرح کے موضوع پر مواد ملتا ہے۔ آج دنیا دہشت گردی کے جس عفریت کا شکار ہے، سائنس اور ٹیکنالوجی میں جو حیرت انگیز ترقی ہو رہی ہے، اردو فکشن ان مظاہر سے دور ہی رہتا ہے، مگر ابن صفی نے اپنے جاسوسی ناولوں میں ان موضوعات کو اس وقت تحریر کیا جب یہ مسائل دنیا کے سامنے نہیں تھے۔''

(آصف ملک، روزنامہ ایکسپریس، کراچی، 28 جولائی 2005 بحوالہ ادب کے تقاضے اور ابن صفی از ڈاکٹر یعقوب یاور، ص6)

ابن صفی کے متعلق جو ایک بات عام ہے وہ زبان ہے بیشتر ناقدین نے ان کی زبان کو بہتر بتایا ہے۔ اب اس بات کا اندازہ لگانا بڑا مشکل ہے کہ کیا وجوہات ہیں جس کی بنا پر ابن صفی کو وہ مقام حاصل نہ ہو سکا جس کے وہ مستحق تھے۔ 52 سالہ زندگی پر محیط ان کا ادبی سفر آئندہ نسل کے لیے مشعل راہ کی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے باوجود بھی ان سے جس طرح کا سوتیلا پن کیا گیا موجودہ نسل اس سوتیلے پن کو قبول نہیں کر سکتی۔ جس وقت وہ لکھ رہے تھے خواہ عمران سیریز ہو یا فریدی، حمید سیریز لوگ پہلے لینے کی غرض سے دوکانوں پر چکر لگایا کرتے تھے کہ کہیں ختم نہ ہو جائے اور میں محروم نہ رہ جاؤں۔ مشہور تنقید نگار شمس الرحمن فاروقی رقم طراز ہیں:

''میرا خیال ہے کہ ابن صفی ہمارے زمانے کے مقبول ترین ناول نگار تھے اور ابھی ان کی مقبولیت باقی ہے، چاہے پہلے جیسی نہ ہو جب مجھ جیسے طالب علم کتابوں کی دکانوں کے چکر لگایا کرتے تھے کہ ابن صفی کا ناول سب سے پہلے ہمارے ہاتھ آ جائے۔ اردو ہی نہیں دنیا کے جاسوسی ادب میں ایسا بہت کم ہوا ہے کسی جاسوسی ناول نگار کی موت کے اتنی مدت کے بعد بھی اس کے ناول پڑھے جاتے رہیں۔ میری نسل (یعنی وہ نسل جو دوسری جنگ عظیم کے فوراً بعد پروان چڑھی) کے سامنے انگریزی

کے جو مقبول ترین جاسوسی ناول نگار تھے، ان میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کا نام آج لوگوں کو یاد ہو، اس کے ناول کا مقبول ہونا تو دور کی بات ہے۔''

(قرۃ العین حیدر اپنی جگہ، ابن صفی اپنی جگہ از شمس الرحمن فاروقی، بحوالہ ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ، ص82)

اس زمانے میں ابن صفی کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب شمس الرحمن فاروقی جیسا شخص ان کے ناولوں کو خریدنے کے لیے دکانوں کا چکر لگایا کرتا تھا کہ ناول سب سے پہلے ہمارے ہاتھ آ جائے۔ ابن صفی کو اس زمانے میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا انہیں بازارو اور فٹ پاتھیا ناول نگار کہا گیا لیکن کیوں؟ کیوں کہ وہ ان میں سے نہیں تھے جو بہتی دھارا میں بہہ جانے کے عادی تھے، وہ فحاشی اور عریانیت سے ادب کو پاک رکھنا چاہتے تھے۔ اگر ہم ایک منٹ کے لیے ابن صفی کے ناولوں کو بازارو ناول بھی کہتے ہیں تو جہاں مغرب میں فٹ پاتھیا ادب یعنی پلپ فکشن (Pulp-Fiction) کی اپنی جگہ، وہیں ہندی اردو کا نک چڑھا پن، محدود فکر، تعصّبانہ مزاج اور ادب کے لیے لسانی معیار پسندی کا نظریہ جاسوسی ناولوں کو برہمن معاشرے میں اچھوت کی طرح بنائے ہوئے ہے۔ راقم الحروف کا ماننا ہے کہ ابن صفی نے جیسا بھی ناول لکھا ہو اردو ادب میں جاسوسی ادب کے بنیاد گزار اور معمار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جہاں تک اردو ناول کے کینوس کا سوال ہے کھیت کھلیان، جاگیردارانہ نظام، جنسی بے راہ روی، تعلیمی پس ماندگی، مذہبی تشدد اور فرقہ وارانہ فسادات سے زیادہ وسعت اختیار نہیں کر سکا۔ علاوہ ازیں بیسویں صدی میں صرف ایک ابن صفی ایسے ادیب ہیں جنھوں نے ادب میں جاسوسی ناول کو ایک صنف کے طور پر برتا اور اسے آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ اس کے متعلق محمد عارف اقبال رقم طراز ہیں:

''بیسویں صدی میں ابن صفی واحد ناول نگار ہیں جنھوں نے جاسوسی ادب کی بنیاد ایک صنف کے طور پر رکھی اور ادب میں مقصدیت کو ترجیح دیتے ہوئے ٹیم اسپرٹ اور لیڈر شپ کو عصر حاضر کے معاشرے کی اصلاح کے لیے لازمی تصور کیا۔ سہارا ٹی وی سے منسلک معروف صحافی لئیق رضوی نے اپنے ایک مضمون میں بڑی اہم بات کہی ہے: ''ابن صفی نے جاسوسی ناول کو بڑا وزن دیا۔ اسے زندگی کے فلسفے اور سماجی شعور سے جوڑا۔ پراسرار اور سنسنی خیز وادیوں میں ہچکولے کھلانے کے بجائے انہوں نے

عام طور پر قاری کو جرم کی پرت در پرت سچائیوں سے روبرو کرانے کی جستجو کی تفتیش اور مجرم کی تلاش میں کھو جانے کے بجائے وہ ان سوتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو لگاتار جرم اور مجرم کو اگل رہے ہیں''۔

(ابن صفی کا نصب العین از محمد عارف اقبال، بحوالہ ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ، ص 18-19)

بالا اقتباس کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ابن صفی کے ناولوں کے بنیادی مقصد لوگوں کو قانون کا احترام سکھانا اور سماج سے برائیوں کا خاتمہ ہے۔ مقصدی ادب کا بنیادی نکتہ علم و ادب کے ذریعہ سماج کی تہذیب و تطہیر ہے۔ ابن صفی نے اپنا ذریعہ اظہار تجسس کو بنایا اور اس میں ہر طرح کے موضوع کو شامل کرنے کی کوشش کی چاہے وہ معاشی، سیاسی، سماجی یا تہذیبی ہو۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں: ''حیات و کائنات کا کون سا ایسا مسئلہ ہے جسے میں نے اپنی کسی کتاب میں چھیڑا نہ ہو۔''

متذکرہ بالا ناقدین کے خیالات کے پیش نظر یہ بات بڑے اعتماد سے کہی جا سکتی ہے کہ اکثر ناقدین کھل کر ابن صفی کی حمایت میں نہیں آ رہے تھے، لیکن واضح طور پر ان کی مخالفت بھی نہیں کر رہے تھے۔ اس رویے کا تجزیہ ہونا ابھی باقی ہے اور اس کام کو نہایت تندہی اور دیانت داری سے کیے جانے کی ضرورت ہے۔ البتہ یہاں اتنا تو کہا ہی جا سکتا ہے کہ ناقدین کے اس محتاط رویے نے آنے والے وقت میں ابن صفی پر صالح تنقید کے دروازے کھول دیے ہیں۔

ابن صفی کا اتنا بڑا کارنامہ کہ انہوں نے 32-30 سالہ ادبی زندگی میں 250 سے زائد ناول لکھے۔ یہ اردو ادب کیا دنیا کی دیگر زبانوں کے لیے بھی ایک بہترین مثال ہے۔ ہمیں ان کے کارناموں کو نظر انداز کرنے کے بجائے فخر محسوس کرنا چاہئے کہ اردو ادب کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس کے پاس ابن صفی جیسا ناول نگار ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی رقم طراز ہیں:

''خرم علی شفیق نے ابن صفی کی تحریروں کے لیے ''جمہوری ادب'' کی اصطلاح وضع کی ہے اور کہا ہے ان کی مقبولیت کے پیش نظر انہیں اقبال جیسے شعرا کا ہم پلہ قرار دینا

چاہئے۔ دوسری بات انہوں نے یہ کہی ہے (اور اس میں آپ بھی ان کے ہم نوا لگتے ہیں) کہ ابن صفی کی تحریروں میں حقیقت پسندی اور سماجی شعور اور اصلاح معاشرہ کی کوشش کے کئی نمونے نظر آتے ہیں۔ شفیق صاحب کا خیال ہے کہ ابن صفی کا مزاج مصلحانہ اور فلسفیانہ تھا۔ مجھے ان باتوں سے اتفاق نہیں ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ابن صفی کو ویسا ہی پیش کرنا چاہئے جیسے کہ دراصل وہ تھے۔''

(قرۃ العین حیدر اپنی جگہ، ابن صفی اپنی جگہ از شمس الرحمٰن فاروقی، بحوالہ ابن صفی: اور ادبی کارنامہ، ص، 82)

آخر میں یہ بات بڑے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ ابن صفی کے ساتھ تعصّبانہ اور محتاط رویہ اختیار کیا گیا ہے۔ ہماری تنقید نے ابن صفی کے ساتھ صریحاً ناانصافی کی ہے۔ اس کا تدارک ہم کو اور ہمارے عہد کے نقادان ادب کو کرنا ہے۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے ہمارے بزرگ ناقدین کے علاوہ ہماری نسل نے بھی اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اس لیے امید قوی ہے کہ جلد از جلد ابن صفی سے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے گا۔

شیراز احمد انصاری، شعبہ اردو حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی حیدرآباد میں پی ایچ ڈی کے ریسرچ اسکالر ہیں۔

ابن صفی کی جاسوسی ناول ''پیشگوئی کا شکار'' میں بیانیہ تکنیک کا استعمال

ہلال احمد شاہ

بیانیہ کو انگریزی زبان میں Narration کہا جاتا ہے۔بیانیہ کے متعلق ایک عام رائے یہ ہے کہ ایک ایسے طرز اظہار کا نام ہے جس میں تسلسل و روانی و ربط کے ساتھ ساتھ موزوں اور مناسب فکر و خیال کو پیش کیا جاتا ہے یعنی تحریر کو مناسب الفاظ،بہترین جملوں اور فقروں کو موزوں انداز میں پیش کرنا بیانیہ کہلاتا ہے۔اس کا استعمال افسانوی نثر ہی میں زیادہ تر ممکن ہے کیونکہ غیر افسانوی نثر میں اس کے استعمال سے اصل حقیقت مجروح ہونے کا امکان ہے۔اسی لیے داستانوں، ناولوں،افسانوں میں اس کے منظّم اور پر تاثیر استعمال سے حسن پیدا کر دیا جاتا ہے۔ممتاز شیریں نے اپنے ایک مضمون ''تکنیک کا تنوع ،ناول اور افسانے میں'' بیانیہ تکنیک کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''بیانیہ صحیح معنوں میں کئی واقعات کی ایک داستان ہوتی ہے جو یکے بعد دیگرے علی الترتیب بیان ہوتا ہے'' (اردو افسانہ مسائل اور روایت۔ص74)

اس مضمون کے آغاز میں ممتاز شیریں نے بیانیہ تکنیک کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

''اردو کے افسانوں میں یوں ہی چن لیجیے :آنندی ،حرامجادی،ہماری گلی ،شکوہ و شکایت۔یہ کس تکنیک میں لکھے گئے ہیں؟بیانیہ۔ٹھیک۔ان میں مکالمے سے زیادہ کام نہیں لیا گیا۔'' (اردو افسانہ مسائل اور روایت۔ص74)

ممتاز شیریں کا یہ مضمون تنقیدی نگارشات میں نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔بہت سارے لوگوں نے بیانیہ کو اسلوب کا نام دیا ہے لیکن ممتاز شیریں، شمس الرحمٰن فاروقی اور مجید بیدار نے بیانیہ کو تکنیک ہی قرار دیا ہے کیونکہ اسلوب تکنیک ہی کا ایک ذیلی حصہ ہے۔ڈاکٹر آصف اقبال نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اسلوب تکنیک کا ایک اہم حصہ ہے۔شمس الرحمٰن فاروقی نے بیانیہ تکنیک کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

''بیانیہ تکنیک وہ تکنیک ہے جس میں کوئی شخص (افسانہ نگار یا کوئی کردار) کوئی افسانہ بیان کرتا ہے یا پھر جس میں افسانے کو کسی ایک کردار کے نقطہ نظر سے اور صرف اس کے شعور و احساس کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے''

(جدید افسانہ تجربے اور امکانات ص23)

بیانیہ میں کچھ باتیں قابلِ غور ہوتی ہیں وہ یہ کہ بیانیہ میں کوئی نہ کوئی راوی ضرور ہوتا ہے۔جو کردار کہانی بیان کرتا ہے اس کی طرف ہماری توجہ زیادہ نہیں جاتی ۔حالانکہ افسانوی نثر میں کہانی بیان کرنے والا بھی ایک کردار ہوتا ہے۔اگر ہم یہ کہیں کہ وہ مصنف خود بیان کر رہا ہوتا ہے تو کرداروں کی زبان سے جو مکالمے پیش ہوتے ہیں تو وہ بھی تو مصنف کے ہی ہوتے ہیں۔ہم یہ جاننے کے باوجود کہ یہ مصنف کی لکھی ہوئی کہانی ہے افسانے یا ناول کو کردار کی کہانی مانتے ہیں۔اگر کسی ناول یا افسانے میں کسی کردار پر کوئی مصیبت ٹوٹتی ہے یا کوئی مشکل کا سامنا ہوتا ہے تو کیا ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ مصیبت خود مصنف پر آئی تھی؟ ہرگز نہیں ۔کیونکہ ہم یہ مانتے ہیں کہ یہ مصنف کا تخلیق کردہ کردار ہے جس کی ایک الگ دنیا ہے،جس کا اپنا الگ مزاج ہے۔اسی طرح جس کی زبان سے کہانی سنائی جا رہی ہے وہ بھی ایک کردار ہی ہوتا ہے۔لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ یہ کردار باقی کرداروں کی طرح ہمارے سامنے نہیں آتا۔اس لئے ہم اسے زیادہ تر محسوس نہیں کرتے۔

بیانیہ کے کردار ہونے کا ایک بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ بہت سارے مصنفوں نے جو خود مذکر ہیں مونث کی زبان سے کہانی بیان کی ہے مثلاً (امراؤ جان ادا اور آسمان پھول اور لہو) ، کئی تخلیق کاروں نے بچوں کی زبان سے اور کچھ نے بوڑھوں کی زبان سے کہانی سنائی ہے۔حالانکہ

کرشن چندر نے پشاور ایکسپریس میں ٹرین کی زبان سے کہانی بیان کی ہے۔اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بیانیہ میں باضابطہ ایک کردار ہوتا ہے جو ہمیں کہانی سناتا ہے اور جسے راوی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ بیانیہ کو پیش کرنے کے لئے کئی طریقے اپنائے جاتے ہیں۔کچھ کہانیوں میں فنکار واحد غائب اور واحد متکلم کے صیغوں کا استعمال کرتے ہیں۔کہیں خطوط اور ڈائری اور کہیں منظر نگاری کو اپنایا جاتا ہے۔

ابن صفی ہندو پاک کے وہ جانے مانے جاسوسی ناول نگار ہیں جو کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ان کے قلم سے مشہور و معروف جاسوسی ناول نکلے جن میں دلیر مجرم ،لاش کا بلاوا، دلچسپ حادثہ، پیشگوئی کا شکار وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ابن صفی نے اگرچہ اپنے ناولوں میں مکالموں سے زیادہ کام لیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بیانیہ تکنیک سے کام نہیں لیتے۔انہوں نے اگرچہ مکالموں کا زیادہ استعمال کیا ہے لیکن بیانیہ تکنیک سے وہ گریز نہیں کرتے۔بیانیہ تکنیک کو ابن صفی نے اپنے ناولوں کا ناگزیر حصہ بنایا ہے۔''پیش گوئی کا شکار'' ایک ایسا ناول ہے جس میں نام سے ہی ظاہر ہے کہ کوئی نہ کوئی شخص اس میں اپنی پیش گوئی کا شکار ہوتا ہوگا۔حالانکہ ایسا ہی ہے۔اس ناول میں ایک مصور آفاقی کا قتل ہوتا ہے اور کرائم رپورٹر انور کے سر قتل چڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ اس نے آفاقی کے قتل کے متعلق انسپکٹر آصف کو ایک پیشگوئی دی تھی۔اور آفاقی کے قتل کے بعد اس کی لاش کے قریب انور کا نام لکھا ہوا پایا جاتا ہے۔جس کی وجہ سے انور پر قاتل ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے۔حالانکہ جس رات کو یہ قتل ہوا تھا اس رات کو انور کرنل فریدی کے پاس گیا ہوا تھا اور انور خود حیران تھا کہ اس کا نام قتل گاہ سے کس طرح برآمد ہوا۔اب اصلی قاتل کون تھا؟ اس قاتل کو کس طرح پکڑا جاتا ہے۔اور پھر انور کا نام کیوں لکھا گیا تھا؟ یہ نام کس نے لکھا تھا؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کی وجہ سے ناول میں ایک قسم کا تجسس پیدا ہوتا ہے اور اس تجسس کو پیدا کرنے میں ابن صفی کی بیانیہ تکنیک نے ایک اہم رول ادا کیا ہے۔

ناول ''پیشگوئی کا شکار'' میں مصنف نے بیانیہ تکنیک کو اپناتے ہوئے صیغہ واحد غائب کا استعمال کیا ہے۔حالانکہ پوری ناول میں اگرچہ زیادہ تر مکالموں سے کام لیا گیا ہے لیکن بیانیہ کی

مداخلت سے ناول کے اہم واقعات اور کرداروں کی داخلیت پر روشنی پڑتی ہے۔ابن صفی ایسے ناول نگار ہیں جو بیانیہ سے پوری طرح واقفیت کے حامل نظر آتے ہیں۔اسی لئے انہوں نے صیغہ واحد غائب کا استعمال کیا ہے۔کیونکہ صیغہ واحد غائب میں بیانیہ کردار ایک تو زمان و مکان سے آزاد ہوتا ہے یعنی یہ کردار ہمیں بیک وقت کئی جگہوں سے متعلق واقعات بیان کرسکتا ہے اور وہ کرداروں کے باطن میں داخل ہوسکتا ہے جو واحد متکلم (میں) کے بس کی بات نہیں۔اس کے برعکس واحد متکلم زمان و مکان کا پابند رہتا ہے اور وہ کرداروں کی اندرونی حالت سے ہمیں باخبر نہیں کرسکتا۔اگر کرے بھی تو وہ اس قدر قابلِ یقین نہیں جس قدر صیغہ واحدِ غائب کا ہوتا ہے۔ ناول کے ابتدا ہی سے بیانیہ کردار کی مداخلت شروع ہوجاتی ہے اور اس کے کئی اہم واقعات کو بیانیہ ہی کی صورت میں پیش کیے گئے ہیں۔اگر ان بیانیہ واقعات کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو واقعات میں اس قدر ربط و تسلسل قائم ہوجاتا ہے کہ پوری کہانی خود بخود ذہن میں آجاتی ہے۔چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

(1) ''کرائم رپورٹر انور دشواری میں پڑ گیا تھا۔کوئی جرم سرزد نہیں ہوا تھا اس سے بس ایک پیش گوئی الٹی آنتوں کی طرح گلے میں پڑ گئی تھی۔ریالٹو میں انسپکٹر آصف کے ساتھ کافی پی رہا تھا۔''تمہاری زندگی کے تھوڑے دن ہیں'' انور کی زبان سے بے ساختہ نکلا تھا۔انور نے آرٹسٹ کی طرف اشارہ کرکے کہا تھا۔''

(2) ''لیکن دو دن بعد ہی انسپکٹر آصف محاورتاً اس کے لیے پھانسی کا پھندا بن گیا کیونکہ آفاقی کی لاش اسی صبح کو اس کے اسٹوڈیو میں پائی گئی تھی اور وہ شراب پی کر نہیں مرا تھا بلکہ ریوالور کی گولی لگی تھی سینے میں۔اور ریوالور بھی لاش کے قریب ہی پڑا پایا گیا تھا۔''

(3) ''ایک نامکمل تصویر ایزل پر تھی اور ایزل کے قریب اور ایزل کے قریب آفاقی فرش پر چت پڑا ہوا تھا۔داہنے ہاتھ کے پاس ایک برش پڑا نظر آیا۔جس میں سرخ رنگ لگا ہوا تھا۔تصویر نامکمل بھی کہی جاسکتی تھی اور مکمل بھی کیونکہ ایک تجریدی تصویر تھی اور اسے تصویر بھی صرف تجرید کرنے والے مصور ہی کہہ سکتے تھے ورنہ انور کے لئے تو وہ محض رنگوں کی لیپا پوتی تھی اور تجریدی مصوروں کو وہ رنگ ساز کہتا تھا۔''

(4) ''آصف تیزی سے ایزل کی طرف جھپٹا تھا۔ جھک کر ان سرخ لکیروں کو غور سے دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی تھی......تھوڑا سا غور کرنے پر ''انور'' صاف پڑھا جا سکتا تھا۔ شاید اس نے انور سے آگے بھی کچھ لکھنے کی کوشش کی تھی لیکن برش ایک بے ہنگم سی لکیر کھینچتا ہوا اس کے ساتھ ہی فرش پر آپڑا تھا۔''

ان اقتباسات کو مدنظر رکھتے ہوئے بیانیہ تکنیک پر غور کرنے کی وجہ سے کچھ باتیں سامنے آتی ہیں جو قابلِ غور ہیں۔ اقتباس (1) میں بیانیہ کردار نے انور کے کردار پر روشنی ڈالی ہے۔ ایک یہ کہ وہ کرائم رپورٹر ہے یعنی وہ جرموں سے متعلق خبریں شائع کرتا ہے۔ اور اس سے کوئی جرم نہیں ہوا تھا بلکہ صرف ایک پیش گوئی کا شکار ہو گیا تھا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے یہ کیسے پیش گوئی کی تھی کہ آرٹسٹ آفاقی کی زندگی کے تھوڑے دن باقی ہیں۔ لیکن اقتباس (2) پر غور کرنے سے یہ بات خود ہی عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ شراب پی کر نہیں مرا تھا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آفاقی شراب پینے کی لت میں ملوث تھا اور انور نے اسی وجہ سے اس کے مرنے کی پیش گوئی کی تھی۔ لیکن قاری کی توجہ اب ریوالور کی وجہ سے تجسس میں پڑ جاتی ہے کیونکہ قتل تو ریوالور سے کیا گیا تھا جو وہیں موجود تھا۔ اب اگر اقتباس (3) پر غور کیا جائے تو اس میں صیغہ واحد غائب نے ایک نامکمل تصویر یعنی تجریدی تصویر کی بات چھیڑی ہے خود اسے نامکمل اور مکمل بھی کہا ہے۔ تجریدی تصویر وہ تصویر ہوتی ہے جو عام شخص کی سمجھ سے باہر ہوتی ہے اس لئے راوی واحد غائب نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انور جیسے شخص کے لئے یہ تصویر صرف ایک لپائی تھی۔ لیکن اس اقتباس میں دو باتیں وہ رہتی ہیں جن کا جواب اقتباس (4) کے بغیر نہیں ملتا۔ وہ یہ کہ تصویر نامکمل بھی کہی جا سکتی تھی اور مکمل بھی۔ اگر تصویر نامکمل تھی تو مکمل کیسے تھی؟۔ ہاں! نامکمل تو اس لئے کہی جا سکتی تھی کیونکہ وہ ایک تجریدی تصویر تھی۔ لیکن مکمل کیسے تھی؟ اقتباس (4) میں راوی غائب نے دونوں باتوں کا جواب خود دیا ہے۔ ایک یہ کہ تھوڑا سا غور کرنے پر ''انور'' صاف پڑھا جا سکتا تھا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک مکمل تصویر تھی جس سے ایک پورا نام ظاہر تھا۔ لیکن دوسرے جملے میں راوی بیانیہ نے نامکمل تصویر ہونے کے ثبوت میں دو باتیں بیان کہی ہیں۔ ایک یہ کہ شاید اس نے

انور سے آگے بھی لکھنے کی کوشش کی تھی اور دوسری یہ کہ برش بے ہنگم سی لکیر کھینچتا ہوا فرش پر آپڑا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لکھنے والے نے انور سے آگے بھی کچھ لکھنا چاہا تھا لیکن کسی وجہ سے نہ لکھ سکا اور وہ بات ادھوری رہ گئی جو وہ کہنا چاہتا تھا۔ یہ اقتباسات ناول میں تسلسل میں نہیں ہیں، ایک اقتباس سے دوسرے اقتباس تک بیچ میں بہت سارے مکالمے ہیں لیکن مصنف نے بیانیہ کی تکنیک اپناتے ہوئے ان اقتباسات میں ایک تسلسل کی زنجیر پیدا کی ہے۔ پہلے اقتباس میں انور کی پیش گوئی کا ذکر ہے، دوسرے اقتباس میں آفاقی کے قتل کا بیان ہے، تیسرے اقتباس میں ایک نامکمل تجریدی تصویر کا بیان ہے اور چوتھے اقتباس میں انور کا نام پائے جانے کا ذکر ہے لیکن ساتھ ہی اس سے آگے لکھنے کی کوشش اور بے ہنگم سی لکیر کھینچے جانے کی بات راوی بیانیہ کی زبان سے پیش کی گئی ہے۔ ان اقتباسات میں پیش آئے ہوئے واقعات پر جب غور کیا جاتا ہے تو ایک تسلسل کی زنجیر کا اندازہ ہوتا ہے۔ جو مصنف نے بیانیہ تکنیک کو اپناتے ہوئے دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔

ناول کے آخر تک آفاقی کے اصلی قاتل کا پتہ لگانے کے لئے بہت ایسے واقعات پیش کیے گئے ہیں کہ جن سے قاری کا تجسس اور دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ آفاقی کو رشیدہ کے ساتھ بھی جھگڑا ہوا تھا کیونکہ وہ اس کی ایک دوست مس کنول (جو ایک فلم ایکٹریس تھی) کو عرصے سے بلیک میل کر رہا تھا۔ اور اس جھگڑے میں آفاقی نے رشیدہ کو انور کی داشتہ کہا تھا۔ یہاں سے قاری کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آفاقی ایک بلیک میلر بھی تھا اور شک ہوتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس وجہ سے قتل کیا گیا ہو۔ لیکن قتل ِکیا کس نے، رشیدہ نے یا مس کنول نے؟ اور ہو سکتا ہے کہ آفاقی نے تصویر پر انور کی داشتہ لکھنے کی کوشش ہو جو وہ پورا نہ لکھ سکا۔ فنگر پرنٹس کی اطلاع ملنے سے پہلے بیانیہ کردار نے کرنل فریدی کی بات چھیڑ کر کسی حد تک قاتل کی معلومات میں اضافہ کیا ہے۔

''اسی شام کو آصف (انسپکٹر) نے فون پر انور کو اطلاع دی کہ وہ فریدی سے تصدیق کر چکا ہے! اس نے وہ رات اسی کے ساتھ گزاری تھی اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق آفاقی کی موت پچھلی رات نو اور بارہ بجے کے درمیان کسی وقت واقع ہوئی تھی۔''

اس اقتباس سے راوی بیانیہ نے یہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس رات قتل ہوا تھا

اس رات کوانور کرنل فریدی کے ساتھ تھااور قاری کے لئے اس شک کواور مضبوط بنایا کہ قتل رشیدہ یا مس کنول کی جانب سے ہوا تھا۔لیکن اس کے لئے ثبوتوں کی اور ضرورت تھی۔لیکن فنگر پرنٹس کی رپورٹ سے یہ بات پتہ چلنے کے بعد کہ ریوالور جو موقع واردات پر ملا تھا اس پر خود آفاقی کے انگلیوں کے نشانات ملے ہیں اور آفاقی پر جو گولیاں چلائی گئی تھیں وہ دو پانچ کے پستول سے چلائی گئی تھیں انور کو کچھ سوچنے پر مجبور کرتی ہیں۔اس کے علاوہ ررشیدہ سے انور کو جب

رشید جبار (سب ایڈیٹر) کے متعلق یہ پتہ چلا کہ اسی نے انسپکٹر آصف کو رشیدہ اوراس کے متعلق غلط معلومات فراہم کی تھیں تو رشیدہ سے باتیں کرتے کرتے وہ اچانک خاموش ہو جاتا ہے۔

''انور جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہوگیا۔دفعتاً اسے کچھ یاد آگیا تھا۔وہ اٹھ گیا اور
دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا'میں پتہ نہیں کب واپس آؤں گا' ''

یہاں راوی بیانیہ نے کچھ سوالیہ نشانات چھوڑے ہیں جو قاری کو سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔ایک یہ کہ پستول کا نام سنتے ہی وہ سوچنے پر مجبور کیوں ہوا؟ دوسرا یہ کہ رشید جبار کا نام سنتے ہی وہ خاموش کیوں ہوگیا؟ شاید اس پستول کے بارے وہ جانتا تھا اس لئے اس کو وہ باتیں یاد آگئیں جو اس پستول سے وابستہ تھیں۔رشید جبار کا نام آتے ہی خاموشی کی وجہ یہ تھی کہ رشید جبار مس کنول کا بوائے فرینڈ رہا تھا۔مس کنول کو آفاقی نے بلیک میل کیا تھا جو جھگڑے کی وجہ بن گئی تھی اوراس لئے رشید جبار کا اس کے (کنول) ساتھ تعلق ہونے کی بنا پر وہ اس کی مدد کر رہا تھا۔رشیدہ مس کنول کی دوست تھی اس لئے وہ اس راز کو چھپا کر رکھنا چاہتی تھی اور وہ بھی مس کنول کو بچانے میں پیش پیش رہی۔لیکن اب کچھ اور سوالات قاری کے ذہن میں رہتے ہیں جن کے جواب کے لئے وہ تجسس کا شکار ہوتا ہے۔اگر مس کنول اور رشید جبار نے آفاقی کا قتل کیا تھا تو انور کا نام کیوں لکھا گیا تھا اور وہ کس نے لکھا تھا؟ اور پستول کو اس سے کیا تعلق تھا؟ یہاں مصنف کی بیانیہ تکنیک کا اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح اس نے کہانی کو آگے بڑھایا کہ سوال پہ سوال اور تجسس پہ تجسس برقرار رہتا ہے اور کہیں پر بھی تسلسل نہیں ٹوٹتا۔ایک سوال کا جواب ملنے کے بعد ذہن میں اور کہیں سوالات ابھرتے ہیں جن کا جواب پانے کے لئے قاری بے قرار رہتا ہے۔

ناول کے آخری حصے میں مصنف صیغہ واحد غائب کے بیانیہ انداز میں انور کا ہوٹل کرسٹی کے لئے روانہ ہونا (جہاں رشید جبار اور مس کنول موجود ہوتے ہیں)،مس کنول کی بگڑتی ہوئی حالت اوراس کے ساتھ ساتھ مکالموں کے انداز میں مس کنول اور رشید جبار کی تمام چالاکیوں کو بے نقاب کرتا ہے۔رشیدہ کو بھی اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ انور کو مس کنول پر شک ہو گیا تھا اس لئے وہ انور کے پیچھے ہی کرسٹی ہوٹل کا رخ کرتی ہے۔

''انور کے روانہ ہوتے ہی رشیدہ نے اپنا اسکوٹر سنبھالا تھا۔تھوڑی دیر قبل والی گفتگو
نے اسے یقین دلایا تھا کہ انور اس کی سہیلی ہی پر توجہ دے رہا ہے۔''

جوں ہی انور مس کنول کے سامنے آفاقی کے قتل کی بات چھیڑتا ہے تو اس کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے۔اس کے چہرے سے جو آثار نمایاں ہوتے ہیں وہ بیانیہ کردار نے یوں بیان کیا ہے:

''رشیدہ محسوس کر رہی تھی کہ کنول کی حالت بھی بگڑ رہی ہے۔اس کے چہرے پر اسے
اندرونی کشمکش کے آثار نظر آئے تھے۔''

انور اب مس کنول کو پوری شک کی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا کیونکہ وہ پستول جس سے گولیاں چلائی گئی تھیں اس کی لائسنس انورادھا کے نام کی نکلی تھی جو کسی وقت مسٹر آفاقی کی سکریٹری رہی تھی۔انورادھا کا نام آتے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تصویر پر لکھا گیا ادھورا نام انورادھا ہی تھا جو آفاقی نے لکھنے کی کوشش کی تھی لیکن انور تک ہی لکھ پایا تھا اس سے آگے لکھنے کی کوشش ناکام رہی تھی جو تصویر سے صاف ظاہر تھا۔اسی لئے تصویر کو راوی بیانیہ نے نامکمل کہا تھا۔

بیانیہ تکنیک کو ناول میں اس طرح اپنایا گیا ہے کہ ناول کے اس آخری حصے میں بھی قاری کے ذہن میں کئی شبہات رہتے ہیں وہ یہ کہ اگر پستول کسی انورادھا کے نام ہے تو مس کنول کے چہرے کا رنگ کیوں پھیکا پڑ گیا؟ مس کنول کو انورادھا کے ساتھ کیا تعلق تھا؟ ان سوالات کا جواب آخری صفحات کے اقتباسات میں ملتا ہے جن میں انور، رشید جبار اور مس کنول کے ساتھ محو گفتگو نظر آتا ہے:

''آج سے پانچ سال پہلے تم نے مس کنول سے متعلق پہلا مضمون لکھا تھا۔مضمون کا عنوان تھا آج کی الیکٹرکل کی ہیروئن۔۔۔تم نے اس میں نہ صرف مس کنول کے خاندانی نام انورادھا کا ذکر کیا تھا بلکہ ان کی دکھ بھری زندگی کے بعض واقعات بھی لکھے تھے۔''

''لیکن مس کنول آپ کو یہ ضرور یاد ہوگا کہ آپ نے ایک سال پہلے ذاتی تحفظ کے لئے اعشاریہ دو پانچ کے پستول کا لائسنس حاصل کیا تھا، ویسے مجھے یاد ہے کہ وہ پستول آپ نے کس دکان سے خریدا تھا، پستول کا میک اپ اور نمبر کیا ہے۔اور پولیس بڑی آسانی سے ان پستولوں کی شناخت کر لیتی ہے جن کی گولیاں لاشوں سے حاصل کرتی ہے۔''

پہلے اقتباس میں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مس کنول کا خاندانی نام انورادھا تھا اور رشید جبار نے اس کے متعلق کئی سال پہلے ایک مضمون شائع کیا تھا اور دوسرے اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ انورادھا نے ہی ایک سال پہلے اپنی ذاتی تحفظ کے لئے یہ پستول حاصل کیا تھا جس سے آفاقی کا قتل ہوا تھا۔اب ان سوالات کا جواب خود بخود ملتا ہے جن کے لئے قاری بے چین تھا۔ ایک یہ کہ انور پستول کا نام سنتے ہی کچھ سوچنے پر مجبور کیوں ہوا تھا اور انورادھا کا نام سنتے ہی وہ اچانک چپ کیوں ہوا تھا۔یعنی ان دونوں سوالوں کا جواب انور کے ذہن میں پہلے ہی تھا۔جو ہمیں راوی بیانیہ نے ذہن نشین کرایا ہے۔

ابن صفی کی بیانیہ تکنیک کا اندازہ ناول کے مطالعے کے بعد ہوتا ہے۔وہ اس بات سے پوری طرح واقف ہیں کہ بیانیہ کا انداز کہاں پر کس طرح اپنانا ہے اور مکالموں کا استعمال کس جگہ مناسب ہے۔مصنف اس بات سے پوری طرح واقف ہیں کہ بیانیہ کردار کی زبان سے کن باتوں کو پہلے ہی قاری تک پہنچانا ہے اور کن باتوں پر پردہ رکھنا ہے۔اگر بیانیہ کردار پہلے ہی تمام رازوں کو فاش کرے تو ناول میں وہ کشمکش اور تجسس نہیں رہ سکتا۔اس بات سے مصنف واقف نظر آتا ہے۔اسی لئے ناول کے آخر تک بہت سے سوالات ذہن میں ابھرتے رہتے ہیں اور ان کا جواب کرداروں کی کشمکش اور بیانیہ انداز میں خود بخود ملتا ہے۔

ناول ''پیشگوئی کا شکار'' کے بیانیہ مطالعے کے بعد جو باتیں سامنے آتی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1. راوی واحد غائب ناول کے ابتدا سے ہی ایسی معلومات پہنچاتی ہیں جو ناول میں کشمکش کا باعث بنتی ہیں اور قاری آگے پڑھنے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے۔مثلاً

(ا) ''انور دشواری میں پڑ گیا تھا۔کوئی جرم سرزد نہیں ہوا تھا اسے بس ایک پیش گوئی الٹی آنتوں کی طرح گلے میں پڑ گئی تھی۔''

(ب) ''دو دن بعد ہی انسپکٹر آصف اس کے لئے پھانسی کا پھندا بن گیا۔''

(ج) ''رپورٹ کے مطابق آفاقی کی موت۔۔رات نو اور بارہ بجے کے درمیان۔۔ ہوئی تھی۔''

2. مصنف نے صیغہ غائب کی زبان سے ایسے واقعات کو بیان کیا ہے جن میں ڈرامائیت کا اثر پیدا ہو گیا ہے۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم اپنے آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں ۔ مثالیں:

(ا) ''آصف تیزی سے ایزل کی طرف جھپٹا تھا۔جھک کر سرخ لکیروں کو غور سے دیکھنے لگا۔''

(ب) ''تھوڑی دیر بعد پھر فون کی گھنٹی بجی تھی۔انور نے ریسیور اٹھایا اس بار کرنل فریدی کی آواز تھی۔''

3. راوی بیانیہ نے نہ صرف بہت سارے اہم واقعات اور کرداروں پر روشنی ڈالی ہے بلکہ کرداروں کی ظاہری عمل کے ساتھ ساتھ ان کی نفسیات اور ذہنی و باطنی عمل کو بھی پیش کیا ہے۔مثالیں:

(ا) ''انور سوچتا ہوا اپنی موٹر سائکل تک آیا۔۔قاتل بے حد چالاک معلوم ہوتا ہے۔ اس نے پولیس کو باور کرانے کی کوشش کی۔۔اور ریوالور وہیں پھینک کر فرار ہو گیا۔''

(ب) ''انور جملہ پورا کیے بغیر خاموش ہو گیا۔دفعتاً اسے کچھ یاد آ گیا تھا۔''

(ج) ''رشیدہ محسوس کر رہی تھی کہ کنول کی حالت بھی بگڑ رہی ہے۔''

4. بیانیہ کردار نے کرداروں پر روشنی ڈالنے کے لئے دو طریقے اختیار کیے ہیں بالواسطہ اور بلاواسطہ۔

بالواسطہ کی مثال:

''کرائم رپورٹر انور دشواری میں پڑ گیا تھا۔''

''ریالٹو میں انسپکٹر آصف کے ساتھ کافی پی رہا تھا۔''

یہاں راوی نے انور کے دشواری کی بات چھیڑی تھی اسی کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ وہ کرائم رپورٹر بھی ہے۔وہ دوست کے ساتھ کافی پی رہا تھا بالواسطہ یہ بھی بتا دیا کہ اس کا دوست انسپکٹر بھی ہے۔

بلاوسطہ کی مثال:

''رشید جبار اسٹار کے فلمی شعبے کا انچارج تھا۔جب وہ ڈیوٹی پر نہیں ہوتا تھا ان اوقات میں انور۔میگزین کے شمارے نکلواتا۔''

(یہاں بلاواسطہ پتہ چلتا ہے کہ رشید جبار کس شعبے کا انچارج تھا)

یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابن صفی ایک ایسے ناول نگار ہیں جنہوں نے اپنے جاسوسی ناولوں میں مکالمہ نگاری کے ساتھ ساتھ بیانیہ تکنیک کے تمام حربے استعمال کیے ہیں اور اپنے ناولوں کو اس تکنیک کی وجہ سے بلندی تک پہنچایا ہے جو شاید ہی کسی اور تخلیق کار کے بس کی بات ہے۔

ہلال احمد شاہ، ایم۔فل ریسرچ اسکالر، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدر آباد۔

ابن صفی: ایک مطالعہ

صدیقی صائم الدین سلیم الدین صدیقی

ابن صفی 26 رجولائی 1928 کو الہ آباد، اتر پردیش کے ایک گاؤں نارا میں پیدا ہوئے۔اردو زبان کے شاعر نوح ناروی رشتے میں ابن صفی کے ماموں لگتے تھے۔''ابن صفی'' کا اصل نام ''اسرار احمد'' تھا۔انہوں نے ابتدائی تعلیم نارا کے پرائمری اسکول میں حاصل کی۔میٹرک ڈی اے وی اسکول الہ آباد سے کیا جبکہ انٹرمیڈیٹ کی تعلیم الہ آباد کے ایونگ کرسچن کالج سے مکمل کی۔1947 میں الہ آباد یونیورسٹی میں بی اے میں داخلہ لیا۔

1948ء میں عباس حسینی نے ماہنامہ نکہت کا آغاز کیا۔ابن صفی شعبہ شاعری کے نگراں مقرر ہوئے۔رفتہ رفتہ وہ مختلف قلمی ناموں سے طنز و مزاح اور مختصر کہانیاں لکھنے لگے۔ان قلمی ناموں میں 'طغرل فرغان' اور 'سنکی سولجر' جیسے اچھوتے نام شامل تھے۔1948ء میں نکہت سے ان کی پہلی کہانی 'فرار' شائع ہوئی۔

جب ابن صفی نے ایسا ادب تخلیق کرنے کی ٹھانی جو بہت جلد لاکھوں پڑھنے والوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔عباس حسینی کے مشورے سے اس کا نام ''جاسوسی دنیا'' قرار پایا اور ابن صفی کے قلمی نام سے ''انسپکٹر فریدی'' اور ''سرجنٹ حمید'' کے کرداروں پر مشتمل سلسلے کا آغاز ہوا جس کا پہلا ناول ''دلیر مجرم'' مارچ 1952 میں شائع ہوا۔1949ء سے 1952ء کے عرصے میں ابن صفی پہلے اسلامیہ اسکول اور بعد میں یادگار حسینی اسکول میں استاد کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے تھے۔اگست 1952ء میں ابن صفی اپنی والدہ اور بہن کے ہمراہ پاکستان چلے گئے جہاں انہوں نے کراچی کے علاقے ''لالوکھیت'' کے ''سی ون'' میں 1953ء سے 1958ء تک رہائش

اختیار کی۔ ان کے والد 1947ء میں کراچی آ چکے تھے۔ اگست 1955ء میں ابن صفی نے ''خوفناک عمارت'' کے عنوان سے ''عمران سیریز'' کا پہلا ناول لکھا اور ''علی عمران'' کے کردار کو راتوں رات مقبولیت حاصل ہوئی۔ ابن صفی کے بقول:

''ان کے صرف آٹھ ناولوں کے مرکزی خیال کسی اور سے مستعار لئے ہیں باقی کے 245 ناول مکمل طور پر ان کے اپنے ہیں۔''

جناب ''ابن صفی'' بلاشبہ اردو کے سب سے بڑے جاسوسی ناول نگار گزرے ہیں۔ اردو میں آزادی کے بعد لکھے جانے والے ناولوں کے دور پر بہت کم لکھا گیا ہے پھر بھی ڈاکٹر اعجاز حسین نے ''اردو ادب آزادی کے بعد'' اور ڈاکٹر علی حیدر نے ''اردو ناول سمت و رفتار'' میں ان کا ذکر کیا ہے۔ پاکستان میں ڈاکٹر سلیم احمد نے اپنی کتاب ''اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ میں'' ابن صفی کا ''مختصر ترین'' ذکر کیا ہے۔ ابن صفی کے فن کو سراہنے والی ادبی شخصیات میں ''بابائے اردو مولوی عبدالحق''، ''پروفیسر مجنوں گورکھپوری''، ''محمد حسن عسکری''، ''کالم نگار حسن نثار''، ''شاعر امجد اسلام امجد''، ''صحافی و ادیب قاضی اختر جونا گڑھی''، سیاسی شخصیات میں ''فیلڈ مارشل ایوب خان'' اور ''ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب'' جیسے نام شامل ہیں۔ ابن صفی کے فن کا اعتراف کرنے والی مغربی شخصیات میں خاتون ناول ''نگار'' ''اگاتھا کرسٹی''، اردو زبان کی جرمن اسکالر خاتون ''کرسٹینا اوسٹر ہیلڈ'' اور ''نارویجیئن پروفیسر فن تھیسن'' شامل ہیں۔ کرسٹینا اوسٹر ہیلڈ نے ''ابن صفی'' کے فن کے بارے میں کہا تھا:

''ابن صفی کی جس بات سے میں سب سے زیادہ متاثر ہوں، وہ یہ ہے کہ ان کے کردار فریدی اور عمران کبھی کسی عورت کی جانب نگاہ بد پھیرتے ہوئے دکھائی نہیں دیتے۔ ابن صفی کے جاسوسی ناول کی جاسوسی ادب میں اس لحاظ سے انوکھی حیثیت ہے کہ اس میں ایک مشن یا مقصد موجود ہے۔ اس لیے اسے محض تفریحی ادب نہیں کہا جاسکتا۔ ان کے جاسوسی ناولوں میں فکری و ذہنی تربیت بھی پوری طرح موجود ہوتی ہے۔''

پروفیسر ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی نے ابن صفی کو یوں خراج تحسین پیش کیا:

''میں نے کبھی ابن صفی کے ناولوں کو کتابوں کے درمیان چھپا کر نہیں رکھا۔ ہمارے انٹلکچوئل اسے ایک سب اسٹینڈرڈ مواد گردانتے ہیں، لیکن ان میں سے کوئی ابن صفی کے تخلیقی ذہن کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ کوئی مجھ سے پوچھتا ہے کہ آپ ابن صفی کے ناول کیوں پڑھتے ہیں تو میں جواب دیتا ہوں، کیونکہ ابن صفی ہمارے کئی ناول نگاروں سے بہتر زبان لکھتے ہیں۔''

''جب محمد حسن عسکری نے یہ شکایت کی کہ اردو نثر کا فن زوال پذیر ہے اور کوئی اچھی زبان نہیں لکھ رہا ہے تو میں نے انہیں ابن صفی کی جاسوسی دنیا کا ایک ناول پڑھنے کو دیا۔ اس کے بعد وہ ہر ماہ پوچھتے تھے " کشفی صاحب، ابن صفی کا نیا ناول آ گیا؟''

ابن صفی نے اپنے کرداروں کے تحت اپنے اطراف کے حالات و مسائل کی عکاسی کرنے کی مکمل کوشش کی ہے، ساتھ ہی اُنھوں نے اُن مسائل کا حل بھی نہایت اچھے انداز میں عوام کے گوش گذار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

اُن کے نظریہ کے تحت ہر مسئلہ کا ذمّہ دار شخص جب تک اپنی اصلاح نہیں کر لیتا سماج کا بدل پانا ممکن نہیں۔

ابن صفی نے اپنے ناولوں میں مستقل کرداروں سے قطع نظر چند ایسے کردار تخلیق کیے جو خیر و شر کے جیتے جاگتے نمونے بن کر سامنے آتے ہیں۔

سیاسی نظریات میں وہ اسی بات کے قائل تھے کہ ہر انسان برابر ہے اور سیاست داں قوم کا قدمت گار، اور قانون کا پابند شخص ہوتا ہے۔ وہ کسی سے اعلیٰ یا افضل نہیں ہوتا۔

عالمی افق کی ہمہ وقت بدلتی صورتحال پر ابن صفی کی ہمیشہ گہری نظر رہی۔ ترقی پسند تحریک ہو یا پھر وطن عزیز کے لیے ایٹمی پراسسنگ پلانٹ کا حصول، ان کی تحریروں میں جا بجا ان معاملات کا ذکر ملتا ہے۔ ان کے دیرینہ دوست اور شاعر و ادیب، جناب شاہد منصور نے اسی موضوع پر اپنے ایک مضمون میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''ہمارے ملک پر بھی ایک ایسا وقت آن پڑا تھا کہ یار لوگوں نے اس ملک کو سرخ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ اس گمبھیر وقت کا سامنا کرنے میں بھی ابن صفی

صف اول میں سینہ سپر تھے۔انہوں نے پے در پے اپنے کئی ناولوں میں نہ صرف اس مسئلے کو اٹھایا بلکہ ان ریشہ دوانیوں کا بھی بڑی چابکدستی سے پردہ فاش کیا جو سفارتی ہتھکنڈوں سے ثقافتی سرگرمیوں کے پردے میں کی جارہی تھیں۔''

ابن صفی کے ناولوں سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں کہ جن کو پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ کہیں غلطی سے وہ مروجہ ادب کے میدان میں باضابطہ قدم رکھ دیتے تو بڑے بڑوں کی چھٹی ہو جاتی اور اس لحاظ سے چار حرف لکھ کر اہل کمال ہوجانے والوں کو ابن صفی کا احسان مند ہونا چاہیے کہ انہوں نے ان کو کھل کھیلنے کا موقع فراہم کیا:

(1) ''اگر خود غرضی اور جاہ پرستی سے منہ موڑ لیا جائے، ایک نئے انداز کی سرمایہ داری کی بنیاد ڈالنے کے بجائے خلوص نیت سے وہی کیا جو کہا جاتا رہا ہے تو عوام کی جھلاہٹ رفع ہوجائے گی۔ضرورت ہے کہ انہیں قناعت کا سبق پڑھانے کی بجائے ان کی خودی کو ابھارا جائے جیسا کہ بعض دوسرے ملکوں میں ہوا ہے۔اللہ کبھی اس پر برہم نہیں ہوسکتا کہ کوئی قوم اپنے حالات کو مدنظر رکھ کر اپنے وسائل کی تقسیم کا مناسب انتظام کرلے''۔

(2) ''ان کا طرز حکومت جمہوری کہلاتا ہے۔جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مغز چند آدمیوں کے حصے میں آئے اور ہڈیاں عوام کے سامنے ڈال دی جائیں۔یہ اپنے مسائل طاقت ہی سے حل کرتے ہیں مگر اسے اشتراک باہمی کا نام دیتے ہیں۔اس کے حاکم خود کو عوام کا نمائندہ کہتے ہیں۔عوام ہی انہیں حکومت کے لیے منتخب کرتے ہیں لیکن یہ ان کی مالی قوت ہی ہوتی ہے جو انہیں اقتدار کی کرسی تک پہنچاتی ہے لیکن وہ اسے عوام کی قوت اور رائے عامہ کہتے ہیں۔حالانکہ رائے عامہ مالی قوت ہی سے خریدی جاتی ہے۔انہیں منتخب ہونے کے لیے اپنے مخالفوں کے خلاف بڑے بڑے محاذ قائم کرنے پڑتے ہیں۔ایک خطرناک جنگ شروع ہوتی ہے اور اس جنگ کو رائے عامہ ہموار کرنا کہا جاتا ہے۔اس میں بھی طاقت ہی کی کارفرمائی ہوتی ہے۔آخر ایک آدمی مخالفوں کو کچلتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے''۔

(3) ''ہماری زمین کے سینے میں کیا نہیں ہے مگر ہم مفلس ہیں......کاہل ہیں......ہمیں باتیں بنانی آتی ہیں۔ہم تقریر کرسکتے ہیں،ایک دوسرے پر اپنی ذہنی برتری کا رعب ڈال سکتے ہیں۔ایک دوسرے کی جڑیں کاٹنے کے لیے اپنی بہترین صلاحیتیں ضائع کرسکتے ہیں۔لیکن ہم سے تعمیری کام نہیں ہوسکتے''۔

(4) ''میں جانتا ہوں کہ حکومتوں سے سرزد ہونے والے جرائم، جرائم نہیں حکمت عملی کہلاتے ہیں۔جرم تو صرف وہ ہے جو انفرادی حیثیت سے کیا جائے''۔

(5) ''تربیت ضروری چیز ہے، یہ کیا کہ ایک معمولی کلرک کو کلرکی کا امتحان دینا پڑے۔ایک پولیس کانسٹیبل، رنگروٹی کا دور گزارے بغیر کام سے نہ لگایا جائے لیکن ترکاریوں کے آڑھتی، بے مروت جاگیردار اور گاؤدی قسم کے تاجر براہ راست اسمبلیوں میں جابیٹھیں اور قانون سازی فرمانے لگیں اور ان ہی میں سے کچھ کابینہ کے ارکان بن جائیں۔سوچنے کی بات یہ ہے کہ نچلی سطح پر امتحانات اور ٹریننگ کا چکر چلتا رہے اور اوپر جس کا دل چاہے پہنچ جائے۔بس جیب بھاری ہونی چاہیے، نہ کوئی امتحان اور نہ کوئی ٹریننگ''۔

ابن صفی ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے۔شاعری میں بھی ابن صفی کسی سے بھی کم نظر نہیں آتے۔وہ ایک نظریہ کے تحت اپنی شاعری کو پرواز دیتے ہیں اور عوام کے دلوں میں گھر کر جاتے ہیں۔

ابن صفی کے تخلیق کردہ 245 ادب پاروں کا جائزہ لینے سے ہمیں ان میں ابن صفی کا ادبی و شاعرانہ تخیل بطریق احسن نظر آتا ہے۔مگر ابن صفی کو جو شہرت ناول نگاری یا نثر میں حاصل ہوئی وہ مقام انھیں شاعری میں نا مل سکا۔جدید جاسوسی ادب کی تاریخ ابن صفی کو کبھی فراموش نہ کرسکے گی۔ابن صفی سرّی ادب کے سب سے بہترین ناول نگار ہیں۔

صدیقی صائم الدین سلیم الدین صدیقی،متعلم ایم اے ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر مراٹھواڑہ یونیورسٹی اورنگ آباد۔

ابن صفی کے ناول اور صنف نازک کے اسرار و رموز: ایک جائزہ

آمنہ سحر

''میں اردو نہیں جانتی مگر برصغیر کے جاسوسی ناول سے واقفیت رکھتی ہوں۔ صرف ایک اوریجنل (اصلی) ناول نگار (ادیب) ابن صفی ہے''۔ (اگاتھا کرسٹی)

ابن صفی کی تعریف میں کہے گئے یہ جملے اگاتھا کرسٹی کے ہیں ساری دنیا میں انگریزی جاسوسی ادیب کی حیثیت سے اپنا لوہا منوانے والی اگاتھا کرسٹی کے یہ جملے ابن صفی کی وہ حیثیت اور مقام متعین کرتے ہیں جو آج تک اردو ادب میں انہیں نہیں دیا گیا، جس سے وہ آج تک محروم ہیں۔

ابن صفی کی پہچان سری ادب سے نہیں ہوئی بلکہ سری ادب کی پہچان ہی ابن صفی ہیں۔ ان کا اپنا الگ منفرد انداز تھا۔ وہ اپنے شوخ اور شگفتہ انداز تحریر کے خود ہی خالق تھے اور یہ ان کے ساتھ ہی ختم ہوگیا۔ یہ وہ منفرد انداز تحریر ہے جو ہمیں روایتی و کلاسیکل داستانوں جیسے داستان امیر حمزہ اور طلسم ہوش ربا میں نظر آتا ہے۔ بقول تنویر عادل:

''ابن صفی کی جگہ اردو زبان کی کلاسکس میں آتی ہے...... داستان امیر حمزہ اور طلسم ہوش ربا کے بعد تیسری لازوال شئے ابن صفی کے ناول ہیں جنھوں نے اپنی زندگی ہی میں تین نسلوں کو متاثر کیا''۔ (امرفن کار کتاب آئینۂ ادب)

ان داستانوں اور ابن صفی کے ناولوں میں سب سے بڑا فرق کردار اور ماحول کا ہے۔ ان داستانوں کے کردار مافوق الفطری ہوتے ہیں جب کہ ابن صفی کے کردار اس دنیا کے ہی جیتے

جاگتے کردار ہیں اور ان کا ماحول بھی ہمارا دیکھا بھالا ہے۔ یہ وہ ماحول ہے جس میں ہم رہتے ہیں، بستے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ایک زمانہ گزر جانے کے بعد بھی ان کے کردار اپنی اثر انگیزی اور سحریت کو قائم رکھے ہوئے ہیں بلکہ ان کی مقبولیت میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔

فطرتاً ابن صفی شاعر تھے ان کی شاعری روایتی شاعری کی امین ہے۔ وہی بانکپن، شوخی، سادگی ان کی تحریروں میں بھی سمٹ آئی جو ان کی شاعری میں جھلکتی ہے۔ ان کی نثر ان کی شاعری کی طرح سحر انگیز ہے۔ بقول شاعر لکھنوی:

''شعر سب سے بڑا جادو ہے اور غزل سب سے بڑی جادوگری۔ ان کی جاسوسی تحریریں پڑھنے والوں پر جو سحر کاری کرتی ہیں وہ ان کے غزل شناس مزاج ہی کی مرہون منت ہیں اور اسی لیے ان میں پڑھنے والوں پر جادو کر دینے کی غیر معمولی صلاحیت ملتی ہے۔'' (''اسرار ناروی'' شاعر لکھنوی، آئینۂ صفی، ص 217)

ابن صفی کا شگفتہ انداز بیان، شوخ تحریر، دلکش اسلوب، رواں دواں زبان، سلیس و سادہ لب و لہجہ، عام فہم الفاظ، تخیل کی بلند پروازی، تجسس کے حیرت انگیز سلسلے، جرم کی نت نئ راہیں، کرداروں کی رنگارنگی، دلچسپ مکالمے، کرداروں سے بے ساختہ سرزد ہونے والی مضحکہ خیز حماقتیں، لطیف پیرائے میں کیا جانے والا طنز، مزاح کی ہلکی ہلکی چاشنی، کرداروں کی بے ساختہ شوخی، زندہ دلی جہاں قاری کو سحر انگیز کرتے ہیں وہیں ابن صفی کو دوسرے ادیبوں سے ممتاز بناتے ہیں۔ ان کے اس منفرد، شوخ انداز تحریر کے لیے صرف ایک بات کہی جاسکتی ہے ''بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے''۔

اسرار ناروی نے ابن صفی بننے سے بہت پہلے ایک شعر کہا تھا۔

زندگی دار و رسن سے بھی جلا پاتی ہے
چھوڑیئے زلف کے قصے لب و رخسار کی بات

ان کے تمام جاسوسی ناول اسی شعر کی مکمل تعبیر ہیں۔ صرف تفریح طبع کے لیے ابن صفی نے جاسوسی ناول نہیں لکھے۔ ان کے تمام ناول مقصدیت سے بھرپور نظر آتے ہیں سب سے واضح

مقصد تو ازل سے جاری نیکی و بدی کی کشمکش ہے جس میں فتح بالآخر نیکی کی ہوتی ہے۔ ابن صفی خود اپنے مضمون ''میں نے لکھنا کیسے شروع کیا'' میں رقمطراز ہیں:

> ''حیات و کائنات کا کون سا ایسا مسئلہ ہے جسے میں نے اپنی کسی نہ کسی کتاب میں چھیڑا نہ ہو''

ان کے ناولوں میں عالمی منظر نامہ سے لے کر سماجی برائیاں، بھولتے معاشرتی اقدار، مشرقی تہذیب کا زوال، مغربیت کا جنون سب کچھ نظر آتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد ساری دنیا میں پائی جانے والی بے چینی، مایوسی، سپر پاور کی دوڑ، عالمی طاقتوں کی رسہ کشی، تیسری دنیا پر تسلط قائم کرنے کے لیے کی جانے والی گھناؤنی سازشیں، نیوکلیر ہتھیاروں کی دوڑ، نوآبادیات کا جنون، سرمایہ داری، اقتدار کی کشمکش، منظّم جرائم سے لے کر فرد واحد کے جرائم سب کچھ ان کے ناولوں میں نظر آتے ہیں۔ ان کا ہر ناول کسی نہ کسی مقصد کو واضح کرتا ہے۔ مگر دلچسپ اور خاص بات یہی ہے کہ یہ مقصدیت ان کی تحریروں کو بوجھل نہیں کرتی۔ وہ اپنے شوخ اور دلکش انداز تحریر سے قاری کو سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر وہ قاری کو ان جرائم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ابن صفی نے جب جاسوسی ناول لکھنا شروع کیا اس وقت ترقی پسند تحریک اپنے عروج پر تھی۔ یہ سچ ہے کہ ترقی پسند تحریک نے ادب کا رشتہ حقائق سے جوڑا۔ خواب و خیال کی باتوں کے بجائے زندگی کی تلخ اور سفاک حقیقت کو پیش کیا مگر اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ترقی پسند ادب کہیں نہ کہیں فحاشیت کی لپیٹ میں نظر آتا ہے بھلے ہی اسے بے باکی سے بیان کی جانے والی حقیقت کہیں یا اور کچھ، بہ الفاظ دگر اسے فحاشی ہی کہیں گے۔ ترقی پسند ادب کے نسائی کردار، اپنی تمام بلندی، جامعیت، کاملیت کو سمیٹے ہوئے بھی فحاشیت چھلکاتے ہیں۔ عورت کی نفسیات، جذبات اور حالات کے بہاؤ میں سرزد ہونے والی لغزشوں کو ترقی پسند ادب نے بخوبی پیش کیا ہے مگر پھر بھی عورت کی وہ چھاپ مٹا نہیں پائے جو عورت کو صرف تفریح طبع یا عیاشی کا ایک ذریعہ سمجھتے

ہیں بلکہ کچھ ناول نگاروں کے یہاں تو عورت اس سے بڑھ کر فحاشی کا نمونہ نظر آتی ہے۔ حالاں کہ عورت کو ننگا کرنا گھٹیا پن تو ہو سکتا ہے حقیقت نگاری نہیں۔

اردو ادب پر ابن صفی کا سب سے بڑا احسان یہی ہے کہ انہوں نے عورت کو نئے معانی میں اجاگر کیا۔ وہ عورت کو ایک طاقت کے روپ میں پیش کرتے ہیں مگر اس کی نسوانیت اور نسائیت کو مجروح نہیں کرتے۔ ان کے ناولوں کی عورت چہار دیواری سے لے کر ڈانس بارس اور Clubs میں بھی نظر آتی ہے مگر وہ عورت کے ہر روپ کو اسی فنی مہارت سے پیش کرتے ہیں کہ قاری کے ذہن و دل میں عزت و احترام کا جذبہ خود بخود موجزن ہو جاتا ہے۔ تنویر عادل نے بھی اپنے مضمون میں اسی کا ذکر کیا ہے:

> ''انہوں نے حوا کی بیٹی کو عریاں کرنے کے بجائے احترام و تقدس کی چادر میں اس کے سراپا کو لپیٹا حالاں کہ کئی ناول جنسی مریضوں کے متعلق ہیں لیکن انہوں نے کہیں بھی فحش منظر کشی کر کے قاری کے ذہن کو پراگندہ نہیں کیا''۔

خود ابن صفی اپنے مضمون ''بقلم خود'' میں اپنے لکھنے کی وجہ ہی اسے بتاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''پھر ایک دن یہ ہوا کہ ایک ادبی نشست میں کسی بزرگ نے کہا ''اردو میں صرف جنسی افسانوں کی مارکیٹ ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں بکتا''۔

میں نے کہا ''یہ درست ہے لیکن ابھی تک کسی نے بھی جنسی لٹریچر کے سیلاب کو روکنے کی کوشش نہیں کی، کسی طرف سے آواز آئی ''یہ ناممکن ہے جب تک کوئی متبادل چیز مقابلے میں نہ لاتے............ یہ قطعی ناممکن ہے''

اور یہ متبادل چیز جاسوسی ناول کے روپ میں سامنے آئی۔ اس کے ذریعہ ابن صفی نے جہاں جنسیت کے سیلاب کو روکا وہیں عورت کی تقدیس و احترام کا جذبہ پیدا کیا جس کی آج کے دور میں بھی شدید ضرورت ہے۔

ابن صفی کا کوئی بھی ناول عورت سے مبرا نہیں ہے۔ان کے ہر ناول میں عورت شروع سے آخر تک موجود ہے لیکن اپنے حرکیاتی کردار کے ساتھ کہیں بھی اس کے کردار میں عریانیت کی جھلک نظر نہیں آتی۔وہ عورت کو طاقت کے طور پر پیش کرتے ہیں مگر اس طرح کہ اس کی نزاکت، دلکشی اور نسوانیت مجروح نہیں ہو پاتی۔گو کہ ان کے مرکزی کردار مرد ہیں مگر انہوں نے تھریسیا جیسا لافانی کردار تخلیق کیا جو اکثر مواقع پر عمران پر بھی حاوی نظر آتی ہے۔

ابن صفی کے ناولوں کی عورت معاشرہ کا جیتا جاگتا کردار ہے۔وہ اس فلسفہ پر یقین رکھتے تھے کہ کسی بھی ملک وقوم کی ترقی کے لیے عورت کی ترقی بے حد ضروری ہے۔اسی لیے انہوں نے اپنے ناولوں میں عورت کی ترقی کو بہتر انداز میں پیش کیا۔ابن صفی نے عورت کو اپنے مقام انسانیت سے ہٹا کر نہ دیوی دیوتاؤں کے روپ میں پیش کیا جیسا کہ ہمارے ملک کی تہذیب میں بتایا جاتا ہے نہ گھٹا کر اسے عام بازارو اور سوقیانہ خصوص والی طوائف بنایا۔ابن صفی نے عورت کا صحیح تصور پیش کیا۔اسے انہوں نے صحیح انسان کا درجہ دیا۔انسان جو سوچتا ہے، اچھائی کی راہ پر چلتا ہے اور کبھی برائی کی دلدل اسے کھینچ لیتی ہے۔ابن صفی کے ناولوں بھی اچھی اور بری دونوں عورتیں ملتی ہیں۔ابن صفی کے ناولوں کی عورت دنیا میں اچھے اقدار کے لیے لڑتی ہے، اپنی ذہانت، دانش مندی سے جرم کا قلعہ قمع کرتی ہے، وہیں یہ اپنی انا، مردوں کی بالا دستی کے خلاف اور کبھی اپنے جنون کی خاطر مجرم بن جاتی ہے۔

ابن صفی نے اپنے ناولوں میں عورت کا ہر روپ پیش کیا۔ان کے نسائی کردار نہ صرف مشرقی حسن وتہذیب کو سمیٹے ہوئے ہیں بلکہ ان میں مغربی رنگ بھی جھلکتا ہے۔

ان کے لکھنے کا دور وہ ہے جب عورتوں میں تعلیم کا شعور بیدار ہو چکا تھا، عورتوں میں اصلاح کا کام کاملیت کے دور میں داخل ہو چکا تھا، فرسودہ روایتوں کی زنجیریں توڑی جا چکی تھیں، کبھی چہار دیواری میں محصور برصغیر کی عورت اب مردوں کے شانہ بشانہ کھڑی تھی۔انگریزی تعلیم نے ذہن ودل کی کھڑکیاں کھول دی تھیں۔معاشرتی اقدار تبدیل ہو رہے تھے۔جدید اصول وضع

ہوئے تھے۔مشرقیت رو بہ زوال تھی اور مغربیت کا عروج تھا، مشرقیت اور مغربیت کی کشمکش نے ہر طبقہ پر اپنا اثر چھوڑا، عورتوں نے اس کا زیادہ اثر لیا آزادی کے حصول تک گھونگھٹ اور لمبی چادروں کی جگہ جیکٹ اور پتلون نے لے لی۔ابن صفی نے اس تبدیلی کو اچھی طرح محسوس کیا اور اسے اپنے ناولوں میں جگہ دی۔ابن صفی چوں کہ اس دور میں جی رہے تھے۔انہوں نے اس دور کی ان تبدیلیوں کو دیکھا، جانا اور اس کی اچھائیوں اور برائیوں سے واقف ہوئے۔اس لیے ان کے یہاں وہ لڑکیاں بھی ملتی ہیں جو گھر کی چار دیواری میں محصور ہوتی ہیں فضا میں کھل کر سانس لینے کی خواہش انہیں باغیانہ راستوں کی تلاش پر مجبور کرتی ہے۔یہی راستہ آگے چل کر جرم کی طرف مڑ جاتا ہے اور یہی جرم ان کی نادانی اور بے خبری میں ملک سے غداری بھی بن جاتا ہے۔ان لڑکیوں کی کیفیات وہ موثر انداز میں بیان کرتے ہیں۔وہیں دوسری طرف وہ کھوکھلے معاشرتی اقدار کو بھی بیان کرتے ہیں۔حد سے زیادہ آزادی نے لڑکیوں کو آج اتنا Confuse کر دیا ہے کہ وہ اپنے سماج ومعاشرے سے تنگ آ کر صرف ایڈونچر کی خاطر جرائم کی طرف مائل ہو جاتی ہیں۔

ابن صفی عورت کی فطرت سے واقف تھے، عورت کے جذبات واحساسات سے مکمل آگاہی رکھتے تھے، عورت کی نفسیات پر ان کی مکمل گرفت تھی۔اشاروں کے شکار میں ہمیں نوعمر لڑکی روزا نظر آتی ہے جو اپنے باپ کی بے توجہی کی وجہ سے جرائم کی دنیا میں آ جاتی ہے، وہیں لیڈی پرکاش بھی ہے جو صرف اپنی تسکین کی خاطر جرائم کو اپناتی ہے۔ان کے ہاں لیڈی افروز جیسا کردار ہے جو صرف اپنے نفسیاتی جنون کی خاطر نوعمر لڑکوں کا درندگی سے قتل کرتی ہے وہیں روزا شیپرڈ اور غزالہ جیسے کردار بھی ملتے ہیں جو انسانیت کی خاطر اپنے باپ کے قتل پر افسوس بھی نہیں کرتیں۔پرنسس تارا کا کردار ہے جو اپنے محبوب کو پانے کے لیے خود کو داؤ پر لگا دیتی ہے۔لیڈی تنویر جیسی مضبوط عورت ہے جو اپنے بیٹے کے لیے بھی پراسرار ہے، جولیانا اور رشیدہ جیسے کردار بھی ہیں جو مشرق سے تعلق نہیں رکھتے مگر ان کی طرز زندگی مشرقیت کی دلیل ہے۔

ابن صفی لڑکیوں کی تعلیم اور ان کی ترقی کے حامی تھے مگر حد سے زیادہ آزادی کے خلاف تھے۔اسی لیے ان کے یہاں تمام تر مغربیت کے باوجود روایتی مشرقی ماحول بھی ملتا ہے۔قاسم کا گھر،

عمران اور اماں بی کا رشتہ، گل رخ اور سلمان کی نوک جھونک ہمیں مشرقی تہذیب کی یاد دلاتی ہے۔

مگر سب سے خاص بات جو ان کے ناولوں میں عورت کے حوالے سے ملتی ہے وہ اس کا حسن ہے۔ ابن صفی حسن کے معانی کچھ اور بیان کرتے ہیں، وہ ہر عورت کے حسن، اس کے نین نقش، اس کے سراپا کا ذکر بڑے ہی دل آویز انداز میں کرتے ہیں۔ ابن صفی کے ہاں حسن کے معانی ہی کچھ اور ہیں صرف خوبصورت چہرہ ہی حسن کی ضمانت نہیں بلکہ وہ اپنے نسائی کرداروں کی مخصوص عادتوں کا ذکر بھی بڑی دلکشی سے کرتے ہیں، بات کرتے ہوئے ہونٹوں کا کھنچاؤ، ہنستے ہوئے گردن کو ایک طرف کرنا، ماتھے کی سلوٹوں کا مخصوص ابھار یا پھر اس کی چال، وہ ان عام چیزوں کا ذکر خوبصورت و نادر تشبیہات اور دلکش استعاروں کے پردے میں یوں بیان کرتے ہیں کہ قاری کچھ لمحوں کے لیے ٹھٹھک جاتا ہے۔ مگر یہ حسن نمائشی نہیں ہوتا، ان کی ادائیں دلکش ہی نہیں ہوتیں بلکہ وہ اپنے Quick action سے قاری کے ذہن کو اس طرح چونکاتی ہیں کہ وہ اس کے حسن کو بھول جاتا ہے یہی ان کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ وہ حسن کو بیان کرتے ہیں مگر ثانوی طور پر۔ ان کی اولین ترجیح تو عورت کی عزت و احترام ہوتی ہے۔

ابن صفی نے 245 سے زائد جاسوسی ناول لکھے ہیں اور ان کے ہر ناول میں عورت نہایت واضح کردار رکھتی ہے۔ ان کے تمام نسائی کرداروں کے بارے میں لکھنا بہت مشکل ہے۔ اس کے لیے تو ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہوگی کیوں کہ ان کے ہر ناول میں عورت موجود ہے چاہے اس کا کردار مرکزی ہو یا ذیلی اور ابن صفی ہر کردار کی اس ماہرانہ چابکدستی سے تخلیق کرتے ہیں کہ وہ قاری کے ذہن سے محو نہیں ہوتا ہے۔

میں نے صرف ان نسائی کرداروں کا جائزہ لیا ہے جو بڑے ہی مشہور و مقبول ہیں، جن کا کردار ایک سے زائد ناولوں پر مشتمل ہے۔ اس سے ہٹ کر ان کرداروں پر مختصر سی روشنی ڈالی ہے جن کا کردار صرف مخصوص ناولوں میں موجود ہے مگر اتنا مکمل اور جامع ہے کہ اس میں عورت کی ساری نفسیات سمٹ آئی ہے۔

تھریسیا بمبل بی آف بوہیما:

یہ کردار ابن صفی کے تمام منفی کرداروں میں سب سے مضبوط حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ تمام نسائی کرداروں میں اپنی اسی خاصیت کی بنا پر اولین مقام رکھتا ہے۔ تھریسیا بمبل بی آف بوہیما یعنی ٹی تھری بی یہ وہ نام ہے جو ابن صفی کو پڑھنے والوں کے لیے نیا نہیں ہے۔ جس ناول میں بھی یہ کردار موجود ہے، اس نے پوری آب و تاب کے ساتھ قاری کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے اور اپنی منفیت کے باوجود یہ کردار اپنی ذہانت، دانائی، حسن اور بروقت فیصلہ کرنے کی حامل خاصیت کی بنا پر مثبت کردار یعنی ہیرو عمران سے بھی آگے نظر آتا ہے اور بے اختیار قاری کے زبان سے واہ واہ نکلتی ہے۔

تھریسیا کا کردار ابن صفی کے لازوال کرداروں میں سے ایک ہے۔ اس کردار کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ابن صفی کے تمام منفی کردار ٹی تھری بی کے زیر اثر کام کرتے ہیں۔ دنیا کے خطرناک مجرم سنگ ہی سے لے کر ڈاکٹر فنچ، الفانسے سب ٹی تھری بی کے زیر اثر کام کرتے ہیں۔

اس کردار کی تخلیق سے ابن صفی کی ادبی عظمت اور تخلیقی مہارت کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک طرف ٹی تھری بی کا کردار طاقت کا مظہر ہے تو دوسری طرف یہ عورت کی فطرت، نفسیات اور جذبات کی مکمل ترجمانی بھی کرتا ہے۔ سب سے پہلے ٹی تھری بی کے کردار کو ''کالے چراغ'' میں پیش کیا گیا ہے جس میں یہ زیرولینڈ کی سربراہ کے طور پر سامنے آتی ہے۔

زیرولینڈ دنیا کی سب سے خطرناک تنظیم ہے جو ساری دنیا پر اپنی حکومت کا خواب دیکھ رہی ہے۔ اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے تنظیم کے ایجنڈے میں پہلی نیوکلیر جنگ بھی شامل ہے۔ ساری دنیا کے خطرناک مجرم زیرولینڈ کے لیے کام کرتے ہیں۔ تھریسیا کو خطرناک تنظیم کا سربراہ بنانا سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ ایک ایسی تنظیم جس کا مقصد عالمی حکومت ہے اس کی سربراہ تھریسیا یعنی..........عورت!؟

ابن صفی نے شاید ٹی تھری بی کے ذریعہ پیشن گوئی کی تھی کہ اکیسویں صدی میں عورت کی سربراہی اپنے ملکوں سے بڑھ کر ساری دنیا پر ہو جائے گی۔ بات عجیب نہیں ہے اس کا واضح ثبوت آج کے دور میں مل جاتا ہے۔ اکثر عالمی تنظیموں کی سربراہی عورت کے ہاتھ میں آ گئی ہے چاہے وہ یورپی یونین ہو یا IMF۔

ویسے بھی یہ کردار اپنی تخلیق کے وقت مافوق الفطری نہیں تھا۔ ساٹھ ستر کی دہائی میں ٹی تھری بی کا کردار پوری شدت کے ساتھ نظر آتا ہے۔ اس دہائی کی برصغیر کی سیاست سے واقفیت رکھنے والوں کے لیے یہ کردار انوکھا نہیں تھا۔ تیسری دنیا کے اکثر ممالک پر عورت کی حکمرانی تھی۔ یہ حکمرانی بادشاہت نہیں تھی بلکہ خود عوام نے اپنے لیے منتخب کی تھی۔ ہندوستان میں اندرا گاندھی اور سری لنکا میں عنان حکومت بندار نائیکہ کے ہاتھ میں تھی اور ان تمام شخصیات کو ابن صفی نے ٹی تھری بی کے کردار میں سمیٹ لیا ہے۔ ٹی تھری بی میں جہاں اندرا گاندھی کا آہنی پن جھلکتا ہے وہیں بندار نائیکہ کی دانش مندی اور مضبوطی نظر آتی ہے۔

ٹی تھری بی کے کردار کو ابن صفی نے نہایت ہنر مندی سے تخلیق کیا ہے۔ جہاں وہ تھریسیا کو ایک ایسی طاقت کے طور پر پیش کرتے ہیں جس کے بارے میں ساری دنیا کے ذہن و دماغ بھی کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر ہوتے ہیں وہیں یہ کردار عورت کی فطرت اور جذبات کا مکمل گھیراؤ بھی رکھتا ہے۔ اپنی تمام تر دانش مندی، ذہانت اور طاقت کے باوجود ٹی تھری بی اپنی نسوانیت اور نسائیت کو قائم رکھتی ہے اور اپنے جذبات و احساسات کو بھی۔ اس کا واضح ثبوت عمران سے اس کا جذباتی التفات ہے۔

ٹی تھری بی کے کردار کے مطالعہ سے عورت کی فطرت واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے۔ عورت چاہے مشرقی ہو یا مغربی اس کی فطرت ایک ہی ہوتی ہے۔ وہ حکمرانی چاہے ملک پر کرے یا گھر پر، اپنی فطرت کو بھلا نہیں سکتی۔ عمران کے قریب کسی عورت کا وجود برداشت نہیں کر سکتی۔ عمران کے قریب کسی عورت کا سایہ برداشت نہیں کر سکتی گو کہ عمران پر اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ مگر

عمران کا کسی بھی عورت کے لیے ذرا سا بھی توجہ دینا اسے اشتعال میں مبتلا کر دیتا ہے۔ لیڈی مونیکا کا قتل اس کا واضح ثبوت ہے۔ زیرولینڈ کے سربراہ کے طور پر وہ اپنے سارے دشمنوں کو قتل کر دیتی ہے مگر عمران کے زیرولینڈ کو عظیم نقصان پہنچانے کے باوجود وہ ہر بار عمران کو زندہ بچا لے جاتی ہے بلکہ وہ اپنے فیلڈ ورکرز کو حکم دیتی ہے کہ وہ عمران کو نقصان نہ پہنچائیں۔ اسی حکم کے باعث تنظیم میں پھوٹ پڑتی ہے اور تنظیم بکھر جاتی ہے۔

اپنی تمام تر ذہانت، فطانت اور طاقت کے باوجود ٹی تھری بی کی سب سے بڑی خوبی جو اسے سب سے ممتاز کرتی ہے وہ اس کا روپ بدلنا ہے۔ وہ اپنا سراپا، آواز، چال بدلنے پر قادر ہے۔ مگر جو خاص بات ٹی تھری بی میں ہے وہ یہ کہ تھریسیا بغیر میک اپ کے بھی اپنا چہرہ بدل سکتی ہے، آنکھوں کے کھنچاؤ، لبوں کی مخصوص بناوٹ سے وہ اپنا چہرہ منٹوں میں بدل سکتی ہے۔ اسی بات کو ناقدین نے اس کردار کی خامی قرار دیا ہے۔ مگر میری ناقص رائے میں یہ ایک اشارہ ہے جسے ابن صفی اپنے قاری سے تسلیم کروانا چاہتے تھے اور خود بھی تسلیم کرتے تھے کہ عورت کے اصل روپ کو کوئی نہیں پہچان سکتا۔ اس کا ہر روپ پہلے سے الگ اور منفرد ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کا ثبوت ہمیں ٹی تھری بی کے روپ میں بھی ملتا ہے۔ وہ ہمیں افریقی نژاد میڈیلنا سے لے کر ایشیائی نژاد ثمینہ کے روپ میں بھی نظر آتی ہے۔

ابن صفی نے عورت کو نئے معانی میں اجاگر کیا۔ اردو ادب میں عورت کا کردار زیادہ سے زیادہ طوائف پر مشتمل تھا یا گھر کی چہار دیواری میں محصور، جو مظلومیت کا شکار ہوتی ہے۔ یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اس محدود دائرہ میں پلنے والی عورت کی نفسیات کو اردو ناول نگاروں نے موثر انداز میں بیان کیا ہے لیکن عورت کی صحیح تعریف بیان نہیں ہو پائی۔

لیکن ابن صفی نے عورت کے ہر روپ کو اپنے ناول میں جگہ دی ہے، چاہے وہ گھر کی چہار دیواری میں عورت ہو یا ملک و قوم کی ترقی میں اپنا کردار ادا کرنے والی خواتین۔

ان کے نسائی کردار اپنے دائرہ میں رہتے ہوئے بھی دنیا میں اپنے آپ کو منواتے ہیں۔ اپنی طاقت کے باوجود بھی یہ اپنی ذات کی دلکشی کو برقرار رکھتے ہیں۔

یہ کہنا بالکل غلط نہ ہوگا کہ ان کے ناولوں کی دلکشی میں ان کے نسائی کردار کا بڑا ہاتھ ہے۔ وہ اپنے ناول میں عورت کو پیش کرتے ہیں مگر اس طرح کہ اس کی پاکیزگی برقرار رہتی ہے۔ اس خوبصورتی سے اس کا سراپا بیان کرتے ہیں کہ عزت واحترام کا جذبہ خود بخود پیدا ہوتا ہے۔

ابن صفی کے اسی مقصد کو آج ہر خاص و عام میں پھیلانے کی ضرورت ہے۔ وہ عورت کی عزت کرتے تھے اور اپنے ناولوں کے ذریعہ سب سے مطالبہ کرتے تھے کہ وہ بھی عورت کی فطرت کو سمجھیں، ان کا ادب واحترام کریں۔ دہلی اور ممبئی کے حالیہ حادثوں کے بعد تو ابن صفی کے اس خاص پیغام کو اور شدت سے عام کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

آمنہ سحر، بی ایس سی، نرمل، عادل آباد۔

Detective Fiction & Ibn-e-Safi

مرکز برائے اُردو زبان، ادب و ثقافت کی مطبوعات

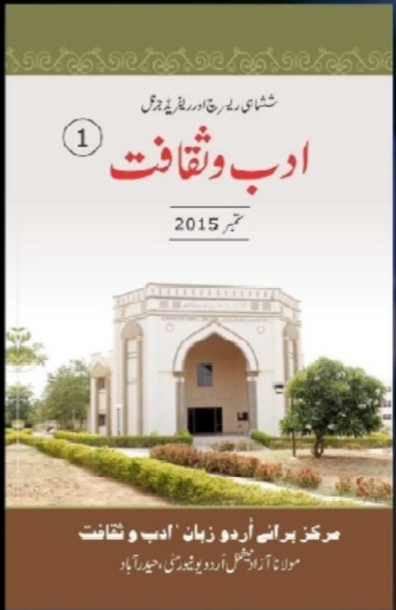

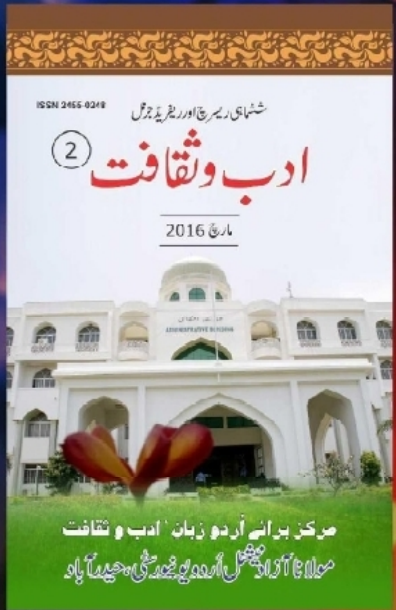

☆ سردار جعفری: کل اور آج ☆ خواتین کی تحریریں، خواتین سے متعلق تحریریں

☆ افکارِ آزاد ☆ اُردو زبان۔ نئے اُفق ☆ مخدوم۔ شاعر نبض شناس

ISBN 978-93-80322-05-6

Centre for Urdu Language, Literature & Culture
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 500 032 (Telangana) INDIA
Phone: 040-23008359-60 Website: www.manuu.ac.in